

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

بیان فرمودہ

حضرت مصلح موعودؓ

ادارہ الفضل آن لائن لندن



دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

بیان فرمودہ

حضرت مصلح موعودؓ

جلد اول

مرتبہ: محمد انور شہزاد

ادارہ الفضل آن لائن لندن

ادارہ الفضل آن لائن کی 29ویں کاوش

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ

رابطہ کرنے کے لیے

ویب سائٹ: www.alfazlonline.org

ای میل ایڈریس: info@alfazlonline.org

editor@alfazlonline.org

فون نمبر: +44 7951 614020

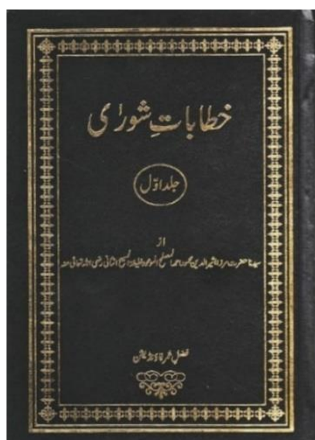
+44 7376 159966

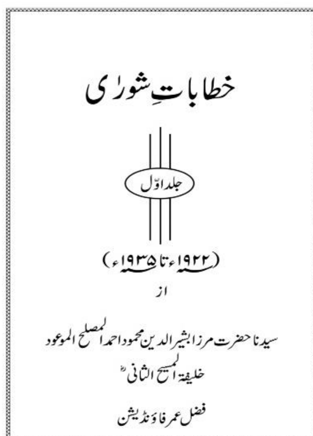
آن لائن ایڈیشن

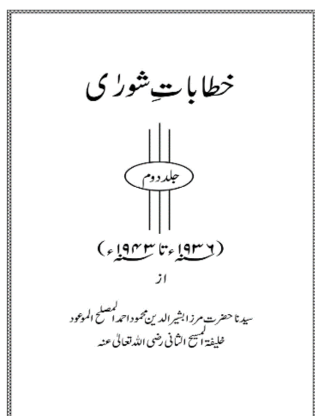


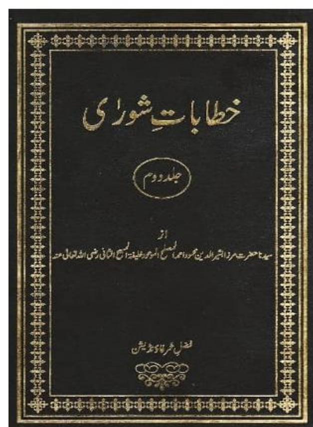
اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ

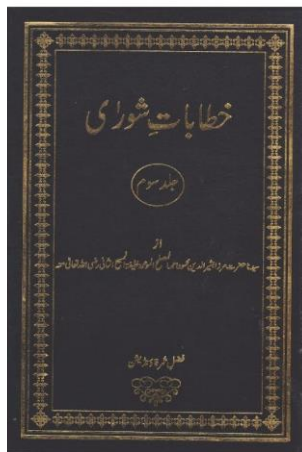
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

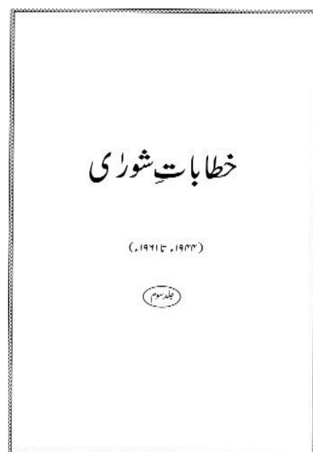

خطاباتِ شوریٰ
جلد اوّل
از
سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ
فضل عمر فاؤنڈیشن


خطاباتِ شوریٰ
جلد اوّل
(۱۹۲۲ء تا ۱۹۳۵ء)
از
سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود
خلیفۃ المسیح الثانیؓ
فضل عمر فاؤنڈیشن


خطاباتِ شوریٰ
جلد دوم
(۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۳ء)
از
سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود
خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ


خطاباتِ شوریٰ
جلد دوم
از
سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فضل عمر فاؤنڈیشن


خطاباتِ شوریٰ
جلد سوم
از
سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فضل عمر فاؤنڈیشن


خطاباتِ شوریٰ
(۱۹۴۴ء تا ۱۹۶۱ء)
جلد سوم

ابتدائیہ

خاکسار 1983ء میں سیر الیون مغربی افریقہ اعلائے کلمہ اسلام کے لئے جانے سے قبل بطور مبلغ سلسلہ مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب مرحوم وکیل اعلیٰ تحریک جدید ربوہ کے ساتھ مبلغین کی میٹنگز میں شامل ہوتا رہا۔ سیر الیون جاتے آنموصوف سے ملاقات کے دوران اور سیر الیون میں مکرم چوہدری صاحب موصوف کے دورہ کے دوران مبلغین کی میٹنگز میں مکرم چوہدری صاحب موصوف مبلغین کرام کو اپنے خطبات، خطابات، تقاریر اور درسوں میں حضرت مسیح موعودؑ اور خلفائے عظام کے بیان فرمودہ واقعات بیان کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

سیر الیون سے واپسی پر مکرم سیکرٹری صاحب حدیقۃ المبشرین کی طرف سے خاکسار بے شمار دفعہ مربیان کرام کے ریفریشر کورسز کا انچارج مقرر رہوا۔ بعد ازاں بطور نائب ناظر اصلاح ارشاد مرکزیہ خاکسار کو ہر سال مربیان کرام کا ریفریشر کورس منعقد کرنے کی توفیق ملتی رہی۔ ان مواقع پر جماعت کے بزرگوں، علماء اور آفس ہولڈرز کو "تلقین عمل" کے پروگرام پر مدعو کیا جاتا تھا۔ جس میں مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب بھی شامل ہوتے تھے۔ ایسے موقع پر آنموصوف اگر مربیان کو نصائح کرتے تو یہ نصیحت ضرور شامل ہوتی کہ اپنی تقاریر کو واقعات کی روشنی میں تیار کیا کریں۔ یہ واقعات دل پر براہ راست اثر کرتے ہیں اور اگر آپ خود ایسے موقع پر تقریر کرتے تو آپ کی تقریر حضرت مسیح موعودؑ کے ایسے ارشادات و فرمودات پر مشتمل ہوتی جن میں واقعات ہوتے۔

خاکسار نے مکرم چوہدری صاحب کی اس ہدایت کو اپنے پلے باندھا اور اپنی تقریر و تحریر میں بہت سود مند پایا۔

مکرم محمد انور شہزاد صاحب نے جب خطابات شوریٰ میں بیان سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ایسے آپ بیتی ارشادات قارئین الفضل کے لئے اکٹھے کر کے بجھوانے شروع کیے جو واقعات حکایات اور بیانات پر مشتمل تھے تو خاکسار نے فوری طور پر ان اقساط کو الفضل میں جگہ دینے کا فیصلہ کیا اور ان اقساط نے قارئین کے دربار میں بہت پذیرائی حاصل کی اور خوب داد سمیٹی اور اس کی ہر قسط لانچ ہوتے ہی آناً فاناً الفضل کی مقبول ترین کیٹگری میں جگہ بنا لیتی رہی۔ اللہ تعالیٰ مکرم محمد انور شہزاد کو جزائے خیر عطا کرے۔ یہ خود ہی خاکسار کی درخواست پر اسے قارئین کے لئے کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں اور یہ ان کی پہلی تصنیف ہوگی۔ آپ کو الفضل کا پروف کرنے کی بھی توفیق ملتی رہی ہے۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحْسَنَ الْجَزَاءِ

اس موقع پر ان تمام احباب و خواتین کو جَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا عرض کرنا ہے جن کو اس کتاب کی تیاری تک اخبار کا حصہ بنانے میں کسی نہ کسی مرحلہ میں تعاون کی توفیق ملی۔ یہ ادارہ الفضل کی 29ویں کاوش ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو بہت سے لوگوں کے لئے مفید بنائے اور نہ صرف علم و فیوض میں ترقی کا باعث بنے بلکہ خلافت حقہ اسلامیہ احمدیہ کے ساتھ اپنے تعلق کو مزید مضبوط کرنے کا موجب ہو۔ آمین

حنیف محمود

ایڈیٹر روزنامہ الفضل آن لائن

25-2-23

انڈیکس

* * * * *

(قسط 1)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

رائے کی اہمیت

جب ایران پر حملہ کیا گیا تھا تو دشمن نے ایک پُل کو توڑ دیا اور بہت سے مسلمان مارے گئے تھے۔ سعد ابن ابی وقاصؓ نے لکھا کہ مسلمان تباہ ہو جائیں گے اگر جلد فوج نہ آئے گی تو عرب میں دشمن گُھس آئیں گے۔ حضرت عمرؓ نے رائے طلب کی تو سب نے کہا خلیفہ کو خود جانا چاہئے۔ حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ کو اُن کی خاموشی پر خیال آیا اور پوچھا آپ کیوں چُپ ہیں کیا آپ اس رائے کے خلاف ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں میں خلاف ہوں۔ پوچھا کیوں؟ تو کہا اس لئے کہ خلیفہ کو جنگ میں شامل نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا کام یہ ہے کہ لڑنے والوں کو مدد دے۔ جو قوم ساری طاقت خرچ کر دے اور جسے مدد دینے کے لئے کوئی نہ رہے وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کے جانے پر بھی شکست ہو گئی تو پھر مسلمان کہیں نہ ٹھہر سکیں گے اور عرب پر دشمنوں کا قبضہ ہو جاوے گا۔ اِس پر حضرت عمرؓ نہ گئے اور انہی کی بات مانی گئی۔

تو مشورہ کی غرض ووٹ لینے نہیں بلکہ مفید تجاویز معلوم کرنا ہے پھر چاہے تھوڑے لوگوں کی اور چاہے ایک ہی کی بات مانی جائے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 12-13)

کئی دفعہ بعض باتیں مشورہ سے ایسی معلوم ہو جاتی ہیں جو انسان کے ذہن میں نہیں ہوتیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشورہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگِ احزاب کے موقع پر جب تمام کفّار مل کر مدینہ پر چڑھ آئے اور یہود بھی کفار کے ساتھ مل گئے تو حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت سلمانؓ نے ایک مشورہ دیا کہ مدینہ کے اِرد گرد خندق کھودی جائے کیونکہ ایران میں یہی طریق رائج ہے اِس سے ایک وقت تک دشمن اپنے حملے میں ناکام رہتا ہے۔

یہ رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئی اِس کے مطابق عمل کیا گیا اور اس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ اس مجلس میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے حضرت سلمانؓ کا ان سے رُتبہ اور درجہ کم تھا مگر ایک بات میں وہ اُن سے بڑھا ہوا تھا یعنی اس نے غیر ممالک کو دیکھا ہوا تھا اِس لئے فن کی واقفیّت تھی۔ پس جو لوگ فن سے واقف ہوں اُن کی رائے سے بہت سے کام درست ہو جاتے ہیں۔ ایسے اوقات میں اخلاص کام نہیں آتا بلکہ فن سے واقفیّت کام دیتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 47-48)

پس تم لوگ اظہارِ رائے کے وقت خشیت اللہ اور خدا تعالیٰ کی رضا کو مدّ نظر رکھو کیونکہ ہماری چھوٹی چھوٹی غلطیاں بھی دین کے حق میں بڑی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں اور ہمارے قدم کی ذرا سی لغزش اس قدر نقصان پہنچا سکتی ہے جو صدیوں میں بھی دور نہ ہو سکے۔

امام ابو حنیفہؒ کے متعلق آتا ہے کہ ایک دفعہ بارش ہو رہی تھی۔ ایک بچہ دَوڑتا پھرتا تھا۔ اُنہوں نے اس بچہ سے کہا بچے! سنبھل کر چلو، گر نہ جانا۔ معلوم ہوتا ہے وہ بڑا ہوشیار اور ذکی لڑکا تھا۔ اُس نے کہا اگر میں گرا تو اپنے کپڑے جھاڑ کر پھر کھڑا ہو جاؤں گا۔ آپ سنبھل کر چلئے کیونکہ اگر آپ گر گئے تو بہت سے لوگ تباہ ہو جائیں گے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں مجھ پر کبھی کسی نصیحت کا اتنا اثر نہیں ہوا جتنا اس لڑکے کے یہ کہنے سے ہوا۔ میں نے سمجھا کہ جو لوگ مجھ پر اعتقاد رکھتے ہیں اگر میں ٹھوکر کھا گیا تو وہ تباہ ہو جائیں گے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 120)

وقت کی اہمیت

جو قومیں کام کرنے والی ہوتی ہیں اور جنھوں نے دُنیا کو فتح کرنا ہوتا ہے، اُن کے اعمال اور عادات دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھتے اور وقت کی قدر کرتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں عام طور پر یہی طریق ہے کہ جو وقت کسی کام کے لئے مقرر کیا جاتا ہے ہمیشہ یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ وقت نہیں ہے۔

ہماری مثال اُس لڑکے کی سی ہے جس کے متعلق کہتے ہیں وہ جانور چرا رہا تھا کہ اسے خیال پیدا ہوا لوگوں کا تجربہ کروں۔ وہ میری آواز پر آتے ہیں یا نہیں؟ اس خیال سے اس نے کہنا شروع کیا شیر آگیا، شیر آگیا۔ کسی نے اِس مثال کو نظم میں لکھا ہے۔ اور پہلی جماعت کے کورس میں جو کتاب ہوتی تھی اُس میں درج تھی۔ جب اُس کی آواز پر لوگ دَوڑتے ہوئے گئے تو دیکھا وہ ہنس رہا ہے اور کوئی شیر نہیں ہے لیکن اُس سے کچھ دن بعد حقیقتاً شیر آگیا۔ اِس پر اُس نے پھر شور مچانا شروع کیا مگر پھر کوئی نہ آیا اور شیر نے آکر اُسے پھاڑ ڈالا۔

چونکہ ہم لوگوں کی عادت میں یہ بات داخل ہو گئی ہے کہ ہم وقت کی پابندی نہیں کرتے اِس لئے جب کہا جاتا ہے کہ فلاں وقت آنا ہے تو لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اُس وقت ضرور نہیں آنا۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اگر ہم دُنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وقت کی پابندی کی جائے کیونکہ وقتِ معیّن پر نہ آنا سُستی پر دلالت کرتا ہے اور کامیاب ہونے والے لوگوں میں سُستی نہیں ہونی چاہئے۔ اُمید ہے کہ دوست آئندہ ہر کام میں اِس کی احتیاط کریں گے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 123-124)

موقع شناسی

مرزا مظہر جان جاناں کے پاس ایک دفعہ بادشاہ آیا وزیر بھی ساتھ تھا۔ اُسے پیاس لگی۔ پاس جھجری اور آب خورہ رکھے تھے۔ اُس نے آب خورہ لیا اور جھجری سے پانی پی کر اس پر اُسی طرح اُلٹا کر رکھ دیا جس طرح پہلے رکھا تھا مگر کسی قدر ٹیڑھا۔ مظہر جان جاناں نے کہا یہ کیسا وزیر ہے جسے آبخورہ بھی رکھنا نہیں آتا۔

یہ تو ان کی طبع کی نزاکت کا حال ہے۔ مگر بات یہ بالکل سچی ہے کہ اگر موقع اور محل کو مدّ نظر نہ رکھا جائے تو اعلیٰ سے اعلیٰ بات اور چیز بھی بہت بُری بن جاتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 130)

خدمت دین

مجھے بعض دفعہ ہنسی آتی ہے اور بعض دفعہ تعجب کہ بعض لوگ جو کبھی چندہ نہیں دیتے وہ کہتے ہیں کہ اتنی بڑی رقم جو جمع ہوتی ہے، جاتی کہاں ہے۔ حالانکہ خود اُنہوں نے کبھی اِس میں حصہ نہیں لیا ہوتا اور اگر لیا ہوتا ہے تو نہایت ہی قلیل۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ ایک شخص کے متعلق سُنایا کرتے تھے کہ اس نے کہا مجھے بخاری لے دیں۔ میں نے کہا کبھی لے دونگا، اِن دنوں تو مَیں غریب ہوں۔ کہنے لگا آپ کس طرح غریب ہو سکتے ہیں۔ اِس وقت تین لاکھ کی جماعت ہے اگر ایک ایک روپیہ بھی ہر شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نذر دے تو چار آنے آپ کو بھی دیتا ہوگا اور اِس طرح کئی ہزار کی آپ کو آمدنی ہے۔ اُسے میں نے جواب دیا تم ہی بتاؤ آج تک تم نے مجھے کتنی چوّنیاں دی ہیں؟

تو ایسے لوگ خیال کر لیتے ہیں کہ لوگ جو دیتے ہیں، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم بھی دیں حالانکہ جب تک ہر ایک شخص حصہ نہ لے ہم سلسلہ کے کاموں کو اُس حد تک نہیں پہنچا سکتے جو موجودہ حالت میں ضروری ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 180-181)

خلوص نیت

بعض لوگ بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے حضور قبول نہیں کی جاتیں کیونکہ انہوں نے اپنے نفس کو مارا نہیں ہوتا۔

حدیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو جنگ کے موقع پر دیکھا کہ وہ ایسے ایسے خطرناک موقع پر جاتا ہے کہ سب لوگ اُس کی طرف دیکھ کر واہ واہ کہہ اُٹھتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر فرمایا کہ اگر کسی نے دوزخی کو چلتے پھرتے دیکھنا ہو تو اسے دیکھ لے۔

صحابہؓ میں یہ سن کر ایک جُنبش اور حرکت پیدا ہوئی۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ وہ شخص جو سب سے زیادہ جنت کا مستحق ہونا چاہئے اُس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ دوزخی ہے۔ بعض کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات یونہی کہہ دی ہے اور بعض نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

اِس پر ایک صحابی جو بہت اخلاص رکھتے تھے اُنہوں نے کہا میں اس شخص کا پیچھا نہ چھوڑوں گا جب تک اس کا انجام نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ وہ شخص اِسی جنگ میں زخمی ہوا اور جب اسے سخت تکلیف ہوئی تو اُس نے نیزہ گاڑ کر اُس پر اپنے آپ کو گرایا اور اس طرح خودکشی کر لی۔ اُس وقت اس نے کہا میں ان لوگوں سے اسلام کے لئے نہ لڑا تھا بلکہ اِن سے پرانی عداوت تھی اِس لئے لڑا تھا۔

چونکہ خودکشی کرنے والا خدا تعالیٰ پر بدظنی کرتا ہے اِس لئے خدا کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اِس طرح معلوم ہو گیا کہ فِی الواقعہ وہ شخص دوزخی تھا۔ اُس کا انجام دیکھ کر صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آکر کہا یَارَسُولَ اللّٰہ! آپ ﷺ خدا کے سچے رسول ہیں، میں نے اس شخص کا اس طرح انجام دیکھا۔ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا مَیں خدا کا رسول ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے۔

اب دیکھو! ایک شخص باوجود مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمنوں سے لڑتا ہے اور ایسے ایسے مقام پر حملہ کرتا ہے جہاں عام مسلمان بھی نہ کرتے مگر اُس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دوزخ میں جاتا ہے اِس لئے کہ اس نے جان کی قربانی تو کی لیکن ''مَیں'' کی قربانی نہ کی تھی۔ اُس نے جان کی قربانی اپنی انانیّت کے لئے کی تھی۔ اِس کے مقابلہ میں ہم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ابو بکرؓ کو اُس چیز کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے جو اس کے دل میں ہے اور مَیں دل میں ہی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے اپنے نفس کو مٹا دیا اور مَیں کو مار دیا اِس لئے خدا کے حضور قبول کئے گئے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 216-217)

خدا تعالیٰ کی گرفت اور استغناء سے ڈرتے رہنا چاہئے

دنیا میں سب سے بڑی چیز انسان کے لئے انجام بخیر ہونا ہے۔ درمیانی ترقیاں اور کامیابیاں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ ایک انسان نیکی میں بہت ترقی کر جاتا ہے لیکن ایک وقت اُس پر ایسا آتا ہے کہ وہ نیکی سے بالکل محروم ہو جاتا ہے جس طرح کہتے ہیں بال اگر چکنائی میں سے گزار کر نکال لیا جائے تو چکنائی سے خالی نکل آتا ہے اِسی طرح وہ تقویٰ اور نیکی سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان غلط راستہ پر چل رہا ہوتا ہے مگر اُس کے لئے خدا تعالیٰ ایسا وقت لے آتا ہے کہ اسے ہدایت نصیب ہو جاتی ہے۔ پس انسان کو ہر وقت اور ہر حالت میں خدا تعالیٰ کی گرفت اور اُس کے استغناء سے ڈرتے رہنا چاہئے مگر میں دیکھتا ہوں بہت لوگ جو بظاہر نیک اور متقی ہوتے ہیں اپنی نیکی کے گھمنڈ میں خدا تعالیٰ کے استغناء کو مدنظر نہیں رکھتے اِس لئے کئی دفعہ سخت ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ وہ غلطی میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو مامور سمجھنے لگ جاتے ہیں حالانکہ جتنا کوئی انسان خدا تعالیٰ کے قریب ہو اُتنی ہی زیادہ اُس میں خشیت اللہ ہونی چاہئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے انسان کو ہم دیکھتے ہیں ذرا بادل گرجتا یا ذرا آندھی آتی تو آپ ﷺ گھبرا جاتے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ ﷺ سے سوال کیا، کیا بات ہے کہ آپ ﷺ ایسے موقع پر گھبرا جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے خیال آتا ہے کہ کئی ایسی قومیں گزری ہیں جن پر بظاہر بادل آئے مگر وہ ان کے لئے خدا کا عذاب تھا۔ اس بات کو مدّنظر رکھتے ہوئے مَیں ڈرتا ہوں کہ اس قسم کا بادل نہ ہو۔

مگر غور کرو ہم میں سے کتنے ہیں جو اِن چھوٹی چھوٹی باتوں کو چھوڑ کر بڑی سے بڑی باتوں سے یہ سبق حاصل کرتے ہیں۔ ذرا کسی کو اپنے متعلق نیکی اور تقویٰ حاصل ہونے کا خیال ہو تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ مَیں مامور ہوں۔ اگر ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کو اپنے لئے نازل ہوتا دیکھ کر سمجھتے کہ اِس کی وجہ سے اُن کی ذمہ واریاں بڑھ گئی ہیں اور وہ پہلے کی نسبت زیادہ خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ بنائے گئے ہیں تو وہ کبھی ٹھوکر نہ کھاتے اور نہ گمراہی کے گڑھے میں گرتے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی صحیح راستہ پر جارہا ہو

مگر خدا تعالیٰ اُسے سیدھے رستہ سے ہٹا کر گمراہ کر دے تاوقتیکہ وہ خدا تعالیٰ کے استغناء کو بُھلا کر اپنے لئے آپ گمراہی کے سامان نہ پیدا کر لے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 264)

کرنے اور کہنے میں بڑا فرق ہے

کرنے اور کہنے میں بڑا فرق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بلّی اور چُوہوں کی ایک مثال بیان فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے:

چُوہوں نے ایک دفعہ بِلّی سے تنگ آ کر اُس کے مارنے کا مشورہ کیا اور تجویز یہ ہوئی کہ بہت سے چُوہے مل کر اس پر حملہ کریں کسی نے کہا میں اس کا ایک کان پکڑ لوں گا، کسی نے کہا میں اس کا دوسرا کان پکڑ لوں گا، کسی نے کہا میں اُس کی ایک ٹانگ پکڑ لوں گا، کسی نے کہا میں اُس کی دم پکڑ لوں گا اِس طرح ہر ایک نے ایک ایک حصہ جسم پکڑ لینے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہ سب باتیں ایک بوڑھا چوہا خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ جب سب باتیں کر چکے تو اُس نے کہا ہر ایک نے بلی کا کوئی نہ کوئی حصہ پکڑ لینے کا اقرار کیا ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ اس کی میاؤں کون پکڑے گا۔ اتنے میں بلی آ گئی اور اُس نے میاؤں کی جسے سُن کر سب چُوہے بھاگے اور اپنے بِلوں میں جا گھسے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 246-247)

حقیقی کامیابی کا گر

مجھ سے جب کوئی کہتا ہے کہ تبلیغ میں کامیابی حاصل کرنے اور قرآن کریم کے معارف سمجھنے کے لئے کوئی نصیحت کرو تو میں اُسے یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اپنے دماغوں اور دلوں کو بالکل خالی کر لو اور خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو بالکل جاہل بنا لو۔ یہی اور صرف یہی ذریعہ ہے روحانی علوم حاصل کرنے اور روحانی امور کے سمجھنے کا۔ خدا تعالیٰ کے آگے گر جاؤ وہ خود تمہیں اُٹھائے گا، اپنے آپ کو بے طاقت سمجھ لو وہ خود تمہیں طاقت عطا کرے گا۔

ایک بزرگ نے کیا ہی لطیف مثال دی ہے کہتے ہیں دیکھو جب کسی درندے کے آگے انسان لیٹ جائے تو وہ بھی اُسے زخمی نہیں کرتا۔ پھر تم خدا تعالیٰ کو کیوں ایسی ہستی نہیں یقین کرتے کہ جو اُس کے آگے گر جاتا ہے اُسے وہ ضائع نہیں کرتا۔ پس سچی اور حقیقی کامیابی کا گُر یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے آگے گر جاؤ۔ اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اُس کے سامنے اقرار کرو۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 269)

خدا عاملوں کے عمل کا اجر کم نہیں کرتا

ایک دفعہ حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ میں تجویز ہوئی کہ چونکہ قحط ہے اس لئے سالانہ جلسہ کے دن تین کی بجائے دو کر دیئے جائیں۔ اُس وقت مَیں لنگر خانہ کا منتظم تھا۔ دِنوں میں کمی کرنا میرا کام نہ تھا یہ مجلس نے فیصلہ کیا تھا۔ مگر حضرت خلیفہ اولؓ کا جس طرح طریق تھا کہ جس کا قصور ہوتا اُسے مخاطب نہ کرتے دوسرے کو مخاطب کر کے وہ بات کہہ دیتے۔

آپؓ نے مجھے خط لکھا۔ اُس میں عربی کا ایک مصرعہ لکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا سے یہ خوف مت کرو کہ وہ عاملوں کے عمل کا اجر کم دے گا۔ پس اگر خدا تعالیٰ پر یقین ہو اور جو کچھ پاس ہو اُسے قربان کر دیا جائے تو پھر جس قدر زائد کی ضرورت ہو وہ خود پوری کر دے گا۔

ہمیں دون ہمتی سے نہیں بلکہ علو ہمتی سے ان مسائل پر غور کرنا چاہیے جو ہمارے سامنے پیش ہوں۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 272-273)

سچ جاننے کے لئے تحقیق کرو

ایک دفعہ ایک لڑکے کے والد نے لکھا میرا لڑکا عربی میں بہت ہوشیار تھا مگر ہیڈ ماسٹر نے فلاں بات کی وجہ سے اسے فیل کر دیا۔ میں نے اس لڑکے کا عربی کا پرچہ منگا کر دیکھا۔ اسے سَو میں سے اڑھائی نمبر دیئے گئے تھے۔ جب مَیں نے پرچہ دیکھا تو مجھے افسوس ہوا کہ اسے اڑھائی نمبر بھی کیوں دیئے گئے ہیں، وہ اِس قابل بھی نہ تھا۔ میں نے اُس کے والد کو لکھا آپ کے لڑکے کو تو صفر ملنا چاہئے تھا۔ پرچہ موجود ہے، اس میں جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ ظاہر ہے۔

تو ایسی شکائتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ ماں باپ کی غلطی ہوتی ہے کہ لڑکے کی طرف سے جو رپورٹ ملے اسے درست تسلیم کرلیں۔

ایک دفعہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے پاس ایک خط آیا جس میں لکھا تھا ہمیں اپنا بچہ بہت پیارا ہے مگر معلوم ہوا ہے اس سے وہاں یہ سلوک کیا جارہا ہے کہ اسے پنجرے میں بند کرر کھا ہے اور لڑکوں کو حکم دیا گیاہے کہ جو اس کے پاس سے گزریں وہ اس پر تُھوکیں۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ خط پڑھتے جاتے اور مسکراتے جاتے۔ وہ لڑکا بھی آپ کے پاس ہی بیٹھا تھا، اُس سے پوچھتے بھئی! آج تم پر کتنوں نے تُھوکا ہے؟

تو ایسی باتیں طالب علم کرتے رہتے ہیں مگر والدین کا فرض ہے کہ ان کی ہر بات پر یقین نہ کر لیا کریں۔ دراصل لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ابھی پرسوں کا واقعہ ہے ایک آدمی کو بھیجا گیا کہ فلاں دکان سے یہ چیز لے آؤ۔ مطلب یہ تھا کہ پیسے لے جاؤ اور جا کر لے آؤ مگر وہ یونہی چلا گیا۔ مَیں نے اس دکاندار سے کہا ہوا تھا کہ میرے لئے یا تو پیسے لے کر چیز دیا کرو یا رُقعہ لے کر۔ اُس نے یونہی جانے پر چیز تو دے دی مگر ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے اِس طرح دینے کا حکم نہیں ہے۔ جو شخص لینے کے لئے گیا تھا اُس نے آکر بتایا دکاندار نے میری چادر چھین لی تھی کہ پیسے لا کر دو۔ تو بات کی تحقیقات کر کے دیکھنا چاہئے کہ کس حد تک وہ صحیح ہے اور کس حد تک اُس میں مبالغہ داخل ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 282-283)

تبلیغ کا ایک ذریعہ دعوت ہے

ہر طبقہ تک پہنچنے کے لئے مختلف ذرائع ہوتے ہیں اور دعوت کرنا کوئی بُری بات نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ایک دفعہ لاہور تشریف لے گئے تو امراء کو تبلیغ کرنے کے لئے آپ نے اُن کی دعوت کی۔ یہ دعوت ایک غیر احمدی شہزادہ محمد ابراہیم صاحب کی طرف سے کی گئی اور روپیہ ہمارا اپنا خرچ ہوا۔ اس میں بہت سے لوگ آگئے جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باتیں سُنائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک دفعہ اِسی قسم کی دعوت کی جب لوگ کھانا کھا چکے تو آپ ﷺ وعظ کے لئے کھڑے ہوئے مگر لوگ چلے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ اُس وقت بچے تھے مگر انھوں نے کہا پہلے تبلیغ کی جائے اور پھر کھانا کھلایا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِسی طرح کیا اور تبلیغ کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس دعوت کے موقع پر وعظ شروع کیا تو کسی نے کہا ہم تو کھانا کھانے کے لئے آئے تھے مگر یہ کیا ہونے لگا ہے؟ اِس پر ایک شخص نے جسے شرابی کہا جاتا تھا کہا کھانا تو ہم روز کھاتے ہی ہیں مگر یہ کھانا کہاں نصیب ہوتا ہے۔

یہ بات تو اس نے بہت معقول کہی مگر وہ بھی کھانا کھانے کے لئے ہی آیا تھا خود بخود نہ آیا تھا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں پہلے حق کی خواہش نہ تھی مگر جب اُسے موقع مل گیا تو اس نے اس خواہش کا اظہار کیا۔ تو یہ تبلیغ کے ذرائع ہوتے ہیں۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 1 صفحہ 303-304)

خدا تعالیٰ کی خشیت کے ماتحت فیصلے ہی بہتر ہیں

میں نہیں سمجھتا ہم سے زیادہ نقصان اور گھاٹے میں کون ہو سکتا ہے جبکہ ہم دنیا کو خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑ کر آئیں لیکن جب خدا تعالیٰ کے قریب پہنچیں تو ایسی حرکات کریں کہ اُس کے حضور سے نکالے جائیں اور ہم اِس کے مصداق بن جائیں ؎

نہ خدا ہی مِلا نہ وصالِ صنم   نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارا کوئی فیصلہ غلط بھی ہو مگر خدا تعالیٰ کے خوف اور خشیت کو دل میں رکھتے ہوئے ہو تو ہماری کامیابی میں زیادہ روک نہ ہو گا۔ لیکن اگر ہمارے فیصلے تو صحیح ہوں مگر خدا تعالیٰ سے دُور ہو کر کئے گئے ہوں تو باوجود ان فیصلوں کی صحت کے کامیابی سے ہم بہت دُور رہیں گے کیونکہ اِس دنیا کے تغیرات ہمارے فیصلوں پر مبنی نہیں ہیں۔ ہمارے فیصلے محدود معاملات کے متعلق ہوں گے اِس لئے صحیح فیصلوں کے بعد بھی ایسی باتیں رونما ہوں گی جو ہمارے فیصلوں کے خلاف اثر انداز ہوں گی لیکن اگر ہم میں

خشیت اللہ پائی جائے اور پھر کوئی غلطی ہو جائے تو اس غلطی کا ازالہ خود خدا تعالیٰ کر دے گا اور خود ہمیں اُس راہ پر چلائے گا جو ہمارے لئے مفید ہو گی۔ شاید وہ لوگ جو الفاظ کے ایسے معنی لینے کے عادی ہیں جو الفاظ کہنے والے کے مد نظر نہیں ہوتے، وہ یہ کہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ غلط فیصلہ تو فائدہ کا موجب ہو جائے جو خشیت اللہ کو دل میں جگہ دیتے ہوئے کیا گیا ہو، اور وہ فیصلہ جو خشیت اللہ سے دور ہو کر کیا گیا ہو وہ صحیح ہونے کے باوجود مُضر ہو۔ میں ایسے لوگوں کی توجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فیصلہ کی طرف مبذول کراتا ہوں۔

آپ ﷺ کو رؤیا دِکھایا گیا کہ آپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اِس پر آپ محض خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے کسی عزت اور بڑائی کے لئے نہیں، نہ اس لئے کہ مکہ والوں پر اپنا رُعب جمائیں مکہ کی طرف چل پڑے۔ یہ اجتہادی غلطی تھی۔ خدا تعالیٰ کا یہ منشاء نہ تھا کہ اُسی سال طواف ہو مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی رضا اور اُس کی منشاء کو پورا کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ اُسی سال طواف کیا جائے۔ یہ آپ ﷺ کو اجتہادی غلطی لگی لیکن خدا تعالیٰ نے اِسی کے متعلق فرمایا۔ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا (الفتح: 2) یہ غلطی ہوئی ہے لیکن چونکہ ہماری محبت اور ہماری رضا کے حصول کے لئے کی گئی ہے اِس لئے اِسی کو ہم نے بہت بڑی فتح کا پیش خیمہ بنا دیا۔

اس کے مقابلہ میں ایک اور فیصلہ ہوا جو صحیح فیصلہ تھا لیکن چونکہ اِس کے کرنے کے وقت خشیت اللہ باقی نہ رہ گئی تھی، اس لئے وہ نہایت خطرناک ثابت ہوا۔ وہ فیصلہ بعض صحابہ کا تھا جنہیں اُحد کی جنگ میں ایک مقام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کر کے فرمایا تھا کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست تم یہاں سے نہ ہٹنا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح ہوئی اور دشمن بھاگنے پر مجبور ہوا تو اُس وقت ان لوگوں کا یہ بالکل صحیح فیصلہ تھا کہ وہ بھی آگے بڑھتے اور بھاگتے ہوئے دشمن پر حملہ کرتے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے چونکہ یہ نکل چُکا تھا کہ خواہ فتح ہو یا شکست، تم اِس جگہ سے نہ ہٹنا اِس لئے خشیت اللہ چاہتی تھی کہ وہ دشمن کے بھاگنے پر بھی وہاں سے نہ ہلتے۔ خواہ وہ یہ دیکھتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو لے کر بیس میل آگے بڑھ گئے ہیں مگر جب تک انہیں وہاں سے ہٹنے کا حکم نہ دیتے نہ ہٹتے۔ اُس وقت انہیں عقل کہتی تھی بھاگتے ہوئے دشمن کے پیچھے جائیں گے تو فتح اور زیادہ

یقینی ہو جائے گی لیکن خشیت اللہ کا یہ تقاضا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی پابندی کرتے مگر اُنہوں نے ایسا نہ کیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ یہ کہ خدا تعالیٰ نے دشمنوں کی نظر ادھر پھرا دی اور انہیں بتایا کہ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ تمہاری کامیابی کی صورت نکل آئی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے مڑ کر ادھر سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا جہاں سے وہ صحابہ ہٹے تھے۔

یہ خدائی فعل تھا۔ یہ غلط ہے کہ خالد کی نظر اُس مقام کی طرف پڑی اور یہ بھی غلط ہے کہ مکہ کے بعض سرداروں کی نظر اُدھر گئی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے یہ تدبیر کی تھی اور مسلمانوں کو یہ نقصان ہم نے پہنچایا تھا اور اِس بات کی سزا میں پہنچایا تھا کہ انہوں نے رسول ﷺ کی بات کا ادب کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ غم جو رسول کو پہنچایا گیا اُس کے بدلے خدا تعالیٰ نے اِن کو غم پہنچایا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہمارا کام تھا پس یقیناً کفار کی نظر اُس وقت اپنے آپ نہ اُٹھی تھی بلکہ خدا تعالیٰ کے فرشتوں نے اٹھائی تھی تا مسلمانوں کو بتائے کہ خواہ بحالات ظاہرہ کوئی فیصلہ صحیح نظر آئے اگر خشیت اللہ مد نظر نہ ہو تو پھر کامیابی نہیں ہو سکتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اور کئی مثالیں اس قسم کی مل سکتی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بھی پائی جاتی ہیں بلکہ میں تو کہوں گا کہ یہ مومن کی زندگی میں پائی جاتی ہیں کہ کئی صحیح فیصلے اُس کے لئے وبالِ جان ثابت ہوتے ہیں اور کئی غلط فیصلے یعنی اجتہادی غلطیاں اُس کی کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہیں جبکہ وہ خشیت اللہ کے ہوتے ہوئے سرزد ہوں۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 323 تا 325)

(الفضل آن لائن 24 ستمبر 2022ء)

(قسط2)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

جسمانی صحت کے لیے کھیل اور ورزش ضروری ہے

جب مَیں لاہور گیا تو ایک جگہ موٹر خراب ہو گئی۔ وہاں قریب ہی کرکٹ کی کھیل ہو رہی تھی۔ کرکٹ کے ایک شوقین دوست ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے شوق ظاہر کیا کہ کھیل دیکھ لیں میں بھی وہاں چلا گیا۔ وہاں ہندوستان کے ایک مشہور لیڈر آ گئے اور مجھے دیکھ کر حیرانی سے کہنے لگے آپ بھی یہاں آ گئے میں نے کہا یہاں آنے میں کیا حرج ہے؟ کہنے لگے یہاں کھیل ہو رہی ہے۔ میں نے کہا میں تو خود ٹورنامنٹ کراتا ہوں اور کھیلنے بھی جاتا ہوں۔ پہلے فٹ بال بھی کھیلا کرتا تھا مگر اب صحت اسے برداشت نہیں کرتی۔ اُنہیں یہ باتیں سُن کر بہت تعجب ہوا۔ گویا پڑھے لکھے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال ہے کہ دین اور ورزش ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلوار کی کھیل خود کراتے۔

حدیث میں آتا ہے ایک دفعہ تیر اندازی کے موقع پر خود بھی خواہش ظاہر کی کہ میں بھی شامل ہوتا ہوں۔ صحابہؓ نے کہا آپ ﷺ جس فریق کے ساتھ شامل ہوں گے اُس کے خلاف کس طرح کوئی مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گا۔ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے ساتھ مقابلۃً دَوڑے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام منگلیاں پھیرا کرتے تھے۔

ایک دوست کے پاس اب بھی موجود ہے اور ایک ہمارے گھر میں ہے۔ میں نے خود بھی منگلیاں خریدیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کو پتہ لگا تو آپؑ نے فرمایا مجھے دکھاؤ۔ پہلے تو میں ڈرا کہ شاید ناراض ہوں مگر جب لے کر گیا تو دیکھ کر فرمانے لگے ہلکی ہیں میں یہ نہیں پھیر سکتا۔

تو دونبیوں کے متعلق تو ہمیں معلوم ہے کہ ورزش میں حصہ لیتے تھے۔ خود رؤیا میں مجھے بتایا گیا کہ ورزش نہ کرنا بعض حالات میں گناہ ہوتا ہے کیونکہ پھر انسان دین کے کاموں میں حصہ نہیں لے سکتا۔ پس میں دوستوں سے اُمید کرتا ہوں کہ جو کسی رنگ میں معذور نہ ہوں ایسی ورزشیں اختیار کریں جو صحت کو عمدہ بنانے، تکالیف برداشت کرنے کے قابل بنانے، بہادری اور جرأت پیدا کرنے والی ہوں۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 338)

تجارت کے اصول

تجارت کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ تجارت کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے اور سرمایہ ہمارے پاس نہیں اِس لئے ہم تجارت نہیں کر سکتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ایک ہندو نے بتایا تجارت ڈیڑھ پیسہ سے شروع کرنی چاہئے۔ فرماتے ایک شخص کو دیکھا جو لکھ پتی تھا مگر اس کا بیٹا پکوڑوں کی دکان کرتا تھا۔ پوچھا یہ کیا تو کہنے گا اگر ابھی اِسے سرمایہ دے دیا جائے تو ضائع کر دے گا۔ اب اتنے کام سے ہی اسے تجربہ حاصل کرنا چاہئے، یہ اِسی سے اپنی روٹی چلاتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 446)

توکل اور تدبیر

شریعت نے بھی مختلف حالات کے متعلق مختلف احکام بیان کئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا زکوٰۃ کے متعلق کیا حکم ہے؟ اُنہوں نے کہا زکوٰۃ کے متعلق دو حکم ہیں۔ ایک تمہارے لئے اور ایک میرے لئے۔ تمہارے لئے تو یہ حکم ہے کہ چالیس پر ایک روپیہ زکوٰۃ دو۔ لیکن میرے لئے یہ حکم ہے چالیس پر 41 روپے دوں۔ اس نے کہا یہ فرق کیوں؟

فرمانے لگے مجھے خدا تعالیٰ نے توکّل کے مقام پر کھڑا کیا ہے اور تجھے تدبیر کے مقام پر۔ تم اگر مال جمع کرو تو تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ چالیس پر ایک روپیہ دو۔ لیکن میں چونکہ توکّل کے مقام پر ہوں اِس لئے اگر میرے پاس چالیس روپے جمع ہو جائیں تو اِس لئے 41 دوں کہ مجھے جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جمع کرنے پر مجھے ایک روپیہ زائد جمع شدہ سے جرمانہ دینا چاہئے۔

غرض ہماری جماعت میں دونوں گروہ ہیں توکّل والا بھی اور تدبیر والا بھی۔ تدبیر والے گروہ کے لئے ضروری ہے کہ ہر جائز تدبیر سے کام لے اور اپنے لواحقین کے لئے جو انتظام ممکن ہو کرے اور توکّل والے کے لئے یہ ہے کہ وہ اپنا معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آتا ہے۔ آپ ﷺ کوئی سرمایہ نہ رکھتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کے پاس ایک درہم بھی آیا تو آپ ﷺ نے محتاجوں میں تقسیم فرما دیا۔ مگر بیویوں کے لئے سال کا غلّہ مہیا کر دیتے تھے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 465)

بحث نشہ آور چیز ہے

عام طور پر جب لوگ مشورے کرتے ہیں تو بحث و مباحثہ کی رو کے ماتحت کج بحثی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ بحث اچھی چیز ہے اس سے بہت سی حقیقتیں کھل جاتی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ یہ ایک نشہ آور چیز ہے۔ جب لوگ کسی امر کے متعلق بحث کر رہے ہوتے ہیں تو وہ نشہ محسوس کرتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ان سے وہ مسئلہ پوشیدہ ہو جاتا ہے جس کے متعلق بحث شروع کی جاتی ہے وہ کہیں کے کہیں نکل جاتے ہیں۔

ان کی مثال اس چیتے کی سی ہوتی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کہیں سِل پڑی تھی جسے وہ چیتا چاٹنے لگا۔ چاٹتے چاٹتے اس کی زبان سے خون نکل آیا۔ اس پر اس نے یہ سمجھا کہ سِل چاٹنے سے مزا آرہا ہے اور آخر چاٹتے چاٹتے اس کی ساری زبان کٹ گئی۔

بحث و مباحثہ میں بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ جب کوئی ایسا شخص اس میں شامل ہوتا ہے جو اپنے نفس پر پوری طرح قابو نہیں رکھتا تو اس مسئلہ کا خیال اس کے دل سے محو ہو جاتا ہے۔ وہ بحث میں ایسی لذت پاتا ہے کہ گویا اس کی ساری ترقیات کا مدار اس پر ہوتا ہے کہ اسے جیتا ہوا سمجھا جائے۔ ایسی بحث لعنت کا موجب بن جاتی ہے اور بحث کرنے والے کو تباہ کر دیتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 477-478)

مسلمان قاضی کی حالت

بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ایک شخص کو قاضی مقرر کر دیا۔ اُس کے دوست یہ سمجھ کر آئے کہ وہ خوش ہو رہا ہو گا ہم بھی اس کی خوشی میں شریک ہوں۔ مگر آکر دیکھا کہ وہ رو رہا تھا۔ اُنہوں نے پوچھا کیوں رو رہے ہو تمہیں تو خوش ہونا چاہئے تھا۔ اُس نے کہا میرے لئے یہ خوشی کی بات نہیں۔ بادشاہ نے میرے سپرد ایسا کام کیا ہے جس کے متعلق مجھے ذاتی طور پر کوئی علم نہ ہو گا۔ میرے پاس مدعی اور مدعا علیہ اپنا مقدمہ لے کر آئیں گے۔ مدعی کو معلوم ہو گا کہ اصل بات کیا ہے اور مدعا علیہ کو بھی معلوم ہو گا کہ حقیقت کیا ہے مگر مجھے کچھ معلوم نہ ہو گا اور اُن کا فیصلہ کرنا میرا کام ہو گا۔ گویا دو بیناؤں کو مجھ نابینا کے سپرد کیا جائے گا کہ میں اُن کی راہنمائی کروں۔ دو عالموں کو مجھ جاہل کے سپرد کیا جائے گا کہ میں اُنہیں تعلیم دوں۔ اِس سے زیادہ میرے لئے خطرہ کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 479)

ہمیں دوسروں کی طاقت اور اپنی کمزوری دیکھ کر ڈرنا نہیں چاہئے

ہماری کمزوری اور ناطاقتی سے ہم سے زیادہ واقف کوئی نہیں ہو سکتا۔ دُشمن ہمیں کمزور دیکھ کر کہتا ہے کچل کر رکھ دوں گا مگر وہ جتنا کمزور ہمیں سمجھتا ہے ہم اس سے بھی بہت زیادہ کمزور ہیں۔

ابھی پچھلے دنوں ایک شخص نے کہا جسے غرور تھا کہ پنجاب میں ان کی رَو چلی ہوئی ہے کہ ہم احمدی جماعت کو کچل ڈالیں گے۔ اگر میرا نفس بھی موٹا ہوتا تو میں اُسے یہ جواب دیتا کہ تم ہمیں کیا کچلو گے ہم تمہیں کچل کر رکھ دیں گے۔ مگر مَیں اُس کی بات سُن کر مُسکرا پڑا۔ میرے نفس نے کہا جس جماعت کی

کمزوری اور ناتوانی کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ اسے کچل دیا جائے ہم جانتے ہیں یہ جماعت اُس سے بھی زیادہ کمزور ہے جس قدر اسے کمزور سمجھا جارہا ہے۔ پھر میں اِس پر بھی مسکرایا کہ اُسے معلوم نہیں کہ ہم کس کی گود میں بیٹھے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو پہلوان سمجھتا ہے اور ہماری جماعت کو بچہ کی طرح کمزور قرار دیتا ہے۔ یہ اِس بچہ پر ہاتھ اُٹھاتا ہے اور اِس بات پر فخر کا اظہار کرتا ہے کہ ہم اسے کچل کر اور مسل کر رکھ دیں گے۔ اگر واقعہ میں یہ اپنے آپ کو پہلوان سمجھتا ہے اور اپنے مقابلہ میں جماعت احمدیہ کو بچہ قرار دیتا ہے تو اُسے شرم آنی چاہئے کہ ایک بچہ کے سامنے اِس قسم کا دعویٰ کرتا ہے لیکن کاش! اِس کی آنکھیں ہوتیں اور کاش وہ یہ دیکھتا کہ یہ بچہ ایسے باپ کی گود میں بیٹھا ہے جس کے مقابلہ میں ساری دُنیا کی طاقتوں کی حقیقت مچھر کے برابر بھی نہیں اور تمام دُنیا کے طاقتور چیونٹی کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ اس کا یہ کہنا کہ ہم جماعت احمدیہ کو کچل کر رکھ دیں گے بے شک ظاہری سامان ایسے ہی ہیں کہ کچل دیں مگر اِس جماعت کی حفاظت کے لئے ایک ایسی ہستی کھڑی ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ ایک لمحہ میں بڑے سے بڑے دشمن کو ملیامیٹ کر سکتا ہے۔

اِس کے متعلق ایک مثال ہی کیوں نہ پیش کر دی جائے، ایک جج تھا جس کے سامنے ایک مقام کی جماعت احمدیہ کا ایک مقدمہ پیش تھا اُس سے توقع تھی کہ احمدیوں کے حق میں فیصلہ کرے گا۔ وہاں کی جماعت نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ دعا کی جائے خدا تعالیٰ کامیابی عطا کرے۔ آپؑ نے لکھا دعا کی گئی ہے، خدا تعالیٰ فضل کرے گا۔ لیکن ظاہری حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ وہ جج جو احمدیوں سے ہمدردی رکھتا تھا بدل گیا اور ایک ایسا جج آ گیا جسے احمدیوں سے سخت عداوت تھی اور جس کے متعلق خیال تھا کہ وہ احمدیوں کے خلاف فیصلہ کرے گا۔ آخر اُس نے فیصلہ کے نوٹ لکھ لئے اور جس دن وہ عدالت میں فیصلہ سُنانے والا تھا احمدیوں کو سخت گھبراہٹ پیدا ہو گئی تھی کہ آج ان کے ہاتھ سے مسجد نکل جائے گی جس کے متعلق مقدمہ تھا۔ اُس وقت بعض کو یہ بھی خیال آرہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ فضل کرے گا اور کامیابی ہو گی، مگر اب تو بات انتہاء کو پہنچ چکی ہے، پھر کامیابی کس طرح ہو گی؟ آخر جج نے فیصلہ کے کاغذات لئے اور کپڑے پہن کر کچہری میں جانے لگا

تاکہ فیصلہ سُنائے۔ اُس وقت اس نے نوکر سے کہا بوٹ پہنادے۔ وہ بوٹ پہنا رہا تھا کہ اس نے محسوس کیا جج صاحب کو جھٹکا لگا ہے اُوپر نگاہ کر کے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جج صاحب کی جان نکل چکی ہے۔ اِس طرح اُس کا فیصلہ لکھا لکھایا ہی رہ گیا اور ایک دوسرے جج نے فیصلہ کیا جو احمدیوں کے حق میں تھا۔

تو ایسے فیصلے ہوا کرتے ہیں لیکن دُنیا اپنی طاقت کو دیکھتی ہے اور یہ نہیں دیکھتی کہ اِس طاقت کو ایک لمحہ میں سلب کر لینے والی ہستی بھی موجود ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 483-484)

حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا نشان نصرت الٰہی

جن کو خدا تعالیٰ دُنیا کی اصلاح کے لئے چُنتا ہے وہ جب دُنیا سے کہتے ہیں کہ ہم غالب ہو جائیں گے، کوئی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور دُنیا اُن سے کہتی ہے تمہیں مسل کر رکھ دیا جائے گا۔ تو اُس وقت دُنیا خود کہتی ہے کوئی انسانی تدبیر اسے ہم پر غلبہ نہیں دلا سکتی۔ انسانی تدبیر نے ہمیں غلبہ دیا ہوا ہے۔ تب خدا تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے جو اُس کو طاقتور اور اُس کے مخالفوں کو کمزور بنا دیتی ہے۔ اُس وقت وہ خود یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ہمیں یہ اپنی تدبیر اور اپنی کوشش سے کبھی مغلوب نہیں کر سکتا تھا۔ تب خدا تعالیٰ اسے غالب کرتا ہے تو دُنیا کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ اپنے آپ غالب نہیں ہوا بلکہ ایک اور طاقت تھی جس نے اسے غلبہ عطا کیا ہے۔ یہی وہ آواز تھی جو ہمارے اندر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اُٹھی جس کا اُس وقت کوئی بھی ساتھی نہ تھا۔ اس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پا کر اعلان کیا کہ ”دُنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔“ پھر اُسی وقت کی یہ آواز تھی کہ ”میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔“

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں جوانی کے ایام میں بٹالہ گیا۔ وہاں نیا نیا وہابیوں کا چرچا شروع ہوا تھا۔ ایک مولوی صاحب کے ساتھ بحث کرنے کے لئے آپ کو کہا گیا۔ اُس وقت آپ کا کوئی دعویٰ نہ تھا۔ فرماتے مجھے لوگ مباحثہ کے لئے لے گئے۔ میں جب وہاں گیا تو جس

شخص سے مباحثہ ہونا تھا اُسے میں نے کہا آپ اپنا عقیدہ پیش کریں اگر وہ صحیح ہو گا تو میں تسلیم کر لوں گا ورنہ بحث کروں گا۔ اُس نے کہا میرا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن سب پر مقدم ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو قول صحیح ثابت ہو اُسے ماننا چاہیئے میں نے کہا یہ تو بالکل درست عقیدہ ہے اور بحث کو ترک کر دیا۔ اِس پر وہی لوگ جو ساتھ لائے تھے مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور دوسروں نے کہا اِسے شکست ہو گئی ہے۔ گویا اُس وقت سارے کے سارے لوگ خلاف ہو گئے۔ تب یہ الہام ہوا۔ ''تیرا خدا تیرے اِس فعل سے راضی ہوا۔ اور وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے''۔ گویا یہ الہام اُس وقت ہوا جب آپ نعوذ باللہ ذلیل وجود سمجھے گئے۔ اور یہ کہا گیا کہ آپ ہار گئے ہیں۔ ایسے وقت میں یہ آواز آپ نے اُٹھائی۔ اب دیکھو یہ کیسی سچی ثابت ہوئی۔

ایک دفعہ ایک امریکن نے جو قادیان آیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو کرتے ہوئے کہا یسوع مسیح تو معجزے دکھاتا تھا آپ کے معجزات کون سے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا آپ بھی میرا معجزہ ہیں۔ اس نے کہا یہ کس طرح۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب مجھے میرے گاؤں کے لوگ بھی نہ جانتے تھے اُس وقت میں نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر کہا تھا یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ اِس میں خدا تعالیٰ نے بتایا تھا کہ دُنیا کے گوشوں سے کھینچ کر لوگوں کو یہاں لاؤں گا۔ آپ اب جو آئے ہیں تو اِسی لئے آئے ہیں ورنہ آپ کو مجھ سے اور کیا تعلق تھا۔

پس یہ بات یاد رکھیں کہ کسی امر کے متعلق مشورہ کرتے وقت اپنی قوت اور طاقت کو نہ دیکھیں بلکہ یہ دیکھیں کہ اِس امر کی دین کو سچی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو خواہ ہمارے جسموں کی آخری بوٹی تک اُڑ جائے وہ کام ہمیں کرنا چاہیئے۔ جہاں خدا تعالیٰ ایسی حالت میں اپنی قدرت نمائی کرتا اور کامیابی کے سامان پیدا کر دیتا ہے وہاں یہ بات بھی مدّ نظر رکھتا ہے کہ اُس کے بندے صحیح ایمان اور یقین کے ساتھ بات کریں۔ اور جتنا صحیح اور پختہ ایمان ہو گا اُتنی ہی عظیم الشان کامیابی ہو گی لیکن اگر دل میں کامیابی کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ ہو گا تو کامیابی میں اتنی ہی کمی اور توقّف ہو گا۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 489 تا 491)

سب کو ایک جیسا نہ سمجھو

عام طور پر لوگ یہ خیال کر لیا کرتے ہیں کہ جب ہم طاقتور ہیں تو سب لوگ طاقتور ہوں گے۔

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ بادشاہ کا ایک حجام تھا۔ وزراء بھی اُسی سے حجامتیں کرایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک وزیر نے خوش ہو کر اُسے پانچ سو اشرفی دے دی۔ اس کے بعد کسی دن ایک امیر نے اُس سے پوچھا شہر کا کیا حال ہے؟ تو اُس نے کہا لوگ بہت مزے میں ہیں۔ روپیہ کی اتنی بہتات ہے کہ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کے پاس کم از کم پانسو اشرفی نہ ہو۔ اُس کی یہ بات جب پھیلی تو دوسرے امراء بھی مذاق کے طور پر اُس سے یہی پوچھتے اور وہ سب کو یہی جواب دیتا۔ آخر تجویز کی گئی کہ اِس کی تھیلی کسی طرح اُڑا لی جائے۔ چونکہ وہ اُسے ساتھ لئے پھرتا تھا۔ کسی نے اُٹھا کر کہیں چھپا دی۔ چونکہ وہ اِس کے متعلق امراء سے کچھ کہہ نہ سکتا تھا اِس لئے چُپ ہو گیا۔ پھر جو آیا تو اُس سے پوچھا گیا بتاؤ شہر کا کیا حال ہے؟ کہنے لگا حال کیا ہے۔ سب لوگ بُھوکے مرتے ہیں، کسی کے پاس کچھ نہیں اُس امیر نے اُسے تھیلی دے دی اور کہا لو اپنی تھیلی اور شہر کو بُھوکا نہ مارو۔

تو یہ تباہی و بربادی کا بیج ہوتا ہے کہ سب کو ایک جیسا سمجھ لیا جائے حالانکہ وہ ایسے نہ ہوں۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 492)

نشانہ لگانا سیکھو

میں ابتدائی ایام سے بندوق چلانے کا شائق رہا ہوں بچپن میں ہی مجھے شکار کھیلنے کا شوق تھا۔ میں شکار مار کر خود نہ کھاتا تھا بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لا کر دے دیتا تھا۔ آپؑ چونکہ دماغی کام کرتے تھے اس لئے شکار کا گوشت آپ کے لئے مفید ہوتا اور آپ اسے پسند بھی فرماتے تھے۔ اس وقت مجھے اتنی مشق تھی کہ میں پانچ چھ چھرّے لے جاتا اور ہوائی بندوق سے چار پانچ پرندے مار لاتا۔ حالانکہ وہ بندوق بھی معمولی قسم کی ہوائی بندوق ہوتی تھی۔

میری یہ رائے ہے کہ نشانہ معمولی قسم کے اوزار سے بھی سیکھا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی قسم کی نشانہ بازی کا رواج ہو جائے۔ تو جماعت میں ایسی مشاقی پیدا ہو جائے گی کہ اگر کبھی بندوق چلانے کا موقع

ملے تو اچھا نشانہ لگا سکیں گے اس وجہ سے میری تجویز یہ ہے کہ ایسی کلبیں بنائی جائیں کہ ان میں ہر قسم کی نشانہ بازی کی مشق کرائی جائے۔ حتیٰ کہ جہاں کے لوگ ہوائی بندوق بھی نہ خرید سکیں وہ بھی نشانہ بازی کر سکیں۔ اور نہیں تو تیر ہی چلانے کی مشق کریں۔ اب تیر چلانے کا رواج نہیں رہا پہلے اِس قسم کی لوگوں کو بہت مشق ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ جانور مار لیا کرتے تھے۔

ایک فرانسیسی سیاح برنیر لکھتا ہے۔ ایک علاقہ میں سپاہیوں نے ایک بڑھیا کا گھر لوٹ لیا اور اسے پکڑ کر لے چلے۔ بڑھیا نے کہا جب میری بیٹی آئے گی تو تم لوگوں کو نقصان پہنچائے گی۔ بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو مگر اُنہوں نے نہ مانا۔ آخر دیکھا کہ دور سے گھوڑے پر سوار ایک عورت آرہی ہے اس نے پاس آکر سپاہیوں سے کہا میری ماں کو چھوڑ دو مگر اُنہوں نے نہ چھوڑا۔ اس نے تیر مار کر ان میں سے ایک کو گرا دیا۔ اسی طرح باری باری اس نے پانچ چھ کو مار دیا اور باقی بھاگ گئے۔

گو میں سمجھتا ہوں تیر کا نشانہ اور طرح کا ہوتا ہے اور بندوق کا اور طرح کا۔ لیکن ہاتھ اور آنکھ کو نشانہ لگانے میں جو پریکٹس ہو جاتی ہے۔ اس سے ہر موقع پر نشانہ لگانے میں مدد مل سکتی ہے۔.... چاہے تیر چلاؤ، چاہے غلیل چلاؤ، چاہے ہوائی بندوق چلاؤ، چاہے رائفل چلاؤ۔ مگر نشانہ لگانا سیکھو۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 506-507)

عقل مند بیوی

ایک شخص کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تھا۔ اُسے اور تو کوئی وجہ نہ ملی۔ اس نے بیوی کو روٹی پکاتے دیکھا تو کہنے لگا روٹی تو تم ہاتھوں سے پکاتی ہو تمہاری کُہنیاں کیوں ہلتی ہیں۔ عورت تھی سمجھدار۔ اُس نے دیکھا خواہ مخواہ لڑائی کے لئے بہانہ بنا رہا ہے اُس نے کہا بے شک مجھے گھر سے نکال دینا مگر خواہ مخواہ غصہ سے اپنا دل کیوں بُرا کرتے ہو۔ آرام سے کھانا کھا لو پھر جو مرضی ہو کرنا۔ وہ جب کھانا کھانے لگا تو عورت جوتی لے کر کھڑی ہو گئی کہ بتاؤ روٹی تو تم منہ سے کھاتے ہو تمہاری داڑھی کیوں ہلتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 551)

اپنے عملوں پر نہیں خدا کے فضل پر نظر رکھو

ہمارے دوستوں کو اپنے کاموں میں احتیاط ملحوظ رکھنی چاہئے۔ اگر کسی نے جنت کے مطابق عمل کر لئے تو وہ بَری ہو سکتا ہے لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا حتّٰی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نہیں کہا کہ آپ اعمال سے بری ہو گئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ عرض کیا جب خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ سے کہہ دیا ہے کہ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں تو رات کو اِتنی اِتنی دیر عبادت کے لئے آپ ﷺ کیوں کھڑے رہتے ہیں؟ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں عبدِ شکور نہ بنوں۔

پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے متعلق سمجھتے ہیں کہ آپ اس حد کو نہیں پہنچے کہ خدا تعالیٰ سے کہہ سکیں میں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی تو اَور کون کہہ سکتا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے جب آپ فوت ہونے لگے تو ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ ”الٰہی! میں کوئی انعام نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری کوتاہیوں پر مجھ سے گرفت نہ ہو۔ میرے لئے یہی انعام بہت بڑا ہے“۔ اگر اُن کا یہ معیار ہے کہ دین کی بہت بڑی خدمات کر کے بھی اپنے آپ کو قاصر سمجھتے تو عوام اگر یہ سمجھیں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی تو بہت بڑی کوتاہی اور غفلت کی بات ہو گی۔ ہمارے اندر جو لوگ کوتاہی کرنے والے ہیں ان کی ذمہ داری بھی ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم خود اپنا فرض ادا کرتے ہیں تو دوسروں کی کوتاہی کو دُور کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی میں سفید بال آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا سُورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ کیونکہ اِس میں دوسروں سے متعلق ذمہ داری ڈالی گئی ہے تو دوسروں کی ذمہ داری کو بھی جماعت کے نمائندے سمجھیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 565)

کیا آپ استاد ہیں؟

ایک بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جج تھے۔ انگریزی کی کتابوں میں بھی ان کے قصے آتے ہیں۔

ایک قصہ میں ذکر ہے کہ ان کے سامنے گواہوں کی ایک جماعت پیش ہوئی۔ تو ان میں سے ایک کے متعلق اُنہوں نے کہا کیا آپ اُستاد ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ کسی نے پوچھا آپ نے کس طرح معلوم کر لیا کہ یہ استاد ہیں؟ انہوں نے کہا استاد کا طالب علموں سے واسطہ پڑتا ہے اور وہ حکم چلانے کا عادی ہوتا ہے اِس وجہ سے اِس میں بھی آداب مفقود ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے قدرتی طور پر حکم کرنے والوں سے آداب مفقود ہو جاتے ہوں مگر اسلام اِس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام میں جتنا کوئی بڑا ہو اُتنا ہی زیادہ مؤدب ہوتا ہے۔ اس بات کو خاص طور پر مد نظر رکھنا چاہئے اور اس کے مطابق اپنا طریقِ عمل بنانا چاہئے۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 1 صفحہ 575)

عقل خدا کی دین ہے

دُنیا میں عقلمند سے عقلمند انسان دوسرے سے سبق حاصل کر سکتا ہے اور کسی کی بات ردّ کرنے کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ اُس کی بے وقوفی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا شخص 99 دفعہ اچھی بات سوچ لیتا ہے لیکن سَوویں دفعہ اُسے دوسرے سے سبق مل جاتا ہے۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 1 صفحہ 576)

امام ابو حنیفہؒ نے کیا ہی عمدہ بات فرمائی ہے۔ کسی نے اُن سے کہا کیا کسی نے آپ کو بھی کبھی ایسی نصیحت کی جس کا آپ کے دِل پر گہرا نقش ہوا؟ اُنہوں نے کہا کبھی کسی بڑی عمر کے انسان نے کوئی بات ایسی مجھے نہیں بتائی جو غیر معمولی طور پر یاد رکھنے کے قابل ہو، ہاں ایک بچہ نے مجھے ایسی بات کہی تھی۔ اُس نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بارش ہو رہی تھی، چھوٹی عمر کا ایک بچہ تھا جو اِدھر اُدھر دَوڑ رہا تھا مَیں نے خیال کیا کیچڑ میں وہ گر پڑے گا اِس وجہ سے میں نے اُسے کہا میاں بچے! سنبھل کر چلو ایسا نہ ہو کہ پاؤں پھسل جائے اور گر پڑو۔ یہ سُن کر اُس نے میری طرف مُڑ کر دیکھا اور کہا امام صاحب! آپ اپنی فکر کریں۔ مَیں پھسلا تو میری اپنی ہی ہڈی پسلی ٹوٹے گی لیکن اگر آپ پھسلے تو اور بھی بہت سے لوگ تباہ ہو جائیں گے۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 1 صفحہ 480)

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ ایسا قیمتی سبق تھا کہ اِس پایہ کا اور کوئی سبق مجھے نہیں ملا۔ اصل بات یہ ہے کہ عقل خدا تعالیٰ کی دین ہے۔ اُس نے عقل تقسیم کرتے وقت ساری کی ساری کسی ایک کو نہیں دے دی بلکہ سب میں بانٹ دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بد صُورت سے بد صُورت چیز کے بھی بعض حصے خوبصورت ہوں گے۔ اسی طرح بے وقوف سے بیوقوف کی بات کا بھی کوئی نہ کوئی حصہ اچھا ہو گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک خادم پیرا نام تھا۔ وہ اتنا کم فہم تھا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ فرماتے تھے کہ ہفتوں بڑی کوشش سے اُسے کلمہ یاد کرایا۔ ایک دفعہ اُس سے کسی نے پوچھا تمہارا مذہب کیا ہے؟ کہنے لگا ہمارے گاؤں کے پنچ کو معلوم ہے اُس سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ مگر باوجود ایسی عقل و سمجھ رکھنے کے وہ بھی بعض اوقات عقل کی بات کر جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تار دینے کے لئے اُسے بٹالہ بھیجا۔ وہاں سے آکر اُس نے بتایا کہ مجھے مولوی محمد حسین بٹالوی ملا تھا۔ کہنے لگا وہاں کیوں رہتے ہو؟ وہاں سے چلے جاؤ اور بھی بہت باتیں کرتا رہا۔ میں نے اُسے کہا میں کچھ پڑھا لکھا تو ہوں نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ مرزا صاحب وہاں اپنے گھر میں بیٹھے ہیں اور لوگ دُور دُور سے ان کے پاس آتے ہیں۔ تم لوگوں کو ان کے پاس جانے سے روکتے رہتے ہو مگر کوئی تمہاری بات نہیں سنتا اور تم اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہو۔

یہ اُس کے منہ سے بھی ایسی بات نکل گئی جو بالکل سچی اور پکی تھی اور جس کا مولوی محمد حسین صاحب جیسے عالم کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ پس اگر کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ اس کے سِوا کوئی اور عقل کی بات نہیں کر سکتا تو یہ غلط خیال ہے اور اِس وجہ سے اپنی بات کی پچ اور ضِدّ پیدا ہو جاتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 576-577)

(الفضل آن لائن یکم اکتوبر 2022ء)

(قسط 3)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

احمدی اور غیر احمدی میں فرق

پھر یہ بات مد نظر رکھنی چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جماعتیں فتنہ و فساد کے وقت پیدا ہوا کرتی ہیں، جب دُنیا بہت بڑا تغیر اور بہت بڑی تبدیلی چاہتی ہے تب نبی آیا کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک واقعہ ہے جس کا ذکر ڈائری میں آتا ہے۔ میں اُس وقت وہاں موجود تھا جب وہ واقعہ ہوا۔ مدرسہ احمدیہ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی کہ اِس کی ضرورت ہے یا نہیں۔ ایک صاحب تحصیلدار تھے۔ اُنہوں نے کہا ہمیں ایسے مدرسہ کی کیا ضرورت ہے ہمارا اور دوسرے مسلمانوں کا اتنا ہی اختلاف ہے کہ ہم کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور وہ کہتے ہیں زندہ ہیں۔ دوسرے مسائل میں کوئی اختلاف نہیں وہ مسائل ہم دوسرے مولویوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ خود مجلس میں تشریف لے آئے اور آپ نے تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مَیں یہ بات سن کر حیران ہو گیا کہ ہمارا اور دوسرے لوگوں کا اختلاف صرف حیات و وفات عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے؟ اگر یہی اختلاف ہوتا تو اِس کے لئے قطعاً مامور کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کی وفات ماننے والے تو کئی لوگ تھے۔ سر سید احمد خان بھی حضرت

عیسیٰؑ کی وفات مانتا تھا۔ اسی قسم کے اور بھی لوگ تھے اس کے لئے مامور کے آنے کی ضرورت نہ تھی۔ فرمایا یہ غلط ہے اصل بات یہ ہے ہمارا خدا اور ہے اور ان کا خدا اور۔ ان میں خدا تعالیٰ کے متعلق بیسیوں غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ الہام ختم ہو چکا اور خدا اب اپنے کسی بندہ سے نہیں بولتا۔ پھر اُن کا قرآن اور ہے اور ہمارا اور۔ وہ سمجھتے ہیں قرآن کی کئی آیات منسوخ ہیں مگر ہم اس کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں مانتے۔ اُن کی سمجھ میں جو آیت نہ آئی اسے منسوخ قرار دے دیا۔ اِس سے بڑھ کر قرآن پر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے۔ پھر وہ مسلمان ہی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن کو ننگے نہاتے دیکھا اور اُس پر عاشق ہو گئے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) پس کوئی ایک بات نہیں جس میں اُن سے ہمیں اختلاف ہے بلکہ انہوں نے اسلام کا نقشہ ہی اِس طرح بدل دیا ہے کہ وہ پہچانا نہیں جاتا۔ پھر اُن کے دلوں کا نقشہ بدل گیا ہے۔ اُن کے دلوں سے خدا تعالیٰ کی محبت مٹ چکی ہے۔ تو فرمایا اسلام کی ہر چیز کو انہوں نے بدل دیا اِس لئے خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 578-579)

مخالفتیں اور ابتلا انعامات دینے کے لئے آتے ہیں

ہمارے خلاف مخالفت کی ایک عام رَو چلی ہوئی ہے۔ اس کے متعلق میں نے مختلف لوگوں سے گفتگو کی۔ اُن کی طرف سے اس قدر اسباب اِس مخالفت کے بیان کئے جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی حقیقی نہیں کہہ سکتے۔

پچھلے دنوں مَیں لاہور گیا تو پولیس کے ایک بڑے افسر ملنے کے لئے آئے۔ اُن سے میں نے پوچھا کیا آپ کے نزدیک بھی آجکل ہماری مخالفت بڑھ گئی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا آپ کے نزدیک اس کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے آپ لوگ چونکہ سیاست میں حصہ لینے لگے ہیں، اس لئے بددیانت لوگوں کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ اب ان کے ہاتھ سے کام نکل جائے گا۔ میرے نزدیک یہ بھی ایک وجہ ہے۔ مگر کئی اور جگہ اِس قسم کے اسباب نہیں مگر وہاں بھی مخالفت زوروں پر ہے۔ دراصل یہ مخالفت کی رَو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ اور اس کی غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اُس سے مانگیں تاکہ ہمیں دیا

جائے۔ جس طرح ماں بعض اوقات چاہتی ہے کہ بچہ دودھ مانگے تو اُسے دے اِسی طرح خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اُس سے مانگیں۔

پس یہ الٰہی فعل بتاتا ہے کہ ہمیں کچھ ملنے والا ہے مگر اِس کے لئے ضرورت ہے کہ ہم مانگیں۔ خدا تعالیٰ سے مانگنا کچھ تو دُعا سے ہوتا ہے اور کچھ عمل سے۔ پس اِس وقت ہماری وہی حالت ہے جیسا کہ کتابوں میں آتا ہے کہ کوئی بزرگ تھے۔ کسی نے اُن کی بہت خدمت کر کے اُنہیں خوش کیا تو وہ کہنے لگے جو کچھ مانگنا چاہتے ہو مانگ لو۔ پس خدا تعالیٰ ہمیں کچھ دینا چاہتا ہے اور یہ اُس کی سُنت ہے کہ جس کو وہ دینا چاہتا ہے اُسے ابتلاء میں ڈالتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مشکلات پیش آئیں۔ اس وقت آپ کو الہام ہوا۔

؎ چل رہی ہے نسیم رحمت جو دعا کیجئے قبول ہے آج

یہ موقع ہمارے لئے بھی آیا ہوا ہے۔ اگر ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور قلم برداشتہ لکھ سکتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم حق پر ہیں۔ کئی لوگ لکھتے۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کے ماتحت لکھو کہ تم حق پر ہو اور مَیں فوراً لکھ دیتا ہوں۔ پس جب ابتلاء خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے اور کچھ انعام دینے کے لئے آئے تو زیادہ ہمت، زیادہ قربانی اور زیادہ ایثار کی رُوح پیدا کرنی چاہیئے تا کہ انعامات ملیں۔ پس ہمیں خدا تعالیٰ کے خاص فضل حاصل کرنے کے لئے عملی قربانی کرنی چاہیئے اور دُعاؤں پر بہت زور دینا چاہیئے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 582-583)

مفت خوری

ایک دوست نے کہا گورنمنٹ سے ایڈ کا جو روپیہ مل سکتا ہے اسے کیوں چھوڑیں۔ ان کی یہ بات نیک نیتی پر مبنی تھی اور اس کے مطابق انہوں نے کہا مگر ایک لطیفہ یاد آ گیا وہ سنا دیتا ہوں۔

جب میں حج کو گیا تو ایک عرب کے مفتی صاحب جو اُسی جہاز میں سوار تھے بہت گھبرائے ہوئے تھے کہ محی الدین عرب اُن کو میرے پاس لایا۔ میں نے پوچھا کیا وجہ ہے گھبرانے کی؟ تو انہوں نے کہا یہاں کھانے کا کوئی انتظام نہیں، حالانکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ انتظام ہو گا، اب میں کیا کروں؟ میں نے اُن کے

متعلق کپتان جہاز سے کہا کہ جب یہ آ گئے ہیں تو ان کے کھانے کا کوئی انتظام کرو۔ اُس نے کہا کمپنی کی طرف سے تو کوئی اجازت نہیں۔ البتہ ملاحوں کو کافی کھانا ملتا ہے مَیں اُن سے کہتا ہوں کہ ان کو دے دیا کرو۔ یہ انتظام ہو گیا۔ میں ایک دن مفتی صاحب سے ملنے گیا تو پھر اُن کو گھبر ایا ہوا پایا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کھانے کے ساتھ شراب آتی ہے جو میں ایک یہودی کو دے دیتا تھا مگر آج کوئی نہیں ملا کسے دوں میں نے کہا پھینک دو۔ کہنے لگے پھینکوں کیسے ؟اِس پر پیسے لگے ہوئے ہیں۔

اگر سرکاری سکیم جاری کرنے کی وجہ سے کوئی نقصان ہوتا ہو تو ہم سرکاری ایڈ ترک کر سکتے ہیں لیکن اگر کوئی حرج نہ ہوتا ہو، ہمارے مقصد میں فرق نہ پڑے اور اپنے نصاب کے ساتھ سرکاری سکیم رکھ کر مل سکے تو کوئی حرج نہیں۔ مگر ایڈ اس نقطہ نگاہ سے ہو نہ کہ ایڈ کے معنے کے لحاظ سے ہم سکیم میں کوئی اصلاح نہ کریں۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 599)

محبت کے رشتوں میں معمولی ناراضگی بھی اثر رکھتی ہے

میں جب کسی مخلص سے کہتا ہوں کہ ناراض ہوں تو اُس کی کیا حالت ہو گی اور یہ اُس کو ہی سزا نہیں ہوتی اپنے آپ کو بھی ہوتی ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین صحابیوں سے ناراض ہو گئے۔ ان میں سے ایک کہتا ہے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں جاتا اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ کہتا مگر آپ جواب نہ دیتے اور کن اکھیوں سے میری طرف دیکھتے۔ تو وہ سزا اُس صحابی کو ہی نہ تھی بلکہ اس کی اذیّت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تھی۔

اِسی طرح جن سے میں ناراض ہوتا ہوں اُن کو ہی سزا نہیں ہوتی مجھے بھی ہوتی ہے مگر سلسلہ کے وقار اور ضروریات کے پیشِ نظر سزا دینی پڑے گی۔ قادیان میں ایسا ہوا ہے کہ ایک مخلص شخص سے میں ناراض ہوا تو غم کی وجہ سے اسے دو ہفتہ کے اندر اندر سِل ہو گئی۔ اس پر مجھے پچھتاوا ہوا۔

ایک دوست نے سُنایا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ سیر کو جا رہے تھے کہ آپ نے پان مانگا۔ منشی ظفر احمد صاحبؓ نے پان دیا۔ جس میں زردہ پڑا ہوا تھا۔ آپؑ نے کھایا تو قے ہو گئی مگر

اس خیال سے کہ دِل شکنی نہ ہو فرمانے لگے معدہ صاف ہو گیا۔ خوب قے آگئی ہے۔ منشی ظفر احمد صاحبؓ جب یہ بات سُناتے ہیں تو اِن کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ تو محبت کے رشتے بالکل اور ہوتے ہیں۔ ان میں معمولی سی سزا بھی بہت اثر رکھتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 607)

اہم کاموں میں لوگ مرنا بھی بھول جاتے ہیں

ہمارے ذمہ ایک بہت اہم کام ہے اور وہ دنیا کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں صداقت اور حقانیت دی اور فرمایا جاؤ ساری دُنیا کو پہنچاؤ۔ اہم کاموں میں تو لوگ مرنا بھی بھول جاتے ہیں، پھر کیا ہم زندہ رہنا بھی نہیں بھول سکتے۔ کہا جاسکتا ہے کہ کس طرح کوئی مرنا بھول سکتا ہے مگر ایسے لوگ ہوتے ہیں جو واقعی بھول جاتے ہیں۔ ظاہری حالات ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں مر جانا چاہئے مگر وہ اس وقت تک نہ مرے جب تک انہوں نے اپنا کام نہ کر لیا۔

تاریخوں میں آتا ہے ایک قلعہ تھا جس پر قبضہ کر لینے پر نپولین کی فتح کا دارومدار تھا۔ ایک نوجوان کے سپرد یہ کام تھا کہ اس کے فتح ہونے کی اطلاع نپولین کو دے۔ عین اُس وقت جب کہ وہ چلنے لگا اُس کے سینہ میں گولی لگی مگر وہ گھوڑا دوڑائے چلا گیا اور جا کر اطلاع دی کہ قلعہ فتح ہو گیا ہے۔ نپولین نے اسے دیکھ کر کہا تمہیں یہ کیا ہوا کیا گولی لگی ہے؟ یہ کہنا تھا کہ وہ اُسی وقت گر کر مر گیا۔ جس جگہ اُسے گولی لگی تھی وہ ایسی نازک تھی کہ اُسے گولی لگنے کے بعد پھر جینا نہیں چاہئے تھا مگر چونکہ اُس میں یہ فوق العادت ارادہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ کام مجھے کرنا ہے اور میں اِسے کر کے چھوڑوں گا۔ اِس وجہ سے موت بھی اُس سے پیچھے ہٹی رہی تاوقتیکہ اُس نے اپنا کام نہ کر لیا۔

کیا جس کام کو ایک شخص اپنے مُلک کی خاطر اور نپولین کی خاطر کر سکتا ہے اور موت کو بھلا کر جو ٹل نہیں سکتی کر سکا، کیا ہم دین کے لئے زندگی کو بھول کر نہیں کر سکتے؟ اس وقت اگر ہمیں موت بھی آجائے تو ہم کہیں گے ذرا پیچھے ہٹ ہمیں ابھی خدا کا کام کرنا ہے اور وہ بھی پیچھے ہٹ جائے گی۔ پس وقت آگیا ہے کہ ہم ہوشیار ہو جائیں۔ اگر ہم اس پیغام کو نہ پہنچائیں گے جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے تو اُس درگاہ میں جس کا مجرم بہت ہی قابلِ رحم حالت میں ہوتا ہے مجرم کی حیثیت سے پیش ہوں گے دوست کی حیثیت سے

نہیں۔ پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ سُستی ترک کر دیں۔ وہ جو چُست نہیں چُست ہو جائیں، جو ہوشیار نہیں وہ ہوشیار ہو جائیں اور سستیاں چھوڑ دیں اور خدا تعالیٰ کا پیغام دنیا کو پہنچانے کے لئے سب کچھ بھول جائیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اِس ارادہ اور اِس ایمان کے ساتھ اگر چند ہزار بھی نکلیں گے تو پھر کامیابی میں شبہ نہیں ہو سکتا۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 611-612)

جو شخص مرنے کے لئے تیار ہو جائے اسے کوئی مار نہیں سکتا

خوب اچھی طرح یاد رکھو جو شخص مرنے کے لئے تیار ہو جائے اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔ سچے طور پر موت قبول کرنے والی انبیاء کی جماعت ہی ہوتی ہے۔ پھر کوئی ہے جو اُسے مار سکے؟ ہر گز نہیں۔ دائمی زندگی حاصل کرنے کا اصل یہی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے لئے موت قبول کرے اور جب کوئی انسان اس ارادہ سے کھڑا ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کے فرشتے اسے زندہ کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گویا کُشتی شروع ہو جاتی ہے۔ انسان زور لگاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں موت حاصل ہو لیکن فرشتے زور لگاتے ہیں کہ اسے زندہ رکھا جائے۔ جب خدا کا بندہ کہتا ہے کہ میں خدا کے لئے مرنا چاہتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے سارے فرشتے کہتے ہیں ہم مرنے نہیں دیں گے اور آخر فرشتے ہی جیتتے ہیں۔ بندہ چاہتا ہے کہ مر جائے۔ وہ اس کے لئے اپنے آپ کو ایسے حالات میں ڈالتا ہے جن کا نتیجہ موت ہوتی ہے مگر وہ مرتا نہیں۔

حنین کے واقعہ کو ہی دیکھ لو۔ جب دشمن حملہ کر کے آگے بڑھا تو اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف بارہ آدمی تھے باقی سب دشمن کی تیر اندازی سے تِتّر بِتّر ہو گئے تھے۔ اُس وقت حضرت عباسؓ نے کہا حضور ذرا پیچھے ہٹ جائیں مگر آپ نے سواری کو ایڑی لگائی اور آگے بڑھتے ہوئے فرمایا۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔ میں خدا تعالیٰ کا سچا نبی ہوں میں پیٹھ کس طرح دکھا سکتا ہوں یہ ایک ایسا کلمہ تھا جو انسانیت کو بھلا کر خدا تعالیٰ کے سامنے لانے والا تھا۔ چار ہزار تیر اندازوں کے مقابلہ میں ایک شخص کہتا ہے میں یہاں سے ہٹ نہیں سکتا تو یہ انسان نہیں بلکہ خدا بول رہا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت کہا بھی کہ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔ میں انسان ہی

ہوں۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ میں خدا کی راہ میں مرنا چاہتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے فرشتے اُتر آئے اور حنین کی شکست فتح سے بدل گئی اور آپ فاتح بن کر میدان جنگ سے لوٹے۔

اسی طرح اُحد کی جنگ کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ باہر نکل کر مقابلہ کریں یا اندر ہی رہ کر؟ اُس وقت بعض نوجوان چاہتے تھے کہ بہادری دکھائیں اور باہر نکل کر مقابلہ کریں۔ اُنہوں نے اِس کے لئے بہت زور دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات مان لی اور آپ زِرہ پہن کر نکل آئے۔ بعد میں جو لوگ آئے انہوں نے نوجوانوں کو سمجھایا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ اندر رہ کر مقابلہ کریں تو تم نے باہر نکل کر لڑنے پر کیوں زور دیا؟ اِس پر نوجوانوں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کی یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہم سے غلطی ہوئی ہم اپنی بات واپس لیتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نبی جب ہتھیار پہن لیتا ہے تو پھر نہیں لَوٹتا۔

اس کے بھی یہی معنے ہیں کہ نبی اپنے لئے خدا تعالیٰ کی راہ میں موت پسند کرتا ہے۔ تو خدا کا وہ مقدس رسول جس کی جان زمین و آسمان سے بھی زیادہ قیمتی تھی، جس کی جان کی خاطر ہزاروں صدیوں کے انسان قربان کئے جاسکتے تھے، جس کی جان کے ایک منٹ کی قیمت تمام کائنات نہیں ہو سکتی، وہ بھی کہتا ہے کہ نبی جب ہتھیار لگا لے تو پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ پھر ہماری کیا حقیقت ہے کہ ہم جب کھڑے ہوں تو کمریں کھولنے کا خیال بھی دل میں لائیں۔ کیا جس کے لئے بیش قیمت ہیرا قربان کیا جاسکتا ہے اُس کے لئے کوئلہ نہیں قربان کیا جاسکتا؟ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں ہماری جانیں کوئلہ جتنی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ ہیرا ہو کر تیار تھا کہ خدا تعالیٰ کے عشق کی بھٹی میں جل جائے۔ پھر کیا ہم کوئلہ ہو کر نہیں جلیں گے؟ بحال یہ کہ کوئلہ بنایا گیا ہی جلنے کے لئے ہے۔ پس موت کو قبول کرو، تب کام ہو گا۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 612 تا 614)

خدمت اسلام کے لئے ایک عظیم عہد

میری زندگی میں بھی ایسا لمحہ اس وقت آیا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا اُس وقت میری عمر اُنیس سال کی تھی۔ جب میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ اب کیا ہو گا، ابھی کئی پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں اور ایک شخص تو ایسے موقع پر مرتد بھی ہو گیا۔

اُس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سرہانے کھڑے ہو کر خدا تعالیٰ سے مخاطب ہو کر میں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تیری طرف سے آئے، اب میں تیرے ہی سامنے تیرے ہی تقدس کی قسم کھا کر اقرار کرتا ہوں کہ اگر سارے کے سارے لوگ بھی مرتد ہو جائیں تو مَیں تیری راہ میں اپنی جان لڑا دوں گا۔ یہ وہ پہلے الفاظ اور پہلا کام تھا جو مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد کیا۔ میں نے خدا تعالیٰ کی توفیق سے بڑے بڑے کام کئے ہیں مگر میں اِس کام کو سب سے بڑا سمجھتا ہوں۔

جب کے بدر کے لئے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم گئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پوری طرح اعلان نہ کیا تھا کہ جنگ ہو گی یا نہیں اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس بات کا یقینی علم آپ کو کہاں ہوا۔

اُس وقت جو صحابہ آئے وہ پوری طرح تیار نہ تھے۔ تب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اُن سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے بتایا ہے جنگ ہو گی، دشمن آ رہا ہے اب بتاؤ کیا رائے ہے؟ اُس وقت کئی ایک صحابہ اُٹھے اور انہوں نے کہا رائے کیا ہم جنگ کے لئے تیار ہیں۔ مگر یہ کہنے والے مہاجرین تھے، انصار نہ تھے۔ جب وہ بول چکے تو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پھر فرمایا دوستو! مشورہ دو۔ یہ تین دفعہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہا۔ اِس پر ایک انصاری کھڑے ہوئے اور کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! کیا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مراد ہم سے ہے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہاں۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مدینہ تشریف لائے اور انصار سے معاہدہ ہوا تو اس کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر کفار مدینہ پر چڑھ کر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر حملہ کریں گے تو ہم لڑیں گے باہر جا کر لڑنے کے ذمہ وار نہیں۔ یہ لڑائی چونکہ باہر تھی اِس لئے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم انصار سے پوچھتے تھے۔ اُس وقت ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ معاہدہ اُس وقت ہوا تھا جب کہ ہم پر حق پوری طرح نہ کُھلا تھا۔ اب جب کہ ہمیں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذریعہ ایمان نصیب ہوا ہے تو ہم سے یہ سوال ہی کیا ہے کہ لڑو گے یا نہیں۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ سامنے سمندر ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اشارہ فرمائیں کہ اِس میں گھوڑے ڈال دو ہم آپ سے کچھ پوچھے بغیر فوراً ڈال دیں گے۔ جب جنگ ہو گی تو ہم آپ کے دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے لڑیں گے اور کوئی آپ تک نہ پہنچ سکے گا جب تک ہماری لاشوں پر سے گزرتا ہوا نہ آئے گا۔

یہ بات اُس انصاری نے کہہ دی اور رسول کریم ﷺ نے سن لی۔ ایک صحابی نے جو تیرہ یا سترہ غزوات میں شامل ہوئے ایک دفعہ ایک موقع پر آہ بھر کر کہا کاش! میں اِن غزوات میں شریک نہ ہوتا اور اِن کا ثواب مجھے حاصل نہ ہوتا مگر یہ فقرہ میرے منہ سے نکلا ہوتا۔ مجھے بھی اِس صحابی کی طرح فخر حاصل ہے جب میں اپنی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں اور اِس فقرہ اور معاہدہ پر نظر ڈالتا ہوں تو سمجھتا ہوں وہ بہترین موقع تھا جو خدا تعالیٰ نے مجھے دیا۔ ایسا ہی معاہدہ کامیاب کر سکتا ہے۔ جب تک ہر ایک احمدی اپنی آنکھوں کے سامنے رسول کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ کی مقدس لاشوں کو رکھ کر یہ معاہدہ نہیں کرتا کہ میں اپنا سب کچھ اسلام کے لئے قربان کر دوں گا۔ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 615-616)

فتح کی موت

وہ مقام حاصل کرو کہ تمہاری موت فتح کی موت ہو جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا ہے ؎

يَا ذَالَّذِیْ وَلَدَتْکَ اُمُّکَ بَاکِیًا وَالنَّاسُ حَوْلَکَ يَضْحَکُوْنَ سُرُوْرًا

اِحْرِصْ عَلٰی عَمَلٍ تَکُوْنَ بِهٖ مَتٰی يَبْکُوْنَ حَوْلَکَ ضَاحِکًا مَسْرُوْرًا

اے انسان! تُو ایسا تھا کہ جب تُو پیدا ہوا، تو رو رہا تھا اور لوگ ہنس رہے تھے۔ کہ بیٹا پیدا ہوا۔ اب تُو ایسے عمل کر اور تُو ایسا مقام حاصل کر لے کہ جب تُو فوت ہو تو لوگ رو رہے ہوں کہ وہ تیرے فوائد سے محروم ہو گئے اور تُو ہنس رہا ہو کہ تُو نے اپنا کام ختم کر لیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 619)

خدمت دین کے لئے خدا کی آواز پر لبیک کہو

دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں اپنے مقصد و مدعا میں ناکام نہیں کر سکتی۔ اگر ہم میں سے چند بھی باقی رہ جائیں گے تو وہ ناکام نہیں ہوں گے بلکہ اگر ایک بھی نہیں رہے گا تو بھی اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہو سکتا۔

حنین کی جنگ میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے رہ گئے تو آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا آواز دو کہ اے انصار! اللہ کا رسول تمہیں بُلاتا ہے۔ جب میں یہ واقعہ پڑھتا ہوں تو رسولِ کریم

ﷺ سے لے کر اِس وقت تک کی تیرہ صدیاں سمٹ کر وہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور دُوری کا سوال اُڑ جاتا ہے۔ اِس وقت میں سمجھتا ہوں رسول کریم ﷺ کی آواز مجھے سنائی دے رہی ہے اور میں لبیک کہتا ہوا حاضر ہو رہا ہوں۔ پھر غور کرو جن کے کانوں میں رسول کریم ﷺ کی طرف سے عباسؓ کی آواز کاغذ اور سیاہی کے ذریعہ نہیں پہنچی بلکہ آواز اُن کے کانوں میں براہ راست پہنچی اُن کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔

وہ کہتے ہیں ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ صُورِ اسرافیل پُھونکا گیا ہے۔ اُس وقت اُن کے گھوڑے اور اونٹ بھاگے جارہے تھے۔ اِس حالت میں اُن کا لوٹنا کتنا مشکل تھا مگر جب حضرت عباسؓ نے یہ آواز بلند کی کہ خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے تو اُنہوں نے اپنی سواریوں کو موڑنے کی کوشش کی۔ جب وہ زور لگاتے تو سواریوں کے منہ مُڑ کر پیٹھ کو جا لگتے مگر جب چھوڑتے تو پھر آگے کو بھاگ پڑتیں اِس وجہ سے اُنہوں نے اپنی سواریوں کی گردنیں کاٹ دیں اور سواریاں چھوڑ کر رسول کریم ﷺ کے گرد لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے جمع ہو گئے۔

میں جب کاغذوں میں یہ واقعہ پڑھتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ صدیاں مِٹ گئی ہیں اور حضرت عباسؓ کی آواز میرے کانوں میں آرہی ہے۔ اُس وقت میں چاہتا ہوں کہ اُڑ کر پہنچ جاؤں۔ مگر اِس وقت جب کہ خدا کے مسیح کی آواز ہمارے کانوں میں پہنچ رہی ہے کہ اے خدا کے بندو! تمہارا خدا تمہیں بلاتا ہے تو اِس وقت عین میدانِ جنگ میں انصار نے جو قربانی کی اور لبیک کہتے ہوئے جا پہنچے اس سے بڑھ کر قربانی کرنا جو اپنا فرض نہیں سمجھتا اسے مومن کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

پس اگر کوئی اِس آواز پر لبیک نہیں کہتا تو آواز پہنچانے والا کہہ دے کہ میں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے، دوسروں کا مَیں ذمہ دار نہیں۔ اِس نیت اور اِس ارادہ سے جو نمائندے کھڑے ہوں گے وہ ضرور اپنی اپنی جماعتوں کو بیدار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اُن میں خدا داخل ہو جائے گا، اُن میں خدا کا ظہور ہو گا۔ اس کے لئے صرف پختہ ایمان، پختہ اخلاص، اور پختہ ارادہ کی ضرورت ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 620-621)

عشق میں رشک، پیاروں سے بھی ہوتا ہے

ہمیں خدا تعالیٰ نے دُنیا کی اصلاح کے لئے چنا ہے اور ہم خدا تعالیٰ کی چنندہ جماعت ہیں۔ ہمیں دُنیا سے ممتاز اور علیحدہ رنگ میں رنگین ہونا چاہئے۔ صحابہ ہمارے لئے ادب کی جگہ ہیں مگر عشق میں رشک پیاروں سے بھی ہوتا ہے۔ پس ہمارا مقابلہ اُن سے ہے جنہوں نے رسولِ کریم ﷺ کے دوش بدوش جنگیں کیں اور اپنی جانیں قربان کیں۔ ہم ان کی بے حد عزت اور توقیر کرتے ہیں لیکن کوئی وجہ نہیں کہ ان کی قربانیوں پر رشک نہ کریں اور ان سے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔

میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ رسول کریم ﷺ ایک دفعہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کا طریق یہ تھا کہ اگر کوئی چیز اہل مجلس کو دیتے تو دائیں طرف والے کو دیتے۔ اُس وقت آپ کے لئے دودھ لایا گیا۔ آپ نے اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی طرف دیکھا جو بائیں طرف بیٹھے تھے اور دائیں طرف ایک بچہ بیٹھا تھا آپ نے شاید اس خیال سے کہ حضرت ابو بکرؓ بوڑھے ہیں اور دیر سے بیٹھے ہیں، اِنہیں بھوک لگی ہو گی بچے سے کہا اگر اجازت دو تو میں یہ دودھ ابو بکرؓ کو دے دوں بچہ نے کہا کیا یہ دودھ لینے کا میرا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا پھر میں یہ نہیں کر سکتا کہ یہ حضرت کا تبرک ابو بکرؓ کو دے دوں، میں اِس برکت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

پس ہم صحابہ کرام کو ادب اور احترام کا مقام دے سکتے ہیں اور ان کے لئے جان بھی دے سکتے ہیں مگر جب قربانی کا موقع آئے تو ہم کہیں گے کہ ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ جب تک ہم میں سے ہر ایک کے دل میں یہ جذبہ نہ پیدا ہو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اپنی ذمہ واری کو پوری طرح محسوس کر لیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 640-641)

(الفضل آن لائن 15 /اکتوبر 2022ء)

(قسط 4)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

گناہ سے بچنا ضروری ہے

جب میں حج سے آیا تو جہاز کے کپتان کو عربی سیکھنے کا شوق تھا۔ وہ مجھ سے عربی میں باتیں کیا کرتا۔ ایک دن کہنے لگا اب خوب مزا ہو گیا جو چاہو کرتے رہو کیونکہ حج کر لیا ہے اور اس طرح گناہ معاف ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا صاف ستھرے کپڑے کے متعلق زیادہ احتیاط کی جاتی ہے یا گندے کپڑے کی؟ کہنے لگا صاف کی۔ میں نے کہا پھر جب گناہ معاف ہو گئے ہیں تو اب زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 634)

وصیت سے مستثنیٰ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت کرنے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن میں یہاں تک احتیاط کرتا ہوں کہ قرض لے کر بھی اگر کوئی رقم خرچ کروں تو اس میں سے دس فیصدی چندہ دیتا ہوں۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو میں نے کہا شکرانہ کے طور پر میں دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے بغیر وصیت کے مقبرہ بہشتی میں دفن ہونے کا موقع دیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 636)

مومن اور غیر مومن کی حالت

دنیا میں کام دو طرح ہوتے ہیں ایک محبت سے دوسرے خوف سے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسری کے ساتھ لگی ہوتی ہیں مگر کبھی باری باری آتی ہیں۔ کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ان کے کاموں پر محبت غالب ہوتی ہے اور کچھ وہ ہوتے ہیں جن کے کاموں پر خوف غالب ہوتا ہے۔ یعنی انسان بعض کام خوف سے کرتا ہے اور بعض کام محبت سے۔ یہ دو دائرے ہیں، ان کے متعلق ایک بات یاد رکھنی چاہئے اور وہ یہ کہ جن کا دائرہ محبت کا ہوتا ہے وہ خواہش کے ماتحت ہوتا ہے کہ یہ بھی ہو جائے اور یہ بھی حاصل ہو جائے اور جن کا دائرہ خوف کا ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو جائے۔ آج کل جب کہ ایک قسم کا خوف پیدا ہے، میں دیکھتا ہوں بعض کی حالت ایسی ہے کہ وہ کہتے ہیں ایسا نہ ہو جائے یعنی احرار ہمیں تباہ نہ کر دیں مگر کام کرنے کا یہ محرک اولیٰ ہے۔ مومن کا محرک یہ ہوتا ہے کہ یہ بھی لینا ہے اور وہ بھی لینا ہے۔

اس کی مثال بچہ کی سی ہوتی ہے۔ جس کی ترقی محبت کے ماتحت ہوتی ہے اس کی بڑی بڑی امنگیں ہوتی ہیں۔ وہ کبھی کہتا ہے میں بہت بڑا تاجر بنوں گا، کبھی کہتا ہے کہتا ہے بادشاہ بنوں گا لیکن۔ اگر کسی بوڑھے سے پوچھو کہ تمہاری کیا خواہش ہے تو وہ کہے گا بس یہی کہ انجام بخیر ہو جائے۔ بچہ یہ کوشش کرتا ہے کہ یہ بھی لے لوں مگر بوڑھا یہ کوشش کرتا ہے کہ اس بلا سے بچ جاؤں اور اس بلا سے بھی بچ جاؤں۔ بوڑھا آخرت کی فکر میں ہوتا ہے مگر بچہ نئی دنیا پیدا کر رہا ہوتا ہے۔ بڈھے کا محرک گرنے والا ہوتا ہے مگر بچے کا بڑھنے والا۔ میں ان بڈھوں کا ذکر نہیں کرتا جو مرنے کے وقت تک بھی جوان ہی ہوتے ہیں۔

حضرت انسؓ ایک سو دس برس کی عمر میں جب فوت ہونے لگے اور ان کے دوست ان کے پاس آئے اور پوچھا کوئی خواہش ہے تو انہوں نے کہا شادی کرادو۔ پس مومن کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ کیونکہ جسم کے بڑھاپے کی وجہ سے بڑھاپا نہیں آتا بلکہ روح کے بڑھاپے سے آتا ہے۔ بچہ جب باتیں کرنے لگتا ہے تو اس زمانہ میں کہتا ہے چاند لینا ہے، تارا لینا ہے۔

میرے متعلق ہی آتا ہے کہ رات کو میں رو رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے اٹھالیا اور چپ کرنے کے لئے کہا دیکھو وہ تارا ہے۔ اس وقت میں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تارا لینا ہے۔ تو بچہ کی

نظر اس طرف جاتی ہے کہ وہ لینا ہے۔ یہی روح ہمارے اندر ہونی چاہئے۔ پس ہم کام اس لئے نہ کریں کہ دشمن ہمیں مار دے گا کیونکہ یہ مومن کی شان نہیں بلکہ مومن کی شان یہ ہے کہ کام اس لئے کرتا ہے کہ یہ بھی لینا ہے اور وہ بھی لینا ہے۔

دیکھو! قرآن کریم میں کیسے لطیف پیرایہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۔ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ طین پانی ملی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ دو محرک کام پر لگانے والے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ دو چیزیں رکھیں۔ پھر کیا کیا ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ نطفہ بنا دیا۔ یعنی پانی رہ گیا اور مٹی غائب ہوگئی۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا۔ یعنی ہر چیز جذبات اور امنگ والی ہوتی ہے اس میں بڑھنے کی طاقت ہوتی ہے۔ پانی حیات نامیہ ہے۔ آخر جب پانی کم ہو جاتا ہے تو ہر چیز مٹی بن جاتی ہے گویا ابتداء ماء سے ہوتی ہے اور انجام تراب پر ہوتا ہے۔

یہی مومن اور غیر مومن کی حالت ہوتی ہے۔ مومن اس لئے کام کرتا ہے کہ دنیا بسا جاؤں لیکن غیر مومن اس لئے کرتا ہے کہ فلاں خطرہ سے بچ جاؤں، فلاں مصیبت سے بچ جاؤں۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 643-644)

نصیحت ضرور اثر کرتی ہے

کسی شخص کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بڑا جابر تھا۔ دوسرے لوگ اسے بہت نصائح کرتے مگر اس کے دل پر کسی کی بات کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ وہ اپنی دولت کے گھمنڈ میں اور حکومت کے نشہ میں جو چاہتا کرتا، نہ غرباء کا خیال کرتا نہ ہمسائیوں کے آرام کی اسے کوئی پرواہ ہوتی، دین کے معاملہ میں ہنسی اور تمسخر کرنا اس کا معمول تھا، آخر سب لوگوں نے تنگ آکر اسے کچھ کہنا چھوڑ دیا۔

ایک دفعہ ایک بزرگ نے جو اسے نصیحت کرتے رہتے تھے مگر وہ نہ مانتا تھا اسے خانہ کعبہ میں دیکھا اور حیران رہ گئے۔ پوچھا تم کہاں؟ کہنے لگا آپ کو معلوم ہے بہت لوگوں نے مجھے نصیحتیں کیں مگر مجھے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا۔ ایک دن میں بازار میں سے گزر رہا تھا کہ

کوئی اجنبی قرآن کریم پڑھ رہا تھا۔ جب اس نے یہ آیت پڑھی کہ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ یعنی کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو ایماندار کہتے ہیں ان کے دلوں میں خشیت اور ڈر پیدا ہو؟ تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھ پر بجلی گر پڑی ہے۔ میں نے اسی وقت توبہ کی۔ جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے ان مظالم کا کفارہ ادا کیا جو دوسروں پر کر چکا تھا اور پھر حج کے لئے چلا آیا۔

تو ایسے اوقات آتے ہیں جب قلوب کی اصلاح ہو جاتی ہے مگر ان وقتوں کو لانے کی کوشش بھی تو کرنی چاہئے۔ اس کے لئے اپنے ارادوں میں تغیر کرنا ضروری ہوتا ہے، اپنی نیتوں کو بدلنا ضروری ہوتا ہے، اپنے اندر عجز وانکسار پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بے شک اس شخص کے کان میں اس وقت آواز پڑی جب وہ بازار میں سے گزر رہا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو بازار میں پہنچایا تو تھا۔ اسی طرح ہماری کامیابی بھی خدا تعالیٰ کے فضل پر ہی منحصر ہے مگر اس فضل کو جذب کرنے میں ہماری کوشش کا بھی دخل ہے۔

جیسا کہ ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک شخص پرندوں کو دانہ ڈالا کرتا تھا کسی نے کہا اس کو اس کا کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے یہ تو کافر ہے۔ آخر جب وہ ایمان لے آیا اور اس سے پوچھا گیا کہ تم کس طرح ایمان لائے؟ تو اس نے کہا وہی پرندوں کو دانے ڈالنا میرے کام آ گیا۔

اسی طرح لکھا ہے ایک صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ! کفر کی حالت میں میں نے جو نیک اعمال کئے ان کا بھی مجھے کچھ فائدہ ہو گا؟ فرمایا۔ اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ۔ اس وقت تم نے جو نیک اعمال کئے انہی کا نتیجہ ہے کہ تم اسلام لائے، انہی کی وجہ سے تمہیں ایمان لانے کی توفیق حاصل ہوئی۔

پس اس شخص کے لئے نصیحت حاصل کرنے کی گھڑی بازار میں آئی مگر اس کے پیچھے اس کا کوئی عمل ضرور تھا۔ اسی طرح تمہارے لئے بھی کامیابی کی گھڑی آسکتی ہے مگر اس کے لئے بھی تیاری کی ضرورت ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 7-8)

جائیداد میں عورت کا حصہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد اپنے خاندان کے لحاظ سے ہم نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بہنوں کو حصہ دیا اور والدہ صاحبہ کا حصہ نکالا۔ اس وقت ایک سرکاری افسر آیا جس نے آکر کہا کہ آپ قانون کے رو سے ایسا نہیں کر سکتے۔ میں نے اسے کہا اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو ہم ایسی جائیداد اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار نہیں اور اسے لعنت سمجھتے ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 10)

صحابہ رسولؐ کا شاندار نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال سے کہ مدینہ والوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو لڑیں گے باہر جا کر نہیں لڑیں گے، صحابہ سے مشورہ پوچھا مہاجرین یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لڑائی کے لئے تیار ہیں لیکن آپ ﷺ اپنا سوال دہراتے چلے گئے تا انصار بھی بولیں۔

تب انصار میں سے ایک صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے بار بار دریافت فرمایا اور صحابہ نے جواب دیا مگر پھر بھی آپ ﷺ سوال کو دہراتے چلے جا رہے ہیں اس سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ شاید آپ ﷺ انصار سے دریافت فرما رہے ہیں۔ غالباً آپ ﷺ کے مد نظر وہ معاہدہ ہے جو ہم نے آپ ﷺ کے تشریف لانے پر کیا تھا کہ مدینہ پر حملہ ہو گا تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے لیکن مدینہ سے باہر جا کر لڑنا ہمارے لئے ضروری نہ ہو گا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اس پر اس صحابی نے کہا یا رسول اللہ! وہ اس وقت کی بات ہے جب ہم نے آپ ﷺ کو اچھی طرح نہ پہچانا تھا لیکن اب تو ہم آپ ﷺ کو خوب پہچان چکے ہیں اس لئے ہم کہتے ہیں یا رسول اللہ! یہ سامنے سمندر ہے اگر آپ ﷺ حکم فرمائیں کہ اس میں گھوڑے ڈال دو تو ہم ایک لمحہ کا توقف بھی نہیں کریں گے اور اگر دشمن آپ ﷺ پر حملہ کرے تو وہ آپ ﷺ تک نہیں پہنچ سکے گا جب تک ہماری لاشوں پر سے گزر کر نہ آئے گا۔ ہم آپ ﷺ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی اور جب تک جان میں جان رہے گی دشمن کو آپ ﷺ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

یہ تو ان کا قول تھا مگر عمل سے بھی انہوں نے اس کو درست ثابت کر دیا۔ دنیا میں بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں جو منہ سے تو بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں مگر عمل سے انہیں پورا نہیں کرتے۔ انصار نے (اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی رحمتیں اور برکتیں ان پر ہوں) جو کہا اسے اپنے عمل سے پورا بھی کر دیا۔ ہمیشہ میرا قلب اس صحابی کا ذکر آنے پر اس کے لئے دعائیں کرنے میں لگ جاتا ہے۔ جس نے احد کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخلاص کا ایسا قابل رشک نمونہ پیش کیا کہ رہتی دنیا تک اس کی مثال قائم رہے گی۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ احد کی جنگ میں جب کفار میدان سے چلے گئے اور مسلمان اپنے زخمیوں اور شہیدوں کی تلاش میں نکلے تو ایک انصاری نے دیکھا کہ ایک دوسرے انصاری بہت بری طرح زخمی ہو کر میدان جنگ میں پڑے ہیں اور چند منٹ کے مہمان معلوم ہوتے ہیں۔ وہ صحابی ان کے پاس گئے اور کہا اپنے گھر والوں کو کوئی پیغام دینا چاہو تو دے دو، میں پہنچادوں گا۔ اس وقت اس صحابی نے جو جواب دیا وہ نہایت ہی شاندار تھا۔ اس حالت میں کہ وہ موت کے قریب تھے اور اپنی موت کے بعد اپنی بیوی بچوں کی حالت کا نظارہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا انہوں نے جو ایمان کا نمونہ دکھایا وہ بتاتا ہے کہ انصار نے جو کہا سچے دل سے کہا تھا اور اسے پورا کر کے دکھا دیا۔ انہوں نے کہا میں پہلے ہی اس بات کی انتظار میں تھا کہ کوئی دوست ملے تو اس کے ذریعہ اپنے رشتہ داروں کو پیغام بھیجوں، اچھا ہوا تم آ گئے۔ پھر کہا وہ پیغام یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے رشتہ داروں اور میرے دوستوں سے کہہ دینا کہ جب تک ہم زندہ تھے ہم نے اپنی جانیں قربان کر کے رسول کریم ﷺ کی حفاظت کی مگر اب ہم اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں اور یہ قیمتی امانت تمہارے سپرد کرتے ہیں امید ہے کہ آپ ہم سے بھی بڑھ کر اس کی حفاظت کریں گے۔ یہ کہا اور جان اپنے پیدا کرنے والے کے سپرد کر دی۔ یہ ایسا شاندار ایمان کا مظاہرہ ہے کہ جس کی مثال صحابہ رسول کریم ﷺ کے سوا کسی اور جگہ بہت کم مل سکتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 11 تا 13)

وعدہ فراموش

ہم ملامت کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو، ہم ان کے اس فعل پر اظہار نفرت کرتے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ **فَاذْہَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ہٰھُنَا قٰعِدُوْنَ** کہ جاؤ! موسیٰ تم اور تمہارا خدا ان سے لڑو ہم تو یہ بیٹھے ہیں۔

مگر ذرا غور تو کرو کیا ہم میں سے کئی ایسے نہیں جن کی حالت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان ساتھیوں سے بھی بدتر ہے؟ وہ کہتے تو یہ ہیں کہ ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں لیکن عین موقع پر کھسک جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے جو یہ کہا کہ **فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ** تو انہوں نے اس طرح بتادیا کہ ہم لڑنے کے لئے تیار نہیں تمہیں جو انتظام کرنا ہو خود کرلو۔ گویا انہوں نے وقت پر آگاہ اور ہوشیار کردیا مگر ہم میں سے کئی ایسے ہیں جو آگاہ کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔

ان کی مثال اس امیر کی سی ہے جس نے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ تم کو اپنے لئے کسی جائیداد کی ضرورت نہیں میرے کھجوروں کے اتنے باغ کھڑے ہیں، ایک درخت کی کھجوریں تم لے جانا۔ اس کے بھائی نے کہا وقت پر میں آپ کو یہ بات کہاں یاد دلاتا رہوں گا، ایک درخت میرے لئے مقرر کردو میں اس کی حفاظت بھی کروں گا اور وقت پر کھجوریں لے جاوں گا۔ امیر نے کہا کہ یہ تو بڑے شرم کی بات ہے کہ میرے اتنے نوکر ہوں اور تم اپنے درخت کی حفاظت کرو اسی طرح رہنے دو اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آخر جب وقت آیا تو غریب بھائی نے کہا کہ اپنے مالیوں سے کہہ دیں کہ مجھے ایک درخت بتادیں تاکہ میں اس کی کھجوریں تُڑوالوں۔ تو پھر امیر نے کہا کہ کیا میرے نوکر تمہارا یہ کام نہیں کرسکتے؟ پھر جب کھجوریں گھر میں لے جانے کا وقت آیا تو غریب بھائی نے کہا اب مجھے کھجوریں دے دی جائیں تاکہ میں گھر لے جاسکوں۔ امیر بھائی نے کہا یہ بھی میرے لئے مناسب نہیں۔ جہاں اتنی کھجوریں جائیں گی وہاں یہ بھی چلی جائیں گی میرے نوکر تمہارے گھر پہنچادیں گے۔ آخر جب سب کھجوریں اس کے گھر پہنچ گئیں اور بھائی خالی کا خالی رہ گیا اور اس نے شکایت کی تو اس نے جواب دیا کہ اب کے تو نوکروں سے غلطی ہوگئی ہے تم کو اگلے سال کھجوریں دیں گے۔

یہ بظاہر ہنسی کی بات ہے مگر دنیا میں ہو رہی ہے اور ہم میں بھی ہو رہی ہے۔ ہر موقع پر ہماری جماعت کے بعض لوگ اقرار کرتے ہیں کہ جس قربانی کی بھی ضرورت ہو گی وہ ہم کریں گے لیکن جب کسی قربانی کے پیش کرنے کا وقت آتا ہے تو ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق میں کہتا ہوں کاش! وہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں والا یہ جواب ہی دے دیتے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ تا ہمیں اپنے دنیوی سامانوں کا صحیح اندازہ لگانے کا موقع تو مل جاتا، اور ہم ان لوگوں کی وجہ سے جو قربانی کرنے کا دعوی تو کرتے ہیں مگر قربانی کرتے نہیں، دھوکہ میں نہ رہتے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 14-13)

نجات کے لئے ہر حکم پر عمل کرنا ضروری ہے

ہم میں سے بھی کئی ہیں جو کہتے ہیں ہم اگر اسلام کے کسی حکم پر عمل نہیں کرتے یا کسی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو کیا ہوا، ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو مانتے ہیں۔ اگر کوئی اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے اور اس سے اسلامی احکام کے مطابق سلوک نہیں کرتا تو وہ یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو مانتا ہوں۔ اگر کوئی اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیتا تو کہہ دیتا ہے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو مانتا ہوں۔ اگر کوئی اپنے بچوں کو تعلیم اسلامی طرز کے مطابق نہیں دلاتا تو کہہ دیتا ہے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو مانتا ہوں، اگر کوئی داڑھی منڈاتا ہے تو کہہ دیتا ہے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو مانتا ہوں۔ مگر ماننا کیا ہے خاک۔ جب وہ تفصیلی احکام نہیں مانتا۔

اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے گودنے والے سے کہا تھا کہ میری کلائی پر شیر گود دو۔ جب اس نے سوئی ماری اور اسے درد ہوا تو کہنے لگا کیا کر رہے ہو؟ گودنے والے نے کہا شیر کا دایاں کان گودنے لگا ہوں۔ اس نے کہا اگر دایاں کان چھوڑ دیا جائے تو پھر شیر رہتا ہے یا نہیں؟ گودنے والے نے کہا رہتا ہے۔ وہ کہنے لگا اچھا اسے جانے دو اور آگے چلو۔ پھر اس نے سوئی ماری تو کہنے لگا اب کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا شیر کا بایاں کان گودتا ہوں۔ کہنے لگا اگر بایاں کان نہ ہو تو کیا شیر رہتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں رہتا ہے۔ کہنے لگا پھر آگے چلو۔ اسی طرح اس نے ہر عضو کے متعلق کہنا شروع کیا، آخر گودنے والے نے سوئی رکھ دی اور کہہ دیا کہ اس طرح شیر کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

تو بے شک انسان کمزور ہے، اس سے قصور ہو جاتا ہے مگر ایک قصور ہو گیا، دو ہو گئے یہ کیا کہ ہر حکم کو چھوڑ دے۔ پھر اس میں اسلام کا کیا باقی رہ سکتا ہے۔ صرف یہ مان لینا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت قدسیہ سے نبی ہو سکتا ہے اور یہ سمجھ لینا کہ اس طرح اسلام دنیا میں غالب آجائے گا ایسا ہی ہے جیسا کہ ڈاکٹر اقبال کا یہ کہنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین مان لینے کے بعد پھر خواہ کچھ کرو کوئی حرج نہیں اور اسلام غالب آجائے گا۔ پس ہمارا فرض اسلام کو اس کی جزئیات سمیت قائم کرنا ہے اور اپنی اصلاح کے لئے ہر حکم پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 21-20)

مبلغ کا کام مباحثات کرنا نہیں

مبلغ کا کام مباحثات کرنا نہیں بلکہ دین اور تقویٰ قائم کرنا ہے۔ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سادگی کو دیکھا ہے۔ میں بچہ تھا مگر مجھے یاد ہے ہم آپ کا چہرہ دیکھ کر سمجھتے کہ معلوم نہیں آپ سوال کا جواب دے سکیں گے یا نہیں مگر جب جواب دیتے تو سائل کو مطمئن کر کے خاموش کر دیتے۔

پس ہمیں وہ تیز طرار مبلغ نہیں چاہئیں جو خم ٹھونک کر میدان مباحثہ میں نکل آئیں اور کہیں آؤ! ہم سے مقابلہ کر لو۔ ایسے مبلغ آریوں اور عیسائیوں کو ہی مبارک ہوں ہمیں تو وہ چاہئیں جن کی نیچی نظریں ہوں جو شرم و حیا کے پتلے ہوں، جو اپنے دل میں خوف خدا رکھتے ہوں، لوگ جنہیں دیکھ کر کہیں کہ یہ کیا جواب دے سکیں گے۔ ہمیں ان فلسفیوں کی ضرورت نہیں جو مباحثوں میں جیت جائیں بلکہ ان خادمان دین کی ضرورت ہے جو سجدوں میں جیت کر آئیں۔ اگر وہ مباحثوں میں ہار جائیں تو سو دفعہ ہار جائیں۔ ہمیں اس کی کیا ضرورت ہے کہ زبانیں چٹخارہ لیں مگر ہمارے حصہ میں کچھ نہ آئے۔ سر جنبش کریں اور ہم محروم رہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 26)

دین کی خدمت تنخواہ کی خاطر نہ کریں

مبلغوں کو اس حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ گزارہ لینے میں عیب نہیں مگر گزارہ کے لئے کام کرنا عیب ہے۔ مبلغ وہ ہے کہ اسے کچھ ملے یا نہ ملے اس کا فرض ہے کہ تبلیغ کا کام کرے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو ایک دن وہ کپڑے کی گٹھڑی لے کر بیچنے کے لئے چل پڑے اس پر صحابہؓ نے کہا اگر آپ نے یہ کام جاری رکھا تو خلافت کے فرائض کس طرح ادا ہوں گے؟ اس پر انہوں نے کہا میں پھر گزارہ کیونکر کروں؟ صحابہؓ نے کہا ہم آپ کے لئے وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔ یہ گزارہ ایسا نہ تھا کہ اگر نہ ملتا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دین کی خدمات سرانجام نہ دیتے وہ پھر بھی اسی طرح کام کرتے۔ پس ایسے مبلغ رکھنے چاہئیں جن میں نیکی ہو، تقویٰ ہو، جو دین کی خدمت تنخواہ کی خاطر نہ کریں بلکہ تنخواہ اس لئے لیں کہ دین کی خدمت کر سکیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 27)

اولاد سے ایسی محبت کرو

میں نے ایک عورت دیکھی جس نے ایسا اخلاص دکھایا جو کسی تعلیم یافتہ عورت سے کم نہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک عورت روتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور آکر کہا میرا لڑکا عیسائی ہو گیا ہے۔ وہ لڑکا مسلول تھا مگر وہ عورت بار بار کہتی میں یہ نہیں چاہتی کہ یہ لڑکا بچ جائے بلکہ میں یہ چاہتی ہوں کہ ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے، پھر خواہ مر جائے۔ میری اس وقت دس بارہ سال کی عمر ہو گی مگر ابھی تک مجھے اس کی شکل یاد ہے۔ وہ لڑکا بھی کوئی ایسا ضدی تھا کہ بیماری کی حالت میں رات کو اٹھ کر چوری بھاگ گیا۔ جب اس کی ماں کو معلوم ہوا تو وہ اکیلی اس کے پیچھے بھاگی ہوئی گئی اور بٹالہ کے قریب سے پکڑ کر لے آئی۔ آخر اس کی جدوجہد اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا نے اثر دکھایا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر دوسرے تیسرے دن مر گیا۔

وہ عورت ان پڑھ تھی مگر ایسی ہزار پڑھی ہوئی عورتیں اس پر سے قربان کی جا سکتی ہیں جو اپنے مذہب اور اپنی اولاد سے اس قسم کی پاک محبت نہیں رکھتیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 34)

ہر کام کرنے کی عادت ڈالو

جس کام کی عادت نہ ہو اس کا کرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے بچپن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بوجہ شدید مخالفت کے ہمیں باہر جانے کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے اس لئے خرید و فروخت کے معاملہ سے ہم بالکل نابلد تھے۔

ایک دفعہ ایک عورت نے جو ہمارے گھر میں مہمان آئی ہوئی تھی دو پیسے اور گلاس دیا کہ دکان سے جا کر دودھ لا دو۔ مجھے یاد ہے کہ یہ سن کر میرے کان اور آنکھیں انگارے کی طرح گرم ہو گئیں۔ میں اپنی اس کمزوری کی وجہ سے کہ اگر کوئی مجھے کام کہے تو مجھ میں اس سے انکار کرنے کی ہمت کم ہے، گلاس اور پیسے لے کر باہر تو چلا گیا مگر میرا سارا جسم کانپ رہا تھا کیونکہ مجھے اس قسم کے کام کی عادت نہ تھی۔

غرض عادت کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان عادتوں کو توڑ کر اپنے آپ کو اس مقام پر لے جائیں جہاں کوئی بھی کام کرنے میں مشکل نہ پیش آئے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 36-37)

سنانے کی سچی لگن ہو تو زمین آسمان سنیں گے

حافظ روشن علی صاحب مرحوم کا ایک لطیفہ مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔ وہ ایک دفعہ مدراس گئے جہاں ایک مقام پر رات کو جلسہ کیا گیا تاکہ لوگ سننے کے لئے آسکیں کیونکہ ان دنوں وہ لوگ دن کو دھان کی نلائی کا کام کرنے میں مصروف رہتے تھے، رات کو کچھ لوگ آ گئے اور حافظ صاحب نے تقریر شروع کی مگر دوران تقریر میں سب سو گئے اور حافظ صاحب برابر تقریر کرتے رہے آخر ساری تقریر کر کے انہوں نے کہا اے زمین و آسمان! تو گواہ رہ کہ میں نے خدا کا پیغام یہاں پہنچا دیا اور یہ کہہ کر لوگوں سے کہا اب اٹھ بیٹھو تقریر ختم ہو گئی ہے۔

پس اگر کوئی انسان نہ سنے تو ہوا کو سنا دو اور زمین و آسمان کو گواہ بنا لو۔ جب تم میں سنانے کی ایسی لگن پیدا ہو جائے گی تو زمین و آسمان میں درد پیدا ہو گا اور وہ لوگوں کے سینے میں جاگزیں ہو جائے گا اور وہ حق کی طرف دوڑے آئیں گے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 41-42)

نکاح پر نکاح

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مولوی نے نکاح پر نکاح پڑھا دیا۔ میں نے اسے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ تو وہ کہنے لگا سخت مجبوری کی حالت میں ایسا کیا گیا ہے۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے میں نے سمجھا دیہاتی لوگوں نے اسے مارا پیٹا ہو گا اور اس طرح مجبور کیا ہو گا اس لئے میں نے ہمدردی سے پوچھا کیا مجبوری پیش آگئی تھی؟ کہنے لگا چڑی کے برابر روپیہ نکال کر انہوں نے میرے سامنے رکھ دیا تو پھر میں کیا کرتا؟ میں نکاح پڑھانے پر مجبور ہو گیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 50-51)

صدقہ عذاب سے بچاتا ہے

ایک بزرگ کے متعلق حضرت خلیفہ اوّلؓ سناتے کہ وہ امراء کے گھروں میں جاتے اور ان سے مانگ کر کچھ نہ کچھ رقم لے آتے، پھر وہ لوگوں کو دے دیتے۔ کسی نے کہا آپ اس طرح بلا ضرورت کیوں مانگتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ امیر لوگ صدقہ نہیں دیتے۔ میں ان سے مانگ کر لاتا ہوں اور دوسروں کو دے دیتا ہوں تا کہ وہ دعا دیں اور اس صدقہ کا ثواب ان امراء کو پہنچے اور وہ عذاب سے بچ جائیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 84-85)

(الفضل آن لائن 22/ اکتوبر 2022ء)

(قسط 5)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

دل کی ایک حسرت

میں نہیں جانتا کہ دوسرے دوستوں کا کیا حال ہے لیکن میں تو جب ریل گاڑی میں بیٹھتا ہوں میرے دل میں حسرت ہوتی ہے کہ کاش! یہ ریل گاڑی احمدیوں کی بنائی ہوئی ہو، اور اس کی کمپنی کے وہ مالک ہوں اور جب میں جہاز میں بیٹھتا ہوں تو کہتا ہوں کاش! یہ جہاز احمدیوں کے بنائے ہوئے ہوں اور وہ اِن کمپنیوں کے مالک ہوں۔ میں پچھلے دنوں کراچی گیا تو اپنے دوستوں سے کہا کاش! کوئی دوست جہاز نہیں تو کشتی بنا کر ہی سمندر میں چلانے لگے اور میری یہ حسرت پوری کر دے اور میں اُس میں بیٹھ کر کہہ سکوں کہ آزاد سمندر میں یہ احمدیوں کی کشتی پھر رہی ہے۔ دوستوں سے میں نے یہ بھی کہا کاش! کوئی دس گز کا ہی جزیرہ ہو جس میں احمدی ہی احمدی ہوں اور ہم کہہ سکیں کہ یہ احمدیوں کا مُلک ہے کہ بڑے کاموں کی ابتداء چھوٹی ہی چیزوں سے ہوتی ہے۔

یہ ہیں میرے ارادے اور یہ ہیں میری تمنائیں۔ اِن کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کام شروع کریں مگر یہ کام ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ ان جذبات کی لہریں ہر ایک احمدی کے دل میں پیدا نہ ہوں اور اِس کے لئے جس قربانی کی ضرورت ہے وہ نہ کی جائے۔ دنیا چونکہ صنعت و حرفت میں بہت ترقی

کر چکی ہے، اِس لئے احمدی جو اشیاء اب بنائیں گے وہ شروع میں مہنگی پڑیں گی مگر باوجود اِس کے جماعت کا فرض ہے کہ اِنہیں خریدے۔

ایک دفعہ دیال باغ آگرہ والے لاہور اپنی اشیاء کی نمائش کرنے کے لئے آئے تو اُنہوں نے مجھے بھی دعوت دی۔ گورنر پنجاب کو اُنہوں نے ٹی پارٹی دینے کا انتظام کیا ہوا تھا اور اِس موقع پر چیزیں بھی فروخت کرتے تھے۔ اُس وقت ان کی چیزیں نسبتاً مہنگی تھیں مگر وہ کہتے تھے بے شک ہماری اشیاء مہنگی ہیں مگر اِن کے خریدنے سے غرباء کی مدد بھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ لوگ اُن کا مال شوق سے خریدتے تھے اور خود میں نے بھی ایک اٹیچی کیس ان سے خریدا تھا۔

اگر دوسری قومیں اپنی جماعت کو بڑھانے کے لئے یہ قربانی کر سکتی ہیں تو کیوں احمدی ایسا نہیں کر سکتے۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 2 صفحہ 79)

صابر کے ساتھ خدا ہوتا ہے

صابر کے معنی ہیں ایک بات پر قائم ہو جانے والا یعنی جو نیکیاں بھی اختیار کرے وہ اُس کی جزوِ بدن بن جائیں، اُس سے الگ نہ ہو سکیں۔ صابر بننے کے بعد ہر وقت خدا تعالیٰ اس کے ساتھ رہتا ہے۔ جس طرح یہ مجاہدہ میں مستقل رہ کر صابر بنتا ہے خدا تعالیٰ بھی اُسے مستقل جلوہ دکھاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا عجیب نقشہ کھینچا ہے۔ ایک کاپی پر آپ کا لکھا ہوا ایک نوٹ تھا جس میں لکھا تھا۔ دنیا مجھ سے چاہتی ہے کہ میں خدا تعالیٰ کو چھوڑ دوں اور سب لوگ کوشش کرتے ہیں کہ میں اُس سے الگ ہو جاؤں مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ جب سارے کے سارے لوگ مجھے چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں اور سب دنیا سو رہی ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ میرے پاس آتا ہے اور مجھے اپنا جلوہ دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ پس وہ خدا جو مصائب کے اندھیروں اور مصیبتوں کی تاریکیوں میں میرا ساتھ نہیں چھوڑتا اُسے میں کس طرح چھوڑ دوں۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 2 صفحہ 88-89)

آؤ! خدا کے حضور گر جائیں

گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں ایک موقع پر انگریزی کیبنٹ مشورہ کر رہی تھی کہ فلاں محاذ پر گولہ بارود کی جو کمی ہے اس کے متعلق کیا کیا جائے۔ اِس لئے وزراء مشورہ کر رہے تھے کہ لارڈ ڈینگ کمانڈر اِنچیف افواج کا تار وزیر اعظم کو ملا کہ اب آخری وقت آن پہنچا ہے، جرمنی نے پورے زور سے آخری حملہ کر دیا ہے اور آپ کی امداد کا وقت نہیں رہا، اب آخری اور فیصلہ کن جنگ ہو رہی ہے۔ مسٹر لائڈ جارج نے جو اُس وقت وزیر اعظم تھے جب یہ تار پڑھا تو دوسرے وزراء سے مخاطب ہو کر کہا کہ دوستو! تدبیروں کا وقت جا تا رہا، اِس وقت ہماری فوج دیوار سے پیٹھ لگائے (یہ انگریزی محاورہ ہے آخری جِدوجُہد کے متعلق) مقابلہ کر رہی ہے اب سوائے خدا کے ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا، آؤ! اس سے التجاء کریں اور یہ کہہ کر وہ گھٹنوں کے بل گر کر دعا میں مشغول ہو گئے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو دہریہ کہلاتے ہیں اور جن کا خدا تعالیٰ پر نہایت ہی قلیل ایمان ہے۔ ہمارے لئے اِس سے زیادہ خطرناک وقت اور کون سا آسکتا ہے۔ ایمان سے زیادہ قیمتی چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ دشمن اس پر حملہ آور ہو رہا ہے اور تمام طاقتیں مل کر حملہ کر رہی ہیں۔ حُکام میں سے بھی بعض اِن سے مل گئے ہیں اور رعایا میں سے بھی، عیسائی بھی، سکھ بھی، ہندو بھی، امراء بھی اور غرباء بھی، بڑے بھی اور چھوٹے بھی، پیشہ ور بھی اور علم والے بھی، کالجوں کے طالب علم بھی اور مدرسوں کے لڑکے بھی۔ غرض سب نے مل کر اِس چھوٹی سی جماعت پر حملہ کر دیا ہے۔ اب خدا کے نام پر آؤ! ہم بھی خدا تعالیٰ کے حضور گر جائیں اور کہیں الٰہی! جو کچھ ہم کر سکتے تھے وہ ہم نے کیا مگر ہمارے ہاتھ ٹوٹ چکے ہیں اور ہماری طاقتیں شل ہو گئی ہیں۔ اے خدا! تو ہی ہماری مدد کر۔ ہم جو کچھ کر سکتے ہیں اُس کے لئے تو ہی توفیق دے اور ہماری مدد فرما کیونکہ تیرے سِوا اور کوئی طاقت نہیں جو ہمیں مدد دے سکے۔ پس تو آسمان سے فرشتے ہماری مدد کے لئے بھیج۔ ہم بے کس اور بے قویٰ ہیں لیکن ہماری ذمہ داری بہت بڑی ہے، ہم کمزور اور ناطاقت ہیں لیکن کام بہت مشکل ہے تو ہی ہماری مدد کر کہ تیرے سوا کوئی مدد کرنے والا نہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 95)

موقع شناس

ملکہ سبا جو ایک عورت تھی، میں اُس کی عقل کو جب دیکھتا ہوں اور اُس کے مقابلہ میں آپ لوگوں میں سے بعض کی عقل کو دیکھتا ہوں تو حیرت آجاتی ہے کہ کیونکر اس عورت کی عقل وہاں تک پہنچ گئی تھی جہاں آپ لوگوں میں سے بعض کی عقل ابھی تک نہیں پہنچی۔

جب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خط اُسے ملا تو اُس نے اپنی سلطنت کے اکابر سے مشورہ لیا۔ اُن سب نے کہا کہ ہم ملک کی خدمت کے لئے تیار اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہیں، آپ جو حکم دینا چاہتی ہیں دیں۔ تو اُس نے جواب دیا کہ ہماری موت سے ملک کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ دیکھنا صرف یہ نہیں کہ لوگ جنگ کے لئے آمادہ ہیں یا نہیں، بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ ہماری موت ہمیں کوئی نفع پہنچائے گی یا نہیں؟ اگر ہم زندہ رہیں اور سلیمان کی بادشاہت قبول کر لیں تو یہ زیادہ مفید ہو گا یا یہ زیادہ مفید ہو گا کہ ہم لڑیں اور مر جائیں اور سلیمان ہمارے ملک پر قابض ہو جائے؟ غرض حکومت کا کُلّی تغیّر ہم پر زیادہ اثر انداز ہو سکتا ہے یا اُس کا جُزوی تغیّر؟ ایک تغیّر تو یہ ہے کہ سلیمان کو اس ملک کی عظمت اور بڑائی حاصل ہو جائے، بادشاہت ہمارے پاس ہی رہے ہم صرف اس کے باجگذار ہو جائیں اور ایک تغیر یہ ہے کہ ہم مارے جائیں اور ملک بھی سلیمان کے قبضہ میں چلا جائے۔

اِن تمام امور پر غور کر کے وہ جو کچھ کہتی ہے وہ یہ ہے کہ اِنَّ الْمَلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَھْلِھَآ اَذِلَّةً کہ جب کسی ملک میں کوئی نئی بادشاہت آیا کرتی ہے تو جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَھْلِھَآ اَذِلَّةً وہ اس ملک کے معززین کو ذلیل کر دیا کرتی ہے۔

(خطبات شوریٰ جلد 2 صفحہ 132-133)

اللہ تعالیٰ کے انبیاء دنیا کا نقشہ بدل دیتے ہیں

جبلۃ بن الایہم غسّانی شام کا مشہور رئیس بلکہ اپنے علاقہ کا بادشاہ تھا جو اپنی قوم کے ساٹھ ہزار عیسائیوں کو لے کر مسلمان ہو گیا۔ ایک دفعہ اُس کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ حج کر آؤں۔ دراصل اُسے اسلام سے کوئی واقفیت نہ تھی وہ صرف شوکتِ اسلام کو دیکھ کر ایمان لے آیا تھا ایمان کی حقیقت سے

واقف نہیں تھا۔ حج کے لئے مکہ پہنچا تو اُس نے ایک بڑا سا لمبا جُبّہ پہنا ہوا تھا جس طرح آجکل عزت کا معیار یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوٹ چھوٹا ہو اور جتنا زیادہ کوئی شخص اپنے آپ کو معزز سمجھتا ہے اُتنا ہی وہ کوٹ چھوٹا کر لیتا ہے۔ اِسی طرح اُس زمانہ میں عزت کا معیار یہ سمجھا جاتا تھا کہ کوٹ لمبا ہو اور جتنا زیادہ کوئی شخص اپنے آپ کو معزز سمجھتا تھا اُتنا ہی زیادہ وہ کوٹ لمبا بنا لیتا تھا اِسی کے مطابق وہ بھی ایک لمبا سا جُبّہ پہن کر آیا۔ ایک جگہ وہ جُبّہ پھیلا کر یوں بیٹھا ہوا تھا جیسے مرغی اپنے پَر پھیلا کر بیٹھتی ہے کہ اتفاقاً ایک غریب مسلمان پاس سے گزرا اور اُس کا پیر اُس کے جُبّہ پر پڑ گیا۔ جبلہ نے دیکھا تو زور سے اُسے ایک مکا مارا اور کہا شرم نہیں آتی تیرے جیسا رذیل آدمی میرے جُبّہ پر اپنا پاؤں رکھتا ہے۔ خیر وہ مسلمان تو چلا گیا لیکن کسی اَور نے اُسے کہا کہ تُو نے یہ سخت بُری حرکت کی ہے۔ اگر عمر (رضی اللہ عنہ) کو پتہ لگ گیا تو وہ تجھے سزا دیئے بغیر نہیں رہیں گے۔ وہ کہنے لگا کیا جبلہ کو بھی سزا دی جاسکتی ہے؟ اس مسلمان نے جواب دیا کہ اسلام نے جو قانون مقرر کیا ہے وہ سب کے لئے ہے امیر اور غریب کا اِس میں کوئی فرق نہیں۔ جبلہ کہنے لگا میں تو بادشاہ ہوں کیا میرے لئے بھی رعایت نہ ہو گی؟ اُس نے کہا اسلام کا قانون سب کے لئے ہے بادشاہ بھی اُس سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ چونکہ یہ گفتگو سُن کر اُس کے دل میں کچھ خَلش سی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد خود ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا کہ پوچھے تو سہی بات کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے کہنے لگا اگر کوئی بڑا آدمی چھوٹے آدمی کو تھپڑ مار دے تو آیا اُس کی بھی کچھ سزا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا جبلہ! کہیں تُو نے تو ایسی حرکت نہیں کی؟ یاد رکھ اگر تو نے کسی غریب مسلمان کو مارا ہے تو اِس کی سزا مَیں تجھے ضرور دوں گا۔ جبلہ کہنے لگا مَیں نے تو صرف ایک بات پوچھی ہے خود تو کسی کو نہیں مارا۔ یہ کہہ کر وہ کوئی بہانہ بنا کر وہاں سے باہر نکلا اور اپنی قوم کو لے کر چلا گیا اور پھر عیسائی لشکر کے ساتھ شامل ہو گیا اور سالہا سال اُن سے مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتا رہا۔

تو اسلام نے تمدنوں کو بدلا، اسلام نے چھوٹی قوموں کو اونچا کیا اور دُنیا کے لئے اُنہیں مفید اور کارآمد بنایا۔ کہاں غسّان کا بادشاہ اور کہاں مکہ یا مدینہ کا ایک غریب عرب۔ اسلام نے اس غریب کو اونچا کر دیا اور دوسرے مُلکوں کے بادشاہوں کو بھی نیچا کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے مامورین جب آتے ہیں تو دُنیا کا نقشہ بدلنے کے لئے آتے ہیں۔ وہ صرف افراد کی ہدایت کے لئے نہیں آتے۔ اگر افراد کی ہدایت ہی اللہ تعالیٰ

کے مد نظر ہوتی تو ایک ایک فرشتہ ہر ایک شخص پر نازل ہوتا اور اُسے خواب کے ذریعہ ہدایت کا راستہ دکھا دیتا لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے مامور بھیجے اور دُنیا کو یہ دعوت دے کر کہ اُس کے ہاتھ پر سب جمع ہو جائیں دُنیا میں ایک شور مچا دیا۔ پس خدا تعالیٰ کے انبیاء اِس لئے نہیں آتے کہ وہ افراد کو ہدایت دیں بلکہ اِس لئے آتے ہیں کہ دُنیا کا نقشہ بدل دیں۔ اس لئے آتے ہیں کہ تنظیم کریں، اِس لئے آتے ہیں کہ ایک روحانی فوج تیار کریں اور اُس کے ذریعہ دُنیا کو فتح کریں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 135-136)

یورپی فلسفہ پر اسلام کی برتری

میں دیکھتا ہوں کہ اگر کسی کے دل میں عملی تغیر کے متعلق جوش بھی پیدا ہوتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیم کے ماتحت نہیں بلکہ یورپین مصنفین کی کتابیں پڑھ کر۔ حالانکہ ان مصنفین کی دونوں تعلیمیں لعنتی ہیں۔ وہ بھی لعنتی ہے جو امراء کی تائید میں ہے اور وہ بھی لعنتی ہے جو غرباء کی تائید میں ہے۔ اُس میں بھی جھوٹ ہے اور اِس میں بھی جھوٹ ہے۔ اُس میں بھی گند ہے اور اِس میں بھی گند ہے۔

اُن کی تہذیب کی مثال بالکل ویسی ہے جیسے کسی نے ایک اونٹ سے پوچھا تھا کہ پہاڑ کی اُترائی اچھی ہے یا چڑھائی؟ تو وہ کہنے لگا ہر دو لعنت۔

ان میں سے بعض بے وقوف بھی یورپ کی سوشلزم کی کتابیں پڑھتے اور اُنہیں پڑھ کر کہتے ہیں غرباء کے متعلق اُن میں جو نظریہ پیش کیا گیا ہے یہ بالکل اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے حالانکہ اسلام کی تعلیم اور اُن کی تعلیم میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ پھر ان میں سے دوسرے بیوقوف جو امراء کے نکتہ نگاہ کے حامی ہوتے ہیں جب کیپٹل ازم (یعنی اِستکثارِ مال) کے متعلق یورپین نظریہ دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک ہے یہ اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے حالانکہ یہ بھی جھوٹ ہوتا ہے۔ غرض یورپ کی دونوں تعلیمیں غلط ہیں اور اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اسلام کی تعلیم بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ اگر یورپ کے فلاسفر اس تعلیم کو اپنی عقلوں سے سمجھ سکتے تو محمد ﷺ کی بعثت اور قرآن مجید کے نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اسلام تو تعلیمات کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کی جزئیات سے بھی یورپین لوگ واقف نہیں۔

مثلاً دیکھ لو یورپ میں طلاق کا مسئلہ رائج ہو گیا لیکن کیا یہ وہی طلاق ہے جس کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی، اگر کوئی شخص غور کرے تو اُسے معلوم ہو گا کہ گو نام کے لحاظ سے یہ طلاق ہے اور اسلام کے پیش کردہ مسئلہ سے اس کا نام ملتا ہے لیکن تفصیلات بالکل اور ہیں اور اب جو یورپ میں طلاق کا رواج ہے اس کی کوئی حد بندی ہی نہیں رہی۔ ایسی ایسی تمسخر آمیز طلاقوں کی وارداتیں ہوتی ہیں کہ سُن کر حیرت آتی ہے اور انسان کہتا ہے کہ یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔

ٹائمز آف لنڈن میں ایک دفعہ میں نے پڑھا کہ ایک ایسی عورت کی وفات ہوئی ہے جو 17 خاوند کر چکی تھی اور گیارہ زندہ خاوند اُس کے جنازے میں شامل تھے۔ اُن خاوندوں سے جو طلاق کی وجوہ لکھی تھیں وہ بھی عجیب و غریب تھیں۔ ایک خاوند سے تو اُس نے اِس لئے طلاق لی کہ اُسے شکوہ تھا کہ جب وہ گھر میں آتا ہے تو مجھے بوسہ نہیں دیتا۔ عدالت میں مقدمہ گیا اور عدالت نے تسلیم کیا کہ واقعہ میں یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اب دونوں کا نباہ مشکل ہے، طلاق ہو جانی چاہئے۔

پھر ایک اور خاوند سے طلاق لینے کی وجہ یہ لکھی تھی کہ اس عورت نے کہا میں نے ایک ناول لکھا ہے اور میرا خاوند اسے چھپوانے کی اجازت نہیں دیتا۔ عدالت میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور عدالت نے تسلیم کیا کہ واقعہ میں یہ بہت بڑا ظلم ہے، اس صورت میں طلاق ضرور مل جانی چاہئے۔

تو محض اس لئے کہ یورپین مصنفین کی کتابوں میں طلاق کا لفظ آ گیا یہ سمجھ لینا کہ اسلامی طلاق اور وہ طلاق ایک ہی ہے یا محض اس لئے کہ ان کتابوں میں مساوات کا لفظ آ گیا یہ خیال کر لینا کہ اسلامی مساوات اور ان کی مساوات ایک ہی چیز ہے، بہت بڑی غلطی ہے۔ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور یہ نادانی ہو گی اگر خیال کر لیا جائے کہ امراء کے متعلق جو اسلام نے تعلیم دی ہے وہی فلاں یورپین فلاسفر نے بھی پیش کی ہے۔ اُس فلاسفر نے جو کچھ کہا ہو گا نامکمل اور ناقص ہو گا اور وہ کچھ نہیں کہا ہو گا جو اسلام دُنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 138 تا 140)

فتوحات کے لئے یقین اور تیاری کی ضرورت

صرف یقین کی بات ہوتی ہے وہ پیدا ہو جائے تو ناممکن نظر آنے والے امور بھی ممکن بن جاتے ہیں۔

مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ہے تو وہ لطیفہ مگر اس سے کم از کم یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُس شخص کو حضرت خلیفہ اوّلؓ کی ذات پر کس قدر اعتماد تھا۔ یہاں ایک نیم عقل کا آدمی ہوا کرتا تھا۔ میاں بگّا اُس کا نام تھا، اُس کی بیوی فوت ہو گئی۔ بیوی کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ اوّلؓ کے سامنے وہ جب کبھی آتا آپ فرماتے۔ میاں بگّا شادی کرنی ہے وہ کہتا ''سوچ دے ہاں'' ایک دن حضرت خلیفہ اوّلؓ کہیں سے آ رہے تھے، میاں بگّا آپ کے ساتھ تھا۔ میں بھی اُس وقت اتفاقاً مسجد کی سیڑھیوں سے اُتر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔ لو میاں! بگّے کی شادی کا انتظام ہو گیا۔ پھر فرمانے لگے یہ ابھی مجھے ملا ہے اور اِس نے آ کر کہا ہے کہ میری شادی کا پختہ انتظام ہو گیا ہے تھوڑی سی کسر باقی ہے وہ آپ پوری کر دیں۔ جب میں (حضرت خلیفہ اوّلؓ) نے اُس سے پوچھا کہ مبارک ہو کہاں انتظام ہوا اور کیا ہوا ہے۔ تو اُس نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ نکاح کے لئے مَیں بھی راضی ہو گیا ہوں اور میری والدہ بھی راضی ہو گئی ہے اب آپ صرف لڑکی اور روپے کا انتظام کر دیں، تو شادی ہو جائے گی۔

یہ ہے تو ہنسی کی بات مگر اِس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اُسے یہ خیال تھا کہ صرف میری رضا کی ہی ضرورت ہے، ورنہ حضرت خلیفہ اوّلؓ اس کی شادی کہیں ضرور کرا دیں گے۔ اگر اُس نیم مجنوں کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی ذات پر اس قدر اعتماد ہو سکتا تھا تو کیا ہمیں خدا تعالیٰ کے وعدوں پر اتنا اعتماد بھی نہیں رہا؟ ہمارا خدا کہتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے ماننے والوں کو ہم دُنیا پر حکمران کر دیں گے اور اُن کے ذریعہ ایک نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں گے۔ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی بات پر یقین ہوتا ہے تو ہم اُس کے مطابق تیاری شروع کر دیتے ہیں۔

چنانچہ دیکھ لو جب تمہارا کوئی دوست تمہارے پاس آتا اور آ کر کہتا ہے کہ میں نے یہ یہ سامان تمہیں تحفہ کے طور پر بھجوایا ہے تو تم سامان آنے سے پہلے ہی اُس کے لئے تیاری شروع کر دیتے ہو۔ مثلاً اگر اُس نے گوشت کی ران تحفہ بھیجنے کو کہا ہو تو تم فوراً گھر آ کر کہہ دیتے ہو کہ بی بی! آج گوشت نہ منگوانا، فلاں دوست کے گھر سے گوشت کی ران تحفۃً آئے گی۔ یا اگر وہ چاولوں کا تاجر ہے اور اُس نے بیس تیس من چاول تحفہ کے طور پر بھجوا دیئے ہوں تو تم گھر آ کر کہتے ہو بیوی! اب کے فراغت ہو گئی چاول اس سال ہم نہیں خریدیں گے کیونکہ فلاں دوست تحفۃً اتنے من چاول بھیجنے والا ہے۔ غرض تم فوراً اُس کے لئے تیاری

شروع کر دیتے ہو اور اگر سامان زیادہ ہو تو اُس کو رکھوانے کے لئے کمرہ خالی کرا دیتے ہو لیکن اس کے مقابلہ میں جب تمہیں کوئی پاگل ملتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تحفۃً گوشت بھیج رہا ہوں تو آپ کہہ دیتے ہیں شکریہ شکریہ! اور اس کی بات کو کچھ اہمیت نہیں دیتے لیکن جو عقلمند دوست ہوتا ہے اس کی بات سُن کر معاً تیاری شروع کر دیتے ہیں۔

اِس مثال کے مطابق اب آپ لوگ خدا تعالیٰ کے وعدوں اور اپنی تیاریوں کو دیکھیں۔ خدا تعالیٰ نے کہا کہ وہ آپ کو فتوحات اور کامیابیاں عطا فرمائے گا۔ اب آپ خود ہی اپنے حالات کو دیکھیں کہ کیا کامیابی کی دُلہن لانے کے لئے آپ نے اُسی قسم کی تیاریاں شروع کر دی ہیں جس قسم کی تیاریاں کرنی چاہئیں؟ یا خدا تعالیٰ کی بات کو آپ نے ایک پاگل کی بَڑ جیسا سمجھا ہے اور اُس کے مطابق کوئی تیاری نہیں کی؟ اگر کامیابی کی دُلہن کے استقبال کے لئے آپ لوگوں نے تیاری کی ہے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ لوگ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اگر تیاری نہیں کی تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے خدا تعالیٰ کی بات کو **نعوذ بِاللّٰہ** ایک پاگل اور مجنون کی بَڑ سمجھا۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 143 تا 145)

عقل خدا کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے

اچھا بھلا عقلمند آدمی ہوتا ہے اُس سے جب خدا اپنی عقل کی نعمت واپس لے لیتا ہے تو کیسا پاگل ہو جاتا اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔

میں ایک دفعہ پاگل خانہ دیکھنے گیا۔ بچپن کی عمر تھی۔ وہاں مجھے ایک شخص کے متعلق بتایا گیا کہ یہ مولوی صاحب ہیں اور پاگل ہیں۔ میں اُس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اُس نے مجھ سے گفتگو شروع کر دی اور ایسی ایسی معقول باتیں کیں کہ میں حیران رہ گیا کہ اُسے پاگل خانہ میں کس طرح داخل کر دیا گیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ پٹیالہ کے جو مولوی عبد الحق صاحب ہیں اُن کا وہ رشتہ دار ہے اور کوئی جائیداد کا معاملہ تھا جس میں دشمنی ہو جانے کی وجہ سے اُس کے رشتہ داروں نے اُسے پاگل خانہ میں بھجوا دیا۔ ڈاکٹر اُس کا اِتنا معتقد کہ وہ کہے یہ ولی اللہ ہیں۔ پھر اِسی اثناء میں اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر شروع کر دیا اور کہا کہ مرزا صاحب بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے ان کی کتاب براہین احمدیہ سب پڑھی ہے اور براہین

احمدیہ کے زمانہ سے ہی مجھے اُن پر اعتقاد چلا آرہا ہے۔ اس کے بعد ازالہ اوہام چھپی تو وہ مَیں نے پڑھی۔ غرض ایسی ایسی سمجھ کی باتیں کیں کہ مجھے یقین آگیا کہ جو کچھ اِس نے شروع میں کہا ہے یہ درست ہے اور اسے دشمنی سے ہی کسی نے پاگل خانہ میں بھجوا دیا ہے مگر یہیں تک گفتگو پہنچی تھی کہ وہ کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ ایک بات بتاؤں مرزا صاحب سے ایک غلطی ہو گئی ہے۔ میں نے سمجھا کہ جب یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرید نہیں تو واقعہ میں سمجھتا ہو گا کہ آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں نے کہا فرمایئے۔ کہنے لگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت تو قرآن مجید سے ثابت ہے اور یہ بالکل درست ہے مگر یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ میں مُتَوَفِّیْکَ کے معنے موت کے نہیں۔ اس پر میں نے پھر سمجھا یہ مولوی آدمی ہے مُتَوَفِّیْکَ کے معنے یہی سمجھتا ہو گا کہ میں پورا کروں گا اور خیال کرتا ہو گا کہ اس کے معنے بِلاواسطہ موت کے نہیں لیکن جب اُس کے معنے سُنے تو میں حیران رہ گیا۔ وہ کہنے لگا دراصل اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے یہ معنے ہیں کہ اے عیسیٰ! میں تیرے چہلم کی روٹی کروں گا۔ تب میں نے سمجھا کہ میں نے اس پر جس قدر حُسنِ ظنی کی تھی وہ سب غلط تھی۔ دراصل یہ پاگل ہی ہے۔

چنانچہ ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک دوسرا پاگل آگیا، جو پاگل اچھے ہو رہے ہوتے ہیں اُنہیں آپس میں ملنے کی افسر اجازت دے دیتے ہیں، وہ بھی اُسے ملنے آگیا اور کہنے لگا مجھ سے تم نے جو پیسے لئے تھے (جو غالباً چھ تھے) وہ مجھے واپس کرو۔ اُس نے کہا میرے پاس ہے نہیں۔ وہ کہنے لگا میں تو لے کر ہٹوں گا۔ اِس پر آپس میں تکرار ہو گئی۔ میں نے جھگڑا بڑھتے دیکھا تو جیب میں ہاتھ ڈالا اور پیسے نکال کر اُس کو دے دیئے۔ یہ پیسے دینے تھے کہ مولوی صاحب جلال میں آ گئے۔ ڈاکٹر کو مخاطب ہو کر کہنے لگے، ابھی جا کر ان کی دعوت کرو اور انہیں پانچ روپے نذر دو۔ یہ محمود غزنوی ہیں، محمود غزنوی۔ انہوں نے ہی بٹھنڈہ فتح کیا تھا۔ ڈاکٹر نے جب دیکھا کہ مولوی صاحب کو جلال آرہا ہے تو اُس نے مجھے کہا اب آپ تشریف لے چلیں اب ان کے پاس کھڑا ہونا مناسب نہیں۔ تو دماغ کی کَل ذرا سی بگڑ جائے تو اچھا بھلا، پڑھا لکھا عقلمند انسان کہاں کا کہاں پہنچ جاتا ہے۔

وہیں میں نے ایک ایم۔اے دیکھا جو پاگل تھا۔ وہ بالکل بولتا نہیں تھا اور زبردستی نلکی کے ذریعہ اُس کے معدہ میں غذا پہنچائی جاتی تھی۔ وہ ایک جج کا بیٹا تھا اور ایم۔اے میں تمام یونیورسٹی میں اول رہا۔ جب وہ

یونیورسٹی میں سے فرسٹ نکلا ہو گا تو اُس کے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں نے کتنا فخر کیا ہو گا لیکن خدا تعالیٰ نے اُس کی عقل واپس لے کر بتا دیا کہ یہ چیز اِس کی نہیں تھی، خدا کی تھی۔

پس وہ صحت جس سے ہم کام کرتے ہیں، وہ اعضاء جن سے ہم چلتے پھرتے ہیں، وہ عقل جس کو ہم استعمال کرتے ہیں، وہ حافظہ جس سے ہم مدد لیتے ہیں، یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام بطور پیشگی تنخواہ ہیں لیکن ہم ایک نادہند مزدور کی طرح پیشگی تنخواہ لینے کے باوجود کام نہیں کرتے اور اُس کے کام چھوڑ کر جو پیشگی تنخواہ دیتا ہے اُس کا کام کرنے لگ جاتے ہیں جو کام لینے کے بعد تنخواہ دیتا ہے۔ نادہند مزدور کا یہی طریق ہوتا ہے کہ وہ کہیں سے پیشگی مثلاً آٹھ آنے لے لیتا ہے اور پھر اُس کا کام کرنے کی بجائے کسی اور کے وعدہ پر چلا جاتا ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں نادہند مزدور کی طرح عمل کرتے اور اُس کے احسانات اور انعامات کو دیکھنے کے باوجود دوسرے کے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پس آپ لوگوں کا فرض ہے کہ آپ سلسلہ کی اہمیت کو سمجھیں اور اپنے اندر تغیر پیدا کریں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 147 تا 149)

نرم خو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ راجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ایک مسلمان بھی وزیر تھے۔ وہ وزیر ہونے کے علاوہ طبیب بھی تھے اور بڑے نرم دل تھے۔ ایک دفعہ اُن کے پاس کوئی فقیر آیا اور اس نے سوال کیا کہ مجھے کچھ دیجئے۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں کی حالت سخت خراب تھی اور اُن کے پاس سینکڑوں فقراء آتے تھے جن کی وہ تھوڑی تھوڑی رقم سے امداد کر دیتے تھے کیونکہ ایک تو اُس زمانہ میں تنخواہیں کم ہوتی تھیں، دوسرے مسلمان زبوں حالی کی وجہ سے سینکڑوں بطور سائل کے اُن کے پاس آتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس فقیر کو بھی انہوں نے آٹھ آنہ دینے کا حکم دیا وہ آٹھ آنے لے کر کہنے لگا دیکھئے ہم سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اب یہ بھی کیا مساوات ہے کہ ایک بھائی کے پاس تو ہزاروں روپے ہوں اور ایک کے پاس صرف اٹھنی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ صرف تُو ہی ایک بھائی نہیں بلکہ اور بھی ہزاروں بھائی ہیں۔ اگر سب میں مَیں اٹھنی تقسیم کرنے لگوں تو پھر یہ اٹھنی بھی حصہ میں نہیں آئے گی۔ پس تم کو اپنے حصہ سے زیادہ ہی مل گیا ہے مگر اُس نے اصرار کیا

نہیں کچھ اَور بھی دیں۔ اُنہیں ضروری کام تھا اور وہ چاہتے تھے کہ جلدی چھٹکارا ہو مگر وہ پیچھا نہ چھوڑتا۔ آخر وہ اپنے نوکر سے کہنے لگے

”اِنہاں فقیر صاحب نوں پولے پولے دھکّے دے کر باہر کڈھ دیو“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ مثال ہمیشہ اس ضمن میں سنایا کرتے تھے کہ نرم دل انسان کو غصہ بھی آتا ہے تو اس میں بھی نرمی کا پہلو جھلک رہا ہوتا ہے۔ اب دھکّے دِلوانا غصہ کی ایک علامت تھی مگر ”پولے پولے دھکّے“ کہنا ان کی نرم طبیعت کا اظہار تھا۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 163)

(الفضل آن لائن 29/ اکتوبر 2022ء)

(قسط6)

دلچسپ و مفید واقعات وحکایات

کبھی ہمت نہیں ہارنی چاہئے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ذکر میں کہ انسان کو کبھی ہمت نہیں ہارنی چاہئے ہمارے دادا صاحب کا ذکر سنایا کرتے تھے کہ:

''جب ہمارے خاندان کی ریاست جاتی رہی تو ان کے والد صاحب کو یہاں سے نکلنا پڑا اور کپورتھلہ کی ریاست میں پناہ گزین ہو گئے۔ اس وقت ریاست والوں نے چاہا کہ آپ کو دو گاؤں گزارہ کے لئے دے دیں لیکن آپ نے نہ لئے اور فرمایا اگر ہم نے یہ گاؤں لے لئے تو پھر ہم یہیں رہ پڑیں گے اور اس طرح اولاد کی ہمت پست ہو جائے گی اور اپنی خاندانی روایات قائم رکھنے کا خیال اس کے دل سے جاتا رہے گا۔ لیکن وہ رہے ایک لمبے عرصہ تک وہیں۔ پھر جس وقت ہمارے دادا ذرا بڑے ہوئے تو اس وقت سولہ سترہ سال کی عمر تھی کہ ان کے والد فوت ہوئے انہوں نے انہیں لا کر قادیان میں دفن کیا اور خود دہلی پڑھنے چلے گئے حالانکہ کوئی سامان میسّر نہ تھا۔ ایک میراثی خدمت گار کے طور پر ساتھ گیا۔ شاید اس زمانہ کے لوگوں میں وفا کا مادہ زیادہ ہوتا تھا کہ اس غربت کی حالت میں اس شخص نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب دہلی پہنچے تو ایک مسجد میں جہاں مدرسہ تھا جا کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے سنا ہوا تھا کہ دہلی شاہی جگہ ہے اور وہاں لڑکوں کو

مفت تعلیم ملتی ہے۔ لیکن بیٹھے بیٹھے کئی دن گزر گئے مگر کسی نے ان کا حال دریافت نہ کیا اور نہ کھانے کو کچھ دیا۔ آخر جب تین دن کا فاقہ ہو گیا تو چوتھے دن کسی شخص کو جو خود بھی کنگال تھا خیال آیا کہ انہیں اتنے دن یہاں بیٹھے ہو گئے ہیں انہیں کچھ کھانے کو تو دینا چاہئے۔ چنانچہ وہ ایک سوکھی روٹی لا کر انہیں دے گیا اس نے جو روٹی ان کے ہاتھ میں دی تو ان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ ہمراہی نے سمجھ لیا کہ معلوم ہوتا ہے روٹی خراب ہے اور انہیں دیکھ کر اپنی گزشتہ حالت یاد آگئی ہے اور اس کا تصور کر کے تکلیف محسوس ہوئی ہے۔ اس موقع پر اس نے مذاق کے طور پر ان کا دل بہلانے کے لئے کہا لائیں میرا حصہ مجھے دیں۔ ان کو پہلے ہی غصہ آیا ہوا تھا، اس کا یہ فقرہ سن کر انہوں نے زور سے روٹی اٹھا کر اس کی طرف پھینکی جو اتفاقاً اس کی ناک پر لگی اور چونکہ روٹی سوکھی ہوئی تھی اس لئے اس کے لگنے سے اس کی ناک کی ہڈی پر زخم ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ مگر ان تمام مشکلات کے باوجود انہوں نے تعلیم حاصل کی، محنت کی اور اس قدر ہمت سے کام لیا کہ آخر ایک بہت بڑے عالم اور طبیب ہو گئے۔ واپس آئے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ شروع ہو گیا تھا انہوں نے ان کی جائیداد میں سے سات گاؤں واگزار کر دیئے اور جرنل کے عہدہ پر فوج میں مقرر کیا۔

اب دیکھو کہ کس بے کسی کی حالت کو پہنچ کر بھی انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا اور نہ اپنی ہمت پست کی بلکہ سمجھا کہ اگر ہم غریب ہو گئے ہیں تو کیا ہوا دنیوی لحاظ سے ہمارا ایک حق قائم ہے، وہ ہم لے کر چھوڑیں گے۔ چنانچہ انہوں نے علم سیکھا اور لیاقت پیدا کی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ذریعہ سے اپنے حق کے ایک حصہ کو کم سے کم واپس لے لیا۔

تو جس چیز کو انسان اپنی سمجھتا ہے اس کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے اور جس چیز کو اپنی نہیں سمجھتا اس کے حصول کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتا۔ پھر جو چیز خدا تعالیٰ نے تمہیں دینے کا وعدہ کیا ہے اور اس لئے دینے کا وعدہ کیا ہے کہ تم ہی اس چیز کے حقیقی اہل ہو اس چیز کے حصول کے لئے اگر تم جدوجہد نہ کرو تو کون کہہ سکتا ہے کہ تمہیں خدا تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 149 تا 151)

رونق ایمان سے آتی ہے

ایک دوست نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ رونق روپے سے آتی ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک نقطۂ نگاہ یہ بھی ہے۔

چنانچہ کلیلہ دمنہ جو فلسفہ کی کتاب ہے لیکن کہانیوں کے رنگ میں لکھی گئی ہے اس میں ایک کہانی آتی ہے جسے غالباً مثنوی رومی میں بھی بیان کیا گیا ہے، گو بیان کرنے میں کچھ فرق ہے کہ ایک مہمان کسی شخص کے ہاں آیا اس نے دیکھا کہ اس مکان میں ایک چوہا تھا جو کھانے پینے کی چیزیں زبردستی اٹھا کر لے جاتا تھا۔ گھر والے اسے مارنے کی کوشش کرتے، لیکن وہ ہمیشہ تیزی سے بھاگ کر نکل جاتا۔ اس طرح وہ چوہا کھا کھا کر بہت موٹا ہو گیا۔ گھر والوں نے اس مہمان کے پاس ذکر کیا کہ یہ چوہا بڑا تیز معلوم ہوتا ہے، اس نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ بہتیرا ہم زور لگاتے ہیں کہ اسے پکڑیں مگر یہ قابو میں نہیں آتا۔ ہم بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں کہ میز پر کودتا ہے اور کوئی چیز اٹھا کر لے جاتا ہے۔ ہم مارنا چاہتے ہیں تو وہ تیزی سے نکل جاتا ہے اس کا کیا علاج کریں؟ مہمان نے کہا، آپ اس چوہے کی بل کھود کر دیکھیں، اس کے اندر سے ضرور روپیہ نکلے گا۔ چنانچہ انہوں نے بل کو کھودا تو اس میں سے ایک تھیلی دیناروں سے بھری ہوئی نکلی۔ گھر والوں نے وہ تھیلی اپنے قبضہ میں کر لی اور اس کے بعد سے چوہے کی طاقت بھی جاتی رہی۔

یہ درحقیقت کہانی کے رنگ میں اس امر کا ذکر ہے کہ دنیادار لوگ روپیہ ہاتھ آجانے پر اترا جاتے ہیں اور چوہا کا نام اس لئے رکھا کہ چوہا زمین کی طرف ہمیشہ جھکا رہتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی منافق کی مثال چوہے سے دی ہے۔

غرض دنیادار لوگ روپیہ ہاتھ میں آجانے پر اترا جاتے ہیں اور فخر اور عجب میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر اس کا نام ہم رونق نہیں رکھ سکتے، رونق ہمیشہ ایمان سے آتی ہے۔ روپیہ تو آتا اور ختم ہو جاتا ہے، لیکن رونق وہ ہے جس کے پیچھے رونق کا ایک سلسلہ لگا ہوا ہو اور خوشی ہمیشہ پہنچتی رہے لیکن روپیہ تو خواہ کروڑوں کروڑ ہو پھر بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 158-159)

اصل چیز امداد کا تسلسل ہے

روپیہ کوئی چیز نہیں، امداد کا تسلسل اصل چیز ہے۔ تم خود ہی سوچو وہ شخص زیادہ مالدار ہے جس کے پاس صرف ایک ہزار روپیہ ہے یا وہ زیادہ مالدار ہے جسے روزانہ اخراجات کے لئے جس قدر رقم کی ضرورت ہوتی ہے، میسر آجاتی ہے؟ جس کے پاس ہزار روپیہ ہے وہ تو ختم ہو جائے گا لیکن جسے روزانہ امداد ملتی ہے وہ چلتی چلی جائے گی۔ تو اصل چیز روپیہ نہیں، بلکہ اصل چیز امداد کا تواتر ہے اور یہ تواتر محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ چنانچہ جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے، وہ خرچ کرتا ہے اور پھر اور آجاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے گھر میں کچھ غلہ ڈلوا دیا اور فرمایا اس سے گزارہ کرو۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ہم اس غلّہ سے خرچ کرتے رہے، کرتے رہے اور کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک لمبا عرصہ گزر گیا۔ آخر ایک دن میں نے کہا کہ آؤ اس غلہ کو تولیں تو سہی، کتنا باقی ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں جب تولا تو اس کے تھوڑے دنوں کے بعد ہی وہ ختم ہو گیا کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد کا ایک سلسلہ جاری تھا چاہے وہ کسی رنگ میں ہو، چاہے ان کی بھوکیں کم کر کے، چاہے ان کی طاقتیں بڑھا کر، چاہے تحائف کی کثرت کر کے۔ غرض کسی نہ کسی رنگ میں امداد کا سلسلہ جاری تھا، جب حضرت عائشہؓ نے چاہا کہ غلہ تول کر دیکھیں اور پھر تولا تو چند دنوں کے بعد ہی ختم ہو گیا۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا واقعہ مجھے یاد ہے۔ آپؑ کو بیماری کی وجہ سے ہمیشہ مشک استعمال کرنا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ کوئی دوست تحفہ کے طور پر مشک لائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے ایک لمبے عرصہ تک استعمال کرتے رہے۔ ایک دن فرمایا یہ مشک ختم ہونے میں نہیں آتا، دیکھیں تو سہی کتنا باقی ہے۔ چنانچہ اسے تول کر دیکھا گیا اور پھر بہت تھوڑے عرصہ میں ہی وہ ختم ہو گیا۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو برکتیں آتی ہیں، وہ کبھی ختم نہیں ہوتیں اور روپیہ تو خواہ ارب، دس ارب ہو ختم ہو جاتا ہے۔ پس روپے سے رونق نہیں بلکہ رونق ایمان سے ہوتی ہے۔ روپے سے تو عجب، فخر اور ریاء پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ ایمان نہ ہو اور جب ایمان ہو تو پھر انسان کی روپے پر نظر نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ پر نظر ہوتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 160-161)

کچھ خانے خدا کے لئے چھوڑ دو

عبدالحمید جو ٹرکی کا معزول بادشاہ تھا، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اس کی ایک بات مجھے بہت ہی پسند ہے۔

یونان سے جب ترکوں کی جنگ ہوئی تو اس وقت خطرہ تھا کہ یورپ کی تمام طاقتیں یونان کی مدد کریں گی اور ترکوں کو لازماً شکست ہو جائے گی۔ اس وقت ترکوں نے ایک مجلس منعقد کی جس میں فیصلہ کیا کہ یونان کے حملہ کی اس اس رنگ میں مدافعت ہونی چاہئے۔ دوسرے دن ایک وزیر گھبرایا ہوا عبدالحمید کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر مکمل انتظام ہوتا تو شاید یونان کے حملہ سے ہم بچ جاتے مگر مجھے اس انتظام میں بعض خامیاں نظر آتی ہیں جن کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ اگر ان خامیوں کی موجودگی میں ہم نے جنگ کی تو ہمیں شکست ہو جائے گی بہتر یہی ہے کہ یونان سے صلح کر لی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جب اس وزیر نے عبدالحمید کو یہ بات کہی تو عبدالحمید ہنس کر کہنے لگا اتنے خانے ہم نے پر کئے تھے اور اب کچھ خانے خدا کے لئے چھوڑ دو اور اس کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے جنگ شروع کر دو۔ چنانچہ لڑائی ہوئی اور ترکی کو فتح حاصل ہوئی۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 380)

تو مومن کو اپنی کوششوں میں سے ایک خانہ خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑنا ضروری ہوتا ہے۔ در حقیقت سچی بات یہ ہے کہ مومن کبھی بھی ایسے موقع پر نہیں پہنچتا، اور دراصل کوئی شخص بھی ایسے موقع پر نہیں پہنچتا، جس کو اس دنیا میں کامل موقع کہا جا سکے۔ یعنی یہ کہا جا سکے کہ اب کوئی رستہ کمزوری کا باقی نہیں رہا۔ فرق صرف یہ ہے کہ مومن سمجھتا ہے ابھی کامیابی کا راستہ ہے، لیکن غیر مومن سمجھتا ہے اب کوئی راہ نہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 188)

انسانی عقل تمام کمزوریوں کا احاطہ نہیں کر سکتی

ڈاکٹر بعض دفعہ کسی مریض کا جب علاج کرتا ہے تو کہتا ہے میں نے ساری تدابیر اختیار کر لیں اب اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں، مگر پھر بھی کوئی صورت نکل آتی ہے اور بیمار اچھا ہو جاتا ہے۔ مجھے ہمیشہ

اس بات پر حیرت آیا کرتی ہے کہ جب میری مرحومہ بیوی امۃ الحئی سخت بیمار تھیں تو تین تجربہ کار ڈاکٹر ان کا علاج کر رہے تھے۔ انہوں نے انہیں دیکھ کر کہا کہ انہیں کوئی تکلیف نہیں، محض اعصابی کمزوری کی شکایت ہے، حالانکہ اس مشورہ کے چند گھنٹوں کے اندر اندر وہ فوت ہو گئیں۔

تو انسانی اندازے بہت دفعہ غلط ہو جاتے ہیں۔ کئی دفعہ ڈاکٹر کہہ دیتے ہیں فلاں مریض اب مرنے لگا ہے اور وہ بچ جاتا ہے اور کئی دفعہ کہتے ہیں کہ بچ جائے گا اور وہ مر جاتا ہے۔ اس بارہ میں ان کی طرف سے کوئی بے احتیاطی نہیں ہوتی مگر ان کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جہاں تک ان کی نگاہ پہنچتی ہے اس کے اوپر بھی راستے اور سوراخ ہیں، موت کے لئے بھی اور حیات کے بھی۔ بہر حال سامانوں کی تکمیل کو انتہاء تک پہنچانے کے بعد انسان خوش ہو جاتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ تکمیل کوئی چیز نہیں۔

تھوڑے ہی دن ہوئے اخباروں میں مضامین شائع ہوئے تھے کہ امپیریل ائیر ویز نے ہوائی جہازوں کی سلامتی کے لئے انتہائی حد تک کوشش کی ہے اور اب اس نے نہایت محفوظ جہاز بنا لئے ہیں۔ ان جہازوں کے رائج ہو جانے کے بعد حادثات کا امکان بالکل جاتا رہے گا کیونکہ راستہ کے تمام چارٹ لنڈن میں لگے ہوئے ہوں گے، اور وائرلیس کے ذریعہ جہاز کو ہدایات پہنچتی رہیں گی کہ اب راستہ میں فلاں پہاڑ ہے، فلاں خطرہ ہے اور اس سے محفوظ رہنے کا یہ طریق ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ پرسوں کے ایک اخبار میں ایک طرف تو یہ نقشہ چھپا اور دوسری طرف یہ خبر درج تھی کہ وہ جہاز جو اس تجربہ کے لئے روانہ کیا گیا تھا وہ فرانس میں ہی ٹوٹ کر گر گیا۔ یہ پہلا سفر تھا جو اس نے الیگزنڈرا (مصر) آنے کے لئے کیا لیکن باوجود اس قدر سلامتی کی تجاویز اختیار کرنے کے وہ فرانس میں جہاں ایک ایک سواری کا جہاز بھی آسانی سے اتر جاتا ہے گر کر تباہ ہو گیا، اور سفر بھی مکمل نہ کر سکا اور عین اس وقت جب لنڈن کا مرکز اسے ہدایات دے رہا تھا، ایک پہاڑ سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گیا۔

تو انسانی عقل باوجود اپنے کمال کو پہنچ جانے کے پھر بھی تمام کمزوریوں کا احاطہ نہیں کر سکتی اور ایسے رخنے رہ جاتے ہیں جن کو پورا کرنا خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے انسان کے اختیار میں نہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 188-189)

سب کو ایک جیسا نہ سمجھو

کہتے ہیں ہارون الرشید کے زمانہ میں کوئی نائی تھا جسے کسی امیر نے ایک شادی کے موقع پر پانچ سو اشرفیاں انعام دے دیں۔ وہ چونکہ امراء کا نائی تھا اس لئے اشرفیوں کی تھیلی کبھی چھپا کر نہ رکھتا بلکہ جہاں جاتا اپنے پاس رکھتا اور اسے اچھالتا رہتا۔ شاید اس لئے کہ باقی امراء بھی دیکھ کر اسے کچھ دے دیں۔ وہ چونکہ ہر جگہ تھیلی اپنے پاس رکھتا اور اسے اچھالتا رہتا تھا اس لئے لوگوں نے اس کا مذاق بنالیا۔ اور اس سے پوچھتے میاں خلیفہ! بتا شہر کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا شہر کا حال کیا پوچھتے ہو، کوئی کمبخت بھی ایسا نہ ہو گا جس کے پاس پانچ سو اشرفیاں نہ ہوں۔ آخر کسی نے ہنسی سے اس کی تھیلی غائب کر دی چونکہ وہ امراء کا نائی تھا اس لئے اسے اتنی جرات نہ تھی کہ وہ امراء سے پوچھ سکتا کہ میری تھیلی کس نے غائب کر دی؟ لیکن اندر ہی اندر غم سے اس نے سوکھنا شروع کر دیا۔ اب جو اس سے لوگ دریافت کرتے کہ شہر کا کیا حال ہے؟ تو کہتا شہر کا حال کیا بتائیں، بھوکا مر رہا ہے۔ آخر جس نے تھیلی غائب کی تھی اس نے نکال کر سامنے رکھ دی اور کہا شہر کو بھوکا نہ مارو اپنی تھیلی لے لو۔

توکئی لوگ اپنے نفس کے متعلق ایک اندازہ لگاتے اور پھر اس اندازہ کو باقی سب لوگوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 198)

سپاہی کا کام اطاعت کرنا ہے

انگریزی قوم ایک واقعہ پر فخر کیا کرتی ہے اور واقعہ میں اس کا وہ فخر بالکل جائز ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ غالباً کریمیا کی جنگ میں جبکہ ترکوں کی اعانت پر انگریزی حکومت بھی تھی، روسی فوج کے ایک دستہ کے بڑھنے کی اطلاع ملی۔ اس مقام کا نام بیلا کلاوا تھا۔ انگریزی جنرل نے ایک دستہ رسالہ کو اس فوجی دستہ کو روکنے کا حکم دیا۔ افسر کو بتایا گیا کہ روسی فوج کا ایک دستہ نہیں بلکہ اصل فوج آگے بڑھ رہی ہے، مگر اس نے اسے تسلیم نہ کیا۔ اس پر انگریزی رسالہ کے افسر نے بلا چون وچرا حملہ کر دیا اور روسی فوج سے مقابلہ کر کے وہ رسالہ قریباً سب کا سب فنا ہو گیا اور یہ جانتے ہوئے فنا ہو گیا کہ جو کام وہ کر رہا ہے اس میں اسے کامیابی کی امید نہیں ہے۔

انگریزی قوم اس واقعہ کی یاد کو کئی رنگوں سے زندہ رکھتی ہے۔ تاریخ میں بھی اور ریڈروں میں بھی، نثر کے ذریعہ سے بھی اور نظم کے ذریعہ بھی اور اس بات پر فخر کیا کرتی ہے کہ اس کے سپاہیوں نے اطاعت کا کیسا شاندار نمونہ دکھایا۔

تو سپاہی کا کام یہ ہے کہ وہ اطاعت اور ایثار کا نمونہ دکھائے۔ اگر اسے کسی غلطی کا علم ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ اطلاع ذمہ وار افسروں تک پہنچا دے لیکن جب افسر کہے کہ میں اس حکم کو قائم رکھنے پر مصر ہوں، تو وہ اس حکم کی اطاعت کرے اور خدا کی آواز پر جو بعض دفعہ واقعات میں سے آتی ہے چل پڑے اور جس قدر بوجھ اٹھا کر جاسکتا ہے جائے۔ اگر دس گز جاسکتا ہے تو دس گز جائے، بیس گز جاسکتا ہے تو بیس گز جائے۔ ہاں جب وہ ڈھیر ہو جائے گا تو اس کا کام ختم ہو جائے گا اور پھر خدا کسی اور کو اس کی جگہ کھڑا کر دے گا۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 199-200)

صحابہؓ رسول کا شاندار ایثار

یاد رکھو! ہمارا خدا حکیم ہے اور قرآن مجید کا ایک نام حکمت بھی ہے۔ پس جو کام کرو وہ عقل اور حکمت کے ماتحت ہو، اندھا دھند کسی طریق کو اختیار نہ کرو۔ صحابہؓ تو یہاں تک احتیاط کیا کرتے تھے کہ وہ مرتے وقت بھی یہ دیکھ لیتے تھے کہ کس کو زیادہ ضرورت ہے اور کس کو کم۔

تاریخوں میں آتا ہے کہ وہ آخری لڑائی جس میں مسلمانوں نے رومی فوجوں کو شکست دے کر شام پر قبضہ کیا اور جس میں روم کے بادشاہ نے اپنے جرنیل ہامان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ فتح پائے گا تو وہ اپنی لڑکی اس سے بیاہ دے گا۔ اس جنگ میں اسلامی مؤرخین کے نزدیک رومی فوج کی تعداد چھ لاکھ سے دس لاکھ تھی، اور عیسائی مؤرخین اس تعداد کو 3 لاکھ سے 6 لاکھ تک بتاتے ہیں۔ مسلمانوں کی فوج اسلامی مؤرخین کے نزدیک ساٹھ ہزار اور عیسائی مؤرخین کے نزدیک ایک لاکھ تھی۔ بہرحال رومی فوج

مسلمانوں کی فوج سے تین گنے سے بھی زیادہ تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو جو قربانی کرنی پڑی وہ نہایت ہی اہم ہے۔ بڑے بڑے صحابہؓ اس جنگ میں مارے گئے کیونکہ انہوں نے سب سے زیادہ قربانی اپنے ذمہ لی تھی۔ چونکہ یہاں میری یہ بھی غرض ہے کہ میں آپ لوگوں کو اپنے فرائض کی طرف توجہ دلاؤں اس لئے ایک واقعہ جو اسی جنگ میں رونما ہوا سنا دیتا ہوں۔

اس جنگ میں حضرت ابو عبیدہؓ جو اسلامی فوج کے کمانڈر انچیف تھے، ان کے سامنے یہ سوال پیش ہوا کہ آیا مسلمانوں کو پیچھے ہٹ جانا چاہئے اور حضرت عمرؓ سے پہلے مشورہ لے لینا چاہئے یا مقابلہ کرنا چاہئے؟ حضرت خالد بن ولیدؓ بھی اس مشورہ میں شامل تھے، انہوں نے کہا اسلامی فوجوں کا پیچھے ہٹنا سخت ہتک کی بات ہے جسے ہم ہرگز برداشت نہیں کر سکتے اور آپ کا تو یہ خیال ہے کہ ہماری فوج تھوڑی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس سپاہی بہت زیادہ ہیں اور اگر ہماری تعداد اس سے بھی تھوڑی ہو جائے تو ہمیں حملہ کر دینا چاہئے۔ رومی فوج میں ایک عیسائی عربوں کا لشکر بھی شامل تھا جس کا سردار جبلۃ ابن الایہم تھا... یہ جبلہ تیس سے ساٹھ ہزار تک فوج لے کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔ گویا یہ لشکر ہراول میں تھا اور رومی فوج نے اس کو آگے اس لئے رکھا ہوا تھا کہ جبلہ کہتا تھا ہم عرب ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ عربوں کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے تجویز کی کہ ہمیں جبلہ کے لشکر پر کم سے کم یہ بات ثابت کر دینی چاہئے کہ ہماری طاقت عرب ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ساٹھ ہزار کے لشکر کے مقابلہ کے لئے مجھے صرف ساٹھ آدمی (یا بعض روایات کے مطابق دو سو۔ تاریخی روایات میں اس قسم کے خفیف فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتے) دیئے جائیں۔ میں ان ساٹھ آدمیوں کو لے کر اس پر حملہ کروں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ساٹھ آدمی مجھے خود چننے دیئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں میں سے ساٹھ کا لشکر چنا۔ اسی لشکر میں عکرمہؓ بھی تھے جو ابو جہل کے بیٹے تھے اور جن کی اولاد اب تک موجود ہے۔ مگر بوجہ ابو جہل کے افعال بد کے کوئی اس کی طرف منسوب ہونا پسند نہیں کرتا۔ پھر حضرت عباسؓ کے بیٹے فضلؓ بھی اسی لشکر میں شامل تھے۔ اسی طرح اور بڑے بڑے صحابہؓ یا

صحابہؓ کے بیٹے اس میں شریک ہوئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے بھی اس میں شامل تھے۔ غرض اس چھوٹے سے دستہ نے ساٹھ ہزار فوج پر حملہ کر دیا اور ایسا زبردست حملہ کیا کہ معاً قلب لشکر تک جا پہنچے اور اس لشکر کو انہوں نے شکست دی لیکن چونکہ دشمن بہت زیادہ تھا اور وہ چند آدمی تھے، اس لئے قلیل افراد ہی بچ سکے۔ باقی سب اس جنگ میں یا مارے گئے یا زخمی ہو گئے۔

جس وقت یہ لوگ زخمی ہو کر میدان جنگ میں پڑے تھے اور عیسائی لشکر ہراول کی شکست کی وجہ سے ہراساں ہو رہا تھا صحابہؓ یہ دیکھنے کے لئے کہ کون کون زخمی ہوا ہے، میدان میں گئے۔ انہوں نے پہلے عکرمہؓ کو دیکھا کہ اس کی زبان خشک ہے اور نزع کی حالت ہے۔ صحابہؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو پیاس ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہے۔ وہ کٹورے میں پانی ڈال کر ان کے پاس لائے لیکن ابھی انہوں نے پانی پیا نہ تھا کہ انہوں نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی اور دیکھا کہ پاس ہی فضل بن عباسؓ بھی زخمی پڑے ہیں اور پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے ہیں انہوں نے کٹورہ واپس کر دیا اور کہا کہ فضل کو پیاس مجھ سے زیادہ معلوم ہوتی ہے پہلے انہیں پانی پلا۔ جب وہ ان کے پاس پانی لے کر گئے تو فضلؓ نے اپنے اردگرد دیکھا اور انہیں بھی ایک مسلمان زخمی نظر آیا وہ کہنے لگے اس مسلمان کو پیاس مجھ سے زیادہ معلوم ہوتی ہے پہلے اسے پانی پلایا جائے۔ غرض اسی طرح دس کے قریب اس میدان میں زخمی پڑے تھے اور ہر ایک پیاس سے تڑپ رہا تھا لیکن ہر ایک نے کہا کہ پانی فلاں کے پاس لے جاؤ اسے زیادہ پیاس معلوم ہوتی ہے۔ آخر صحابہؓ جب آخری زخمی کے پاس پانی لے کر پہنچے تو وہ فوت ہو چکا تھا۔ اس پر وہ پھر لوٹے لیکن جس جس کے پاس گئے دیکھا کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔

تو صحابہؓ مرتے وقت بھی یہ اندازہ لگایا کرتے تھے کہ ہم سے زیادہ اہم کس کی ضرورت ہے، اور پھر جس کی ضرورت زیادہ ہوتی وہ اس کو مقدم کرتے۔ اسی طرح ہمیں بھی اپنے اندازوں میں کبھی حکمت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 206 تا 208)

ہمیں ایسے مصنف نہیں چاہئیں

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ایک دوست تھے، انہیں کچھ جنون کا عارضہ ہو گیا تھا۔ ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام منن الرحمن لکھ رہے تھے اس میں آپ نے بیان فرمایا کہ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے۔ اس دوست کے دماغ میں چونکہ کچھ جنون تھا اس لئے یہ سن کر انہوں نے بھی الفاظ کی جستجو شروع کر دی اور عجیب عجیب الفاظ نکالنے شروع کر دیئے۔ ایک دن کہنے لگے لوگ کہتے ہیں مرچوں کا قرآن مجید میں کوئی ذکر نہیں یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن مجید میں جو اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ کے الفاظ آتے ہیں، اس میں مرجان مرچوں کو ہی کہا گیا ہے۔ پھر دلیل یہ دی کہ مرچیں بھی لال ہوتی ہیں اور مرجان بھی لال ہوتا ہے۔

غرض قرآن کریم کی عبارات میں وہ تمام پنجابی الفاظ ثابت کرتے۔ اس قسم کے مصنفوں کی ہمیں ضرورت نہیں۔ مصنف وہ ہوں جو ہوش و حواس قائم رکھتے ہوں اور عقل و فکر سے کام لینے والے ہوں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ کوئی ایسا فلسفہ نکالیں جس سے دنیا میں تہلکہ مچ جائے۔ بلکہ ایسی باتیں لکھی جائیں جو عام سمجھ کے مطابق ہوں اور جن میں اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا حل کیا گیا ہو۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 216)

دماغی نقص

کہتے ہیں کوئی پٹھان قدوری پڑھ رہا تھا جس میں اس نے پڑھا کہ نماز میں حرکت صغیرہ ممنوع ہے اور حرکت کبیرہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ پھر کسی دوسرے وقت اس نے حدیث کا جو سبق لیا تو ایک حدیث ایسی آگئی جس میں لکھا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت نماز میں ہی دروازہ کھول دیا اور بعض جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر نماز میں سانپ وغیرہ سامنے آجائے تو اسے مارا جا سکتا ہے۔ وہ پٹھان یہ پڑھتے ہی کہنے لگا ”خو محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا، قدوری میں لکھا ہے کہ حرکت کبیرہ سے نماز ٹوٹ جاتا ہے۔“

اب اگر کوئی شخص ایسا ہو جو نماز پڑھ رہا ہو اور نماز میں ہی سانپ نکل آئے اور وہ نماز نہ توڑے بلکہ پڑھتا رہے تو کیا ہم کہیں گے وہ زیادہ نیک ہے؟

ہم تو یہی کہیں گے کہ اس کے اندر کوئی دماغی نقص ہے جس کی وجہ سے اس نے سانپ کو دیکھنے کے باوجود اسے مارنے کی کوشش نہ کی حالانکہ اسلام نے اس کی اجازت دی تھی۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 219)

ہمارے مذہب میں یہ چیزیں پاک ہیں

حضرت خلیفہ اوّلؓ سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں مسجد اقصیٰ سے درس دے کر واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں جو ڈپٹیوں کا مکان ہے (جس میں آجکل صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر ہیں) وہاں ڈپٹی صاحب بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھے اور مصافحہ کیا اور پھر کہا مولوی صاحب! ایک بات دریافت کرنی ہے۔ میں نے کہا پوچھیے۔ وہ کہنے لگے کیا بادام روغن اور پلاؤ کا استعمال فقیر لوگوں کے لئے بھی جائز ہے؟ میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں یہ چیزیں پاک ہیں اور ہم ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں دیکھتے۔ وہ کہنے لگے میں نے سمجھا تھا فقیر لوگ یہ چیزیں استعمال نہیں کر سکتے۔

درحقیقت ان کی غرض حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراض تھا کہ آپ نے کوئی خاص غذا نہیں مقرر کی ہوئی بلکہ اتباع نبوی میں اعلیٰ یا سادہ غذا جو غذا میسر آ جائے آپ استعمال فرما لیتے ہیں اور بادام روغن تو آپ دماغی کام کی وجہ سے اور بیماری کی وجہ سے کبھی علاج معالجہ کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 222)

(الفضل آن لائن 5/ نومبر 2022ء)

(قسط 7)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

صفائی ستھرائی

پچھلے دنوں ایک دوست جو عیسائی ہیں اور یہاں امتحانوں کے سپرنٹنڈنٹ بن کر آئے تھے، مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ آپ کا جو سولہواں مطالبہ تھا اور جس میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی تاکید تھی، اس پر قادیان میں عمل نہیں ہوتا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے تو خود یہ نیّت کی ہوئی ہے کہ اس مطالبہ پر عمل کروں اور جماعت سے کراؤں لیکن آپ جن امور کی طرف توجہ دلا رہے ہیں آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ صرف ہماری نیت اور عمل سے درست نہیں ہو سکتے، ان کے متعلق حکومت کا تعاون بھی ضروری ہے اور وہ ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرتی اور اس لئے ہمارے لئے بہت سی مشکلات ہیں۔ پھر میں نے انہیں کہا آپ کو اس بارہ میں ایک لطیفہ بھی سنا دوں۔

ایک دفعہ پادری گارڈن صاحب ڈاکٹر زویمر صاحب کو لے کر قادیان آئے۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اس وقت زندہ تھے میری ملاقات سے پہلے انہوں نے ڈاکٹر زویمر صاحب اور پادری گارڈن صاحب کو قادیان کے بعض مقامات دکھائے۔ قادیان کی سیر کرنے کے بعد ڈاکٹر زویمر کہنے لگے مجھے خواہش تھی کہ میں دیکھوں کہ اسلامی مسیح کی جماعت نے کہاں تک ترقی کی ہے، کم از کم ظاہری صفائی کے لحاظ سے تو اس کے مرکز نے کوئی ترقی نہیں کی۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم کہنے لگے، ابھی

اسلامی مسیح کی حکومت نہیں آئی پہلے مسیح کی ہی حکومت ہے اس لئے قادیان کی صفائی کا الزام پہلے مسیح کی قوم پر ہی آتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 231)

زندوں سے پہلے مُردوں کا خیال

رستوں کا چوڑا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ اپنے رہنے کے لئے مکان بنانے سے پہلے مردوں کا انتظام کرنا چاہئے۔

آپؑ فرماتے تھے کسی شخص نے مکان بنایا تو زینے اس کے بہت چھوٹے رکھے۔ اتفاقاً ان کے گھر میں ایک موت ہو گئی۔ جو شخص مرا وہ بہت ہی موٹا تھا اسے چھت پر سے اتارنے کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑی اور لاش کی سخت بے حرمتی ہوئی۔ تو آپ فرمایا کرتے تھے زندوں سے پہلے مُردوں کا خیال رکھو۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 237)

ایفائے عہد کا شاندار نمونہ

تمہاری اکثریت ایسی ہونی چاہئے کہ اس کے منہ سے جو الفاظ نکل جائیں وہ اٹل ہوں اور جو اقرار وہ کرے اسے ہر قربانی کر کے پورا کرنے والی ہو۔ صحابہؓ پر دیکھو اس تعلیم کا کتنا اثر ہوا۔ انہوں نے یہاں تک اپنے وعدوں کو پورا کیا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ان کی تعریف کرتا اور فرماتا ہے۔ **مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ**۔ کہ محمد ﷺ کی امت نے ہماری اس نصیحت کو سن کر ایسا عمل کیا ایسا عمل کیا کہ ان میں سے بعض نے تو اپنے فرائض ادا کر دیئے اور بعض اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے پوری مستعدی سے تیار بیٹھے ہیں۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ یہ آیت خصوصیت سے ایک صحابیؓ پر چسپاں ہوتی ہے اور اسی صحابیؓ کا واقعہ اس آیت کا شان نزول ہے۔ دراصل شان نزول کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ اس واقعہ کی وجہ سے آیت نازل ہوئی بلکہ اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ اس آیت کی زندہ مثال فلاں صحابیؓ میں پائی جاتی ہے۔ تو صحابہؓ اس آیت کے زندہ ثبوت کے طور پر ایک صحابیؓ کا واقعہ پیش کیا کرتے تھے۔

بدر کی جب جنگ ہوئی تو وہ صحابیؓ اس میں شامل نہ ہو سکے۔ جب جنگ ہو چکی اور انہیں معلوم ہوا کہ اس طرح کفار سے ایک عظیم الشان لڑائی ہوئی ہے، تو انہیں اپنے شامل نہ ہونے کا بہت ہی افسوس ہوا اور اس کا ان کی طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ اس کے بعد جب کسی مجلس میں بدر کی جنگ کا ذکر آتا اور وہ سنتے کہ فلاں نے یوں بہادری دکھائی اور فلاں نے اس طرح کام کیا تو وہ سنتے سنتے کہہ اٹھتے، اچھا کیا، اچھا کیا لیکن اگر میں ہوتا تو بتاتا کہ کس طرح لڑا کرتے ہیں۔ لوگ سن کر ہنس دیتے کہ اب اس قسم کی باتوں کا کیا فائدہ۔ مگر ان کا جو جوش تھا وہ سچ مچ کا جوش تھا، کسی عارضی جذبہ کے ماتحت نہیں تھا بلکہ عشق و محبت کی وجہ سے وہ گھلے جارہے تھے اور انہیں یہ غم کھائے جارہا تھا کہ کاش! انہیں بھی خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کا موقع ملے۔

آخر خدا تعالیٰ نے احد کی جنگ کا موقع پیدا کر دیا۔ اس جنگ میں جب مسلمانوں نے کفار کے لشکر کو شکست دے دی اور ان کی فوجیں پراگندہ ہو گئیں تو ایک درّہ تھا جہاں رسول کریم ﷺ نے دس آدمی چن کر کھڑے کئے تھے اور حکم دیا تھا کہ خواہ جنگ کی کوئی حالت ہو تم نے اس درّہ کو نہیں چھوڑنا۔ جب کفّار کا لشکر منتشر ہو گیا تو انہوں نے غلطی سے اجتہاد کیا کہ اب ہمارے یہاں ٹھہرے رہنے کا کیا فائدہ ہے ہم بھی چلیں اور غنیمت کا مال حاصل کریں۔

چنانچہ ان میں سے سات آدمی درّہ چھوڑ کر چلے آئے اور صرف تین پیچھے رہ گئے۔ ان کے سردار نے انہیں کہا بھی کہ رسول کریم ﷺ کا حکم ہے کہ ہم یہ درّہ چھوڑ کر نہ جائیں مگر انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مطلب تو نہ تھا کہ فتح ہو جائے تب بھی یہیں کھڑے رہو۔ آپ کے ارشاد کا تو یہ مطلب تھا کہ جب تک جنگ ہوتی رہے درّہ نہ چھوڑو۔ اب چونکہ فتح ہو چکی ہے اس لئے یہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے نوجوان تھے اور ان کی نگاہ بہت تیز تھی وہ جب اپنے لشکر سمیت بھاگے چلے جارہے تھے تو اتفاقاً انہوں نے پیچھے کی طرف نظر جو ڈالی تو دیکھا کہ درّہ خالی ہے اور مسلمان فتح کے بعد مطمئن ہو گئے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی انہوں نے لشکر میں سے چند آدمی منتخب کئے اور اس درّہ کی طرف سے چڑھ کر یک دم مسلمانوں کی پشت پر حملہ کر دیا۔

مسلمانوں کے لئے یہ حملہ چونکہ بالکل غیر متوقع تھا اس لئے ان پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی اور بوجہ بکھرے ہوئے ہونے کے دشمن کا مقابلہ نہ کر سکے اور میدان پر کفار نے قبضہ کر لیا۔ یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ کے گرد صرف 12 صحابہؓ رہ گئے۔ جن میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ 12 بھی نہیں صرف چند آدمی رسول کریم ﷺ کے ارد گرد رہ گئے اور کفار نے خاص طور پر رسول کریم ﷺ پر تیر اندازی شروع کر دی۔ صحابہؓ نے اس وقت سمجھا کہ اب ہماری خاص قربانی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ رسول کریم ﷺ کی پیٹھ کی طرف کھڑے ہو گئے تا اس طرف سے کوئی تیر رسول کریم ﷺ کو آکر نہ لگے اور حضرت طلحہؓ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اس جگہ جہاں سے تیر گزر کر آتے تھے اپنا ہاتھ رکھ دیا تا کہ تیر ان کے ہاتھ پر لگیں۔ رسول کریم ﷺ کے جسم تک کوئی تیر نہ پہنچ سکے۔ اسی طرح اور صحابی بھی ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ چونکہ اس وقت تیروں کی سخت بوچھاڑ ہو رہی تھی اس لئے جس قدر صحابہؓ رسول کریم ﷺ کے ارد گرد کھڑے تھے، وہ گردن سے لیکر زانوں تک تیروں سے زخمی ہو گئے اور ایک انچ جگہ بھی ایسی نہ رہی جہاں انہیں تیر نہ لگا ہو اور حضرت طلحہؓ کا ہاتھ تو تیر لگتے لگتے بالکل شل ہو گیا اور ساری عمر کے لئے ناکارہ ہو گیا۔

بعد میں وہ ایک جگہ کسی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک منافق نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اس ٹنڈے کی یہ بات ہے۔ حضرت طلحہؓ نے یہ سن کر کہا تمہیں پتہ ہے میں کس طرح ٹنڈا ہوا؟ پھر انہوں نے احد کی جنگ کا قصہ سنایا اور بتایا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے اپنا ہاتھ پھیلائے کھڑا رہا اور جو تیر بھی آیا وہ میں نے اپنے ہاتھ پر لیا یہاں تک کہ تیروں کی بوچھاڑ نے اسے شل کر دیا۔ کسی نے کہا آپ اس وقت درد سے کراہتے نہ تھے؟ وہ کہنے لگے میں درد سے کس طرح کراہ سکتا تھا اگر کراہتا تو میرا جسم ہل جاتا اور تیر رسول کریم ﷺ کو لگ جاتا۔

جب دشمنوں کی تیر اندازی بھی رائیگاں گئی تو انہوں نے یکدم ریلہ کر دیا اور وہ 12 آدمی بھی دھکیلے گئے اور رسول کریم ﷺ زخمی ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے۔ آپ پر بعض اور صحابہؓ جو آپ کی حفاظت

کر رہے تھے شہید ہو کر گر گئے اور اس طرح رسول کریم ﷺ تھوڑی دیر کے لئے نگاہوں سے او جھل ہو گئے اور لشکر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول کریم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر بعض کمزور تو مدینہ کو واپس چلے گئے کہ وہاں کے لوگوں کو اطلاع دیں اور باقی صحابہؓ میدان جنگ میں گھبرائے گھبرائے پھرنے لگ گئے۔ حضرت عمرؓ پر اس خبر کا یہ اثر ہوا کہ آپ ایک چٹان پر بیٹھ کر رونے لگ گئے۔

اس وقت بعض صحابہؓ ایسے بھی تھے جنہیں اس امر کی اطلاع نہ تھی کیونکہ وہ فتح کے بعد ایک طرف ہو گئے تھے اور انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کفار نے دوبارہ حملہ کر دیا ہے۔ انہی میں وہ صحابی بھی تھے جو ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں جنگ بدر میں شامل ہوتا تو یوں کرتا اور یوں کرتا۔ انہیں اس وقت بھوک لگی ہوئی تھی اور وہ ٹہلتے ٹہلتے کھجوریں کھا رہے تھے۔ چلتے چلتے وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ گھبرا کر پوچھا کہ عمرؓ یہ رونے کا کونسا مقام ہے؟ اسلام کو فتح حاصل ہوئی ہے اور آپ رو رہے ہیں حضرت عمرؓ نے کہا تم کو پتہ نہیں دشمنوں نے دوبارہ حملہ کیا ہے اور رسول کریم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ انہوں نے جب یہ سنا تو کہنے لگے عمر! تمہاری عقل بھی خوب ہے جب رسول کریم ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو پھر ہمارے اس دنیا میں رہنے کا کیا فائدہ ہے؟

یہ کہہ کر انہوں نے کھجور کی طرف دیکھا اور کہا میرے اور جنت میں کیا چیز حائل ہے صرف یہ کھجور؟ یہ کہتے ہوئے انہوں نے کھجور کو زمین پر پھینک دیا۔ اور کہا عمرؓ! رو کیوں رہے ہو؟ جہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں وہاں ہم بھی جائیں گے۔

چنانچہ تلوار لے کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر جوش سے لڑے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر شہید ہو گئے۔ بعد میں صحابہ نے ان کی نعش کو دیکھا تو ان کے جسم پر ستّر زخم تھے۔

تو صحابہؓ یہ مثال پیش کیا کرتے تھے مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کی کہ بعضوں نے اپنے فرائض کو جو ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد ہوتے تھے ادا کر دیا اور بعض یقین اور صدق سے بیٹھے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ان کا وجود بھی اسلام کی خدمت کے لئے کام آئے گا۔ یہ گواہی ہے جو صحابہؓ کے متعلق خدا تعالیٰ نے دی۔ اس کو اپنے سامنے رکھو اور پھر غور کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ خدا تعالیٰ کے حضور یہ سخت ناپسندیدگی کی بات ہے کہ تم کہتے ہو مگر کرتے نہیں۔ فرماتا ہے بعض چیزیں جبری ہوتی ہیں اور بعض طوعی۔ جبری تو بہر حال پوری کرنی پڑیں گی اور جو طوعی ہوں ان کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ یا تو وہ وعدہ ہی نہ کرو اور اگر وعدہ کرو تو پھر اسے پورا کرو، چاہے تمہیں کس قدر قربانی کرنی پڑے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 244 تا 247)

خدا کی خاطر مرنے والے کبھی نہیں مرتے

ہندوؤں میں ایک قصہ مشہور ہے وہ ہے تو قصہ مگر ہم اس سے بہت کچھ سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی راجہ تھا جس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ تین خدا ہیں۔ برہما، وشنو اور شوجی۔ برہما پیدا کرتا ہے، وشنو رزق دیتا ہے اور شوجی مارتا ہے۔ اس تقسیم کی وجہ سے ہندوؤں میں برہما کی پوجا نہیں کی جاتی۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں پیدا تو ہم ہو ہی گئے ہیں اب ہمیں روٹی کی ضرورت ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ زندہ رہیں۔ پس وہ وشنو اور شوجی کی پوجا کرتے ہیں، برہما کی نہیں کرتے۔ لیکن اس راجا کے ہاں چونکہ اولاد نہیں ہوتی تھی اور اولاد دینا برہما کا کام تھا اس لئے اس نے برہما کی پرستش شروع کر دی۔ آخر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ جب وہ گیارہ سال کا ہوا اور عقل اس کی پختہ ہونی شروع ہوئی تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ برہما کی کیوں پرستش نہیں کرتے اور اس کے احسان کے بدلہ میں بیوفائی کیوں دکھاتے ہیں؟ باپ نے کہا اب برہما نے ہمارا کیا کر لینا ہے، اب تو ہم شوجی کی پوجا کریں گے تا وہ تم کو زندہ رکھیں۔ بیٹے نے کہا میں تو برہما کی پرستش کروں گا اسی نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کے احسان کا میں شکر ادا کروں گا۔ اس پر باپ بیٹے میں اختلاف ہو گیا اور یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ باپ نے غصہ میں آکر دعا کی کہ شوجی میرے بیٹے کو مار ڈالو، یہ بڑا ناخلف اور نالائق ہے۔ چنانچہ شوجی نے اسے مار دیا۔ برہما کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ کہنے لگے ہیں! میری پرستش کرنے کی وجہ سے یہ لڑکا مارا گیا ہے میں اسے زندہ کروں گا چنانچہ انہوں نے اسے زندہ کر دیا۔ شوجی نے اسے پھر مار دیا۔ برہما کو پھر جوش آیا اور انہوں نے اسے پھر زندہ کر دیا۔ غرض ایک لمبے عرصہ تک برہما زندہ کرتے اور شوجی مار دیتے۔ شوجی مارتے اور برہما زندہ کرتے۔

یہ ہے تو قصہ اور قصہ کے لحاظ سے لغو بھی مگر سبق سے خالی نہیں۔ اس میں یہ سبق ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے لئے کوئی شخص اپنی جان دیتا ہے تو کون ہے جو اسے مار سکے۔ وہی تو پیدا کرنے والا ہے اور جب وہی پیدا کرنے والا ہے تو اس پر موت آ کس طرح سکتی ہے۔

پس اس قصہ میں کم از کم یہ سبق ضرور ہے کہ اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے لئے مرتا ہے تو وہ مرتا نہیں۔ دیکھ لو حضرت اسماعیلؑ کو خدا تعالیٰ کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے قربان کیا مگر کیا وہ قربانی رائیگاں گئی اور کیا حضرت اسماعیلؑ ہمیشہ کے لئے زندہ نہ ہو گئے؟

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 247-248)

وعدہ وہ ہے جو نیکی پر مبنی ہو

وہی اقرار انسان پورا کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو نیکی کا اقرار ہو اور جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو۔ بدی کے متعلق اقرار کوئی اقرار نہیں ہوتا۔

حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ فلاں عورت سے تم نے ناجائز تعلق رکھا ہوا ہے یہ سخت گناہ کی بات ہے اسے چھوڑ دو۔ تو وہ کہنے لگا مولوی صاحب! وہ عورت ہو کر اپنے اقرار پر قائم ہے تو کیا میں مرد ہو کر بے ایمان ہو جاؤں اور اس کو چھوڑ دوں؟

گویا اس کے نزدیک کسی غیر عورت کو اپنے گھر میں ڈال لینا اور آپس کے اقرار کو پورا کرنا یہ ایمان تھا حالانکہ شرارت کا وعدہ کوئی وعدہ نہیں ہوتا۔ وعدہ وہ ہے جو نیکی پر مبنی ہو۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 250)

میں آج سے پختہ احمدی ہوں

ایک مہمان عورت نے آکر میری بیوی کو سنایا کہ جب احمدیوں میں میری شادی ہو گئی تو میرے رشتہ داروں نے کہا کہ اپنے خاوند کو پھسلانا۔ میرا بھی یہی خیال تھا کہ جب موقع ملے ایسا کروں۔ ظاہراً تو خاوند کے کہنے پر میں نے بیعت کر لی لیکن میرے دل کی کیفیت اسی طرف مائل تھی اور ہر موقع پر میں نے یہی کوشش کی کہ کسی طرح اپنے خاوند کو بھی اپنے ساتھ ملا لوں۔ وقت گزرتا گیا مگر مجھے اس میں

کامیابی نہ ہوئی حتّٰی کہ وہ دن آن پہنچا کہ ہمارا نوجوان بیٹا جس کے ساتھ ہماری امیدیں وابستہ تھیں فوت ہو گیا۔ ہماری رشتہ دار عورتیں تعزیت کے لئے آئیں اور کہنے لگیں کہ دیکھا! تمہارے احمدی ہونے کی وجہ سے یہ لڑکا فوت ہو گیا ہے اگر تو احمدی نہ ہوتی تو یہ فوت نہ ہوتا۔ مگر میں سمجھتی تھی کہ میں نے تو صرف ظاہراً بیعت کی ہوئی تھی اور دل میں پکی غیر احمدی تھی اس لئے مجھے یہ سزا خدا کی طرف سے ملی ہے۔ اس لئے میں نے ان سے اسی وقت کہا کہ جاؤ! میں آج سے پختہ احمدی ہوں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 271)

عقلمندی و حاضر دماغی

حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت مغیرہ یمن کے گورنر مقرر ہوئے۔ اس علاقہ کے لوگوں نے کہا کہ یہ شخص چونکہ ٹیکس سختی سے وصول کرتا ہے اس لئے کوشش کرو کہ یہاں آئے ہی نہیں۔ ان میں سے ایک شخص بہت ہوشیار تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے ایک لاکھ درہم جمع کر دو تو میں جا کر شکایت کرتا ہوں کہ یہ روپیہ مغیرہ نے رشوت لی ہے۔ وہ شخص حدیث العہد تھا اور جھوٹ کی قباحت کو پوری طرح نہیں سمجھا تھا۔

چنانچہ اس نے وہ روپیہ حضرت عمرؓ کو پیش کیا کہ یہ مغیرہ نے رشوت لی ہے۔ حضرت مغیرہؓ نہایت سمجھدار اور عقلمند تھے اور صحابہ میں بہت نیک سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تم نے یہ روپیہ رشوت لیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں لیا ہے مگر ایک لاکھ نہیں دو لاکھ اور وہ میں نے اسی کے پاس جمع کر دیا تھا۔ اس پر وہ شخص گھبرا گیا اور کہا کہ یہ بات بالکل غلط ہے اور انہوں نے کوئی رقم دراصل وصول کی ہی نہیں۔ یہ محض ان کی سختی کی وجہ سے ہم نے سازش کی تھی تا آپ ان کی جگہ دوسرے والی کو بھجوا دیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 281)

یہ بھی دھوکا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس کرایہ نہیں تھا۔ میں بغیر ٹکٹ کے گاڑی پر سوار ہو گیا اور یہاں آ گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سن کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور روپیہ دو روپے جتنا کرایہ بنتا تھا نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا جاتی دفعہ ٹکٹ خرید لینا۔ اور فرمایا یہ بھی ویسا ہی دھوکا ہے جیسے دنیا میں کوئی اور دھوکا کیا جاتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 285)

قافیہ نہیں ملا

کہتے ہیں کسی پٹھان نے کہا "جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ۔" یہ سن کر وہ کہنے لگا "پٹھان رے پٹھان تیرے سر پر کولہو۔"

کسی نے پوچھا کہ قافیہ نہیں ملا۔ وہ کہنے لگا قافیہ تو نہیں ملا مگر کولہو اتنا وزنی ہے کہ اس کا سر توڑ دے گا۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 287-288)

جنگ حوصلوں سے جیتی جاتی ہے سامان سے نہیں

جنگ عظیم کے دنوں میں رنگروٹوں کو صرف دو ماہ کی ٹریننگ کے بعد آگے بھیج دیا جاتا تھا حالانکہ عام حالات میں یہ عرصہ دو سال کا ہوتا ہے۔ اس وقت صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسے بندوق کندھے پر رکھنا آتی ہو اور وہ ڈرے نہیں اور یہ اس لئے کیا جاتا تھا کہ میدان خالی نہ رہے۔

میں نے جنگ عظیم کے متعلق پڑھا ہے کہ ایک موقع ایسا آ گیا تھا کہ سات میل کا رقبہ بالکل خالی ہو گیا تھا۔ اس موقع میں انگریزی فوج کے آدمی یا تو شکست کھا کر ہٹ چکے تھے اور یا مارے جا چکے تھے۔ اگر جرمن افواج کو اس کا علم ہو جاتا تو جنگ کا نقشہ بالکل بدل جاتا۔

جب جنرل HAUG کو اس کا علم ہوا تو اس نے ایک ماتحت جرنیل کو جو شاید آسٹیرین یا کینیڈین تھا بلایا اور کہا کہ ایسا ایسا واقعہ ہو گیا ہے۔ ہمارے پاس اس وقت فوج نہیں جو اس خلاء کو پورا کر سکے۔ میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ جس طرح بھی ہو سکے انتظام کرو کہ یہ خلا پر ہو جائے۔

چنانچہ وہ جرنیل موٹر میں بیٹھا اور دھوبیوں اور باورچیوں اور دوسرے ملازموں سے جو فوج کے پیچھے کام کرتے ہیں جا کر کہا کہ تم لوگ ہمیشہ جنگ میں شریک ہونے کی خواہش کیا کرتے ہو۔ آج تمہارے لئے بھی حوصلے نکالنے کا موقع آ گیا ہے۔ جو ہتھیار جس کے ہاتھ میں آئے لے لو اور چلو۔ بعض کو بندوق چلانی آتی تھی انہیں تو بندوقیں دے دی گئیں مگر دوسروں نے کدالیں اور پھاوڑے وغیرہ لے لئے۔ بعض نے کفگیر ہی اٹھائے اور چار پانچ گھنٹے اس خلا کو پر کئے رکھا اور دشمن کو یہ خیال بھی نہ ہوا کہ یہاں کوئی فوج نہیں ہے حتیٰ کہ پیچھے سے کمک آ گئی۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 293-294)

دل میں اخلاص ہو تو بولنا خدا سکھا دیتا ہے

نہ اچھے بولنے والوں سے یہ کام چلتا ہے اور نہ اچھے لکھنے والوں سے، ضرورت ایمان اور اخلاص کی ہوتی ہے۔ جب دل میں اخلاص ہو تو بولنا اللہ تعالیٰ خود ہی سکھا دیتا ہے۔

دیکھو! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اچھا بولنا نہیں آتا تھا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا بھی کہ میرے بھائی کو بولنا آتا ہے لیکن وہی موسیٰ علیہ السلام جنہیں بولنا نہیں آتا تھا اور جن کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں کہ ان کی زبان میں لکنت تھی اور قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو تقریر کی مشق نہ تھی۔ مگر جب خدا تعالیٰ نے ان کو نبوت دی، ایمان کا چشمہ ان کے اندر سے پھوٹ پڑا تو فرعون کے سامنے جا کر خود ہی تقریر کی۔

حضرت ہارونؑ بھی ساتھ تھے مگر ان کو ایک لفظ تک آپ نے بولنے نہیں دیا اور خود اس زور سے اور ایسی شان سے تقریر کی کہ بڑے سے بڑا مقرر تسلیم کرے گا کہ آپ نے کمال کر دیا۔

دیکھو! مصیبت زدہ عورتیں جن کو ایک لفظ بھی بولنا نہیں آتا، غیر مرد کے سامنے ایک لفظ منہ سے نہیں نکال سکتیں بلکہ رشتہ داروں سے بھی بات نہیں کر سکتیں جب ان کا بچہ کسی مصیبت میں ہو تو ایسی تقریر کرتی ہیں کہ سننے والا دنگ رہ جاتا ہے۔

تو ضرورت یہ ہوتی ہے کہ دل میں زخم ہو، بولنا خود بخود آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دعا سکھائی: رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ اس میں شرح صدر کو پہلے رکھا، جب شرح صدر ہو تو سہولتیں آپ ہی آپ پیدا ہو جاتی ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 296)

خدا کے بندے فاقوں نہیں مرتے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دنیا دار کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ اس کے بہت سے نوکر چاکر تھے۔ ایک دن اس نے خیال کیا کہ انہیں علیحدہ کر کے بچت کی صورت کی جائے لیکن رات کو اس نے خواب دیکھا کہ اس کا خزانہ کھلا پڑا ہے اور کچھ لوگ گڈّے بھر بھر کر مال اس میں سے نکالتے جا رہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو اور میرا مال کہاں لے جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم فرشتے ہیں، پہلے کچھ لوگوں کا رزق تمہارے پاس تھا مگر اب تم نے ان کو نکالنے کا ارادہ کیا ہے اس لئے ان کے حصہ کا رزق اب دوسری جگہوں پر بھیجا جائے گا۔

تو رزق ہر ایک کا خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور جب عام حالت میں یہ ہے تو خدا تعالیٰ کے دین کا کام کرنے والے کیوں اپنا رزق ساتھ نہ لائیں گے۔ کون ہے جو خدا تعالیٰ کا بندہ کہلائے اور پھر خدا تعالیٰ اسے فاقہ سے مرنے دے۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 297-298)

جلدی کرو۔ طبیعت بہت خراب تھی

خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے سے تیاری کرنی چاہئے۔ اگر ہم قبل از وقت ان کے لئے تیار نہیں ہوں گے تو موقع آنے پر بالکل گھبرا جائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی۔ غالباً آپ جن دنوں سیالکوٹ میں تھے یا کسی اور مقام پر قادیان سے باہر تھے کہ آپ کو خبر پہنچی کہ آپ کی والدہ سخت بیمار

ہیں۔ یہ سن کر آپ فوراً قادیان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپ بٹالہ سے یکہ میں بیٹھ کر قادیان کی طرف روانہ ہوئے تو جو شخص لینے آیا ہوا تھا وہ بار بار یکہ والے سے کہنے لگا کہ ذرا جلدی کرو، بی بی صاحبہ کی طبیعت بہت ہی خراب تھی خدا خیر کرے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اور زیادہ یکہ والے کو تاکید کرنے لگا اور یوں کہنا شروع کیا کہ کہیں خدانخواستہ فوت ہی نہ ہو گئی ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے: میں نے اس فقرہ سے سمجھ لیا کہ وہ فوت ہو چکی ہیں اور یہ مجھے صدمہ کے لئے تیار کر رہا ہے اور میں نے اس سے کہا کہ تم ڈرو نہیں اور جو سچ بات ہے وہ بتا دو۔ اس پر اس نے کہا کہ بات تو یہی ہے کہ وہ فوت ہو چکی ہیں۔

اب دیکھو! وہ اس قسم کے فقرات تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کہہ کر آپ کو صدمہ کی خبر سنانے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ ورنہ جو حادثہ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا تو دنیا میں جو معمولی حادثات وقوع میں آتے ہیں ان کی برداشت کے لئے بھی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 332-333)

(الفضل آن لائن 5/ نومبر 2022ء)

(قسط 8)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

نواب صاحب اور نماز

جیسے شرعاً جائز ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی پاجامہ ہو اور اُس پر پیشاب کے چھینٹے پڑے ہوئے ہوں اور نماز کا وقت آ جائے تو وہ اُسی پاجامہ کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ مگر اِس کے یہ معنے نہیں کہ دوسرے وقتوں میں بھی جب اُس کے پاس صاف پاجامہ موجود ہو یا اُسی کو دھو سکتا ہو، وہ اُسی پاجامہ کے ساتھ نماز پڑھنے لگ جائے کیونکہ یہ اجازت ضرورت کے وقت کے لئے ہے ہر وقت کے لئے نہیں۔

عورتوں میں اکثر یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ نماز چھوڑ دیتی ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے کہ کیوں نہیں پڑھی؟ تو وہ جواب دیتی ہیں کہ ہمارے کپڑے صاف نہیں، بچے اِن پر پیشاب کر دیتے ہیں حالانکہ اِس قسم کے عذرات سے نماز کا چھوڑنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ مجھ سے جب بعض دفعہ عورتیں یہ مسئلہ پوچھتیں اور اِس کے متعلق میرا فتویٰ طلب کرتی ہیں تو میں اُنہیں کہا کرتا ہوں کہ پیشاب کے چھینٹے کیا اگر کپڑا پیشاب میں رنگا ہوا بھی ہو اور نماز کا وقت آ جائے اور نہ اَور کپڑا ہو، اور نہ اُسے دھویا جا سکتا ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اُنہی کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھ لو۔

ایک دفعہ ایک نواب صاحب جو ہِز اگزالٹڈ ہائی نس نظام حیدر آباد کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں یہاں آئے۔ میں نے انہیں نصیحت کی کہ آپ نماز ضرور پڑھا کریں اور سفر و حضر میں اِس کی پابندی کیا

کریں۔ وہ کہنے لگے کہ سفر میں مجھے یہ وہم رہتا ہے کہ طہارت درست نہیں ہوئی اِس لئے میں نماز پڑھنے سے ہچکچاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ بعض عورتیں جب مجھ سے یہ مسئلہ پوچھتی ہیں اور کہا کرتی ہیں کہ ہمارے کپڑوں پر بچے پیشاب کرتے رہتے ہیں ہم کیا کریں؟ تو میں انہیں یہی جواب دیا کرتا ہوں کہ اول تو یہی بہتر ہے کہ کپڑے بدل لو یا اِنہی کپڑوں کو دھولو لیکن اگر تمہارے پاس کوئی اور کپڑا نہیں اور ان کپڑوں کو دھونے لگو تو نماز کا وقت فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو تم اِس بات کی مت پرواہ کرو کہ تمہارے کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں بلکہ اگر کپڑا پیشاب میں ڈوبا ہوا ہو تب بھی اُس کے ساتھ نماز پڑھ لو۔ سو یہی نصیحت میں آپ کو کرتا ہوں۔ آپ بھی اس قسم کے وہم کر کے نماز کے تارک نہ بنیں۔ میری اس نصیحت کا ان پر بہت گہرا اثر ہوا اور ان کا دل بالکل پگھل گیا اور انہوں نے وعدہ کیا کہ میں اب نماز پڑھنا نہیں چھوڑوں گا۔ دوسرے دن ان کے نوکر نے ہمارے کسی آدمی کو بتایا کہ نواب صاحب پر آپ کے خلیفہ صاحب کی نصیحت کا خوب اثر ہوا۔ رات کے بارہ ایک بجے تک وہ نواب صاحب کو سمجھاتے رہے۔ جب وہ اُٹھے تو اُن کو سخت نیند آئی ہوئی تھی مگر مجھے بلا کر کہنے لگے کہ آج صبح کی نماز کے وقت مجھے ضرور جگا دینا میں وعدہ کر چکا ہوں کہ اب نماز پڑھنی نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے کہا سرکار کو جگانا ذرا مشکل ہی ہے۔ وہ کہنے لگے اگر میں نہ اُٹھوں تو میری چارپائی اُلٹا دینا۔ چنانچہ صبح کے وقت میں نے اُنہیں جگا دیا، وہ اُٹھ بیٹھے۔ میں نے وضو کرا دیا اور وہ مسجد کی طرف چل پڑے۔ مگر آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں۔ وہاں بھی جا کر نیند کی حالت میں ہی اُنہوں نے نماز پڑھی اور جب سلام پھیر کر واپس آنے لگے تو اُسی نیند کی حالت میں بجائے اپنا جوتا پہننے کے کسی اور شخص کا نہایت پھٹا پرانا جوتا پہن کر چل پڑے۔ راستہ میں کسی نے دیکھا تو پوچھا نواب صاحب آپ کے پاؤں میں کس کا جوتا ہے؟ اِس پر اُنہوں نے آنکھیں کھولیں اور جوتا دیکھ کر گھبرا گئے اور نوکر سے کہنے لگے جلدی سے یہ جوتا مسجد میں لے جاؤ اور وہیں جا کر رکھ دو کہیں اس جوتے کا مالک مجھے چور نہ سمجھ لے۔

اس کے بعد کچھ پتہ نہیں چلا کہ انہوں نے نماز قائم رکھی یا نہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 338 تا 340)

قابل قدر اخلاص اور جذبہ تبلیغ

1934ء میں جب میں نے یہ تحریک کی اور اعلان کیا کہ نوجوانوں کو غیر ممالک میں نکل جانا چاہئے تو یہ نوجوان جو غالباً دینیات کی متفرق کلاس میں پڑھتا تھا اور عدالت خان اِس کا نام تھا، تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور کا رہنے والا تھا، میری اِس تحریک پر بغیر اطلاع دیئے کہیں چلا گیا۔ قادیان کے لوگوں نے خیال کر لیا کہ جس طرح طالب علم بعض دفعہ پڑھائی سے دل برداشتہ ہو کر بھاگ جایا کرتے ہیں اِسی طرح وہ بھی بھاگ گیا ہے۔ مگر دراصل وہ میری اِس تحریک پر ہی باہر گیا تھا مگر اس کا اس نے کسی سے ذکر تک نہ کیا۔

چونکہ ہمارے ہاں عام طور پر صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید اور دوسرے شہداء کا ذکر ہوتا رہتا ہے اِس لئے اُسے یہی خیال آیا کہ میں بھی افغانستان جاؤں اور لوگوں کو تبلیغ کروں۔ اُسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ غیر ملک میں جانے کے لئے پاسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اُسے پاسپورٹ مہیا کرنے کے ذرائع کا علم تھا۔ وہ بغیر پاسپورٹ لئے نکل کھڑا ہوا اور افغانستان کی طرف چل پڑا۔ جب افغانستان میں داخل ہوا تو چونکہ وہ بغیر پاسپورٹ کے تھا اس لئے حکومت نے اُسے گرفتار کر لیا اور پوچھا کہ پاسپورٹ کہاں ہے؟ اُس نے کہا کہ پاسپورٹ تو میرے پاس کوئی نہیں۔ انہوں نے اسے قید کر دیا مگر جیل خانہ میں بھی اُس نے قیدیوں کو تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ کوئی مہینہ بھر ہی وہاں رہا ہو گا کہ افسروں نے رپورٹ کی کہ اسے رہا کر دینا چاہئے ورنہ یہ قیدیوں کو احمدی بنالے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو ہندوستان کی سرحد پر لا کر چھوڑ دیا۔ جب وہ واپس آیا تو اُس نے مجھے اطلاع دی کہ میں آپ کی تحریک پر افغانستان گیا تھا اور وہاں میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ اب آپ بتائیں کہ مَیں کیا کروں؟ میں نے اُسے کہا کہ تم چین میں چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ چین گیا اور چلتے وقت اُس نے ایک اَور لڑکے کو بھی جس کا نام محمد رفیق ہے اور ضلع ہوشیارپور کا رہنے والا ہے تحریک کی کہ وہ ساتھ چلے۔ چنانچہ وہ بھی ساتھ تیار ہو گیا۔ اُس کے چونکہ رشتہ دار موجود تھے اور بعض ذرائع بھی اسے میسر تھے اِس لئے اُس نے کوشش کی اور اسے پاسپورٹ مل گیا۔

جس وقت یہ دونوں کشمیر پہنچے تو محمد رفیق تو آگے چلا گیا مگر عدالت خاں کو پاسپورٹ کی وجہ سے روک لیا گیا اور بعد میں گاؤں والوں کی مخالفت اور راہ داری کی تصدیق نہ ہو سکنے کی وجہ سے وہ کشمیر میں ہی

رہ گیا اور وہاں اِس انتظار میں بیٹھ رہا کہ اگر مجھے موقع ملے تو میں نظر بچا کر چین چلا جاؤں گا مگر چونکہ سردیوں کا موسم تھا اور سامان اُس کے پاس بہت کم تھا اِس لئے کشمیر میں اسے ڈبل نمونیہ ہو گیا اور دو دن بعد فوت ہو گیا۔

ابھی کشمیر سے چند دوست آئے ہوئے تھے اُنہوں نے عدالت خاں کا ایک عجیب واقعہ سنایا جسے سن کر رشک پیدا ہوتا ہے کہ احمدیت کی صداقت کے متعلق اسے کتنا یقین اور وثوق تھا۔ وہ ایک گاؤں میں بیمار ہوا تھا جہاں کوئی علاج میسر نہ تھا۔ جب اس کی حالت بالکل خراب ہو گئی تو اُن دوستوں نے سنایا کہ وہ ہمیں کہنے لگا کسی غیر احمدی کو تیار کرو جو احمدیت کی صداقت کے متعلق مجھ سے مباہلہ کر لے۔ اگر کوئی ایسا غیر احمدی تمہیں مل گیا تو مَیں بچ جاؤں گا اور اُسے تبلیغ بھی ہو جائے گی ورنہ میرے بچنے کی اور کوئی صورت نہیں۔ شدید بیماری کی حالت میں یہ یقین اور وثوق بہت ہی کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے کیونکہ ننانوے فیصدی اِس بیماری سے مر جاتے ہیں اور بعض تو چند گھنٹوں کے اندر ہی وفات پا جاتے ہیں۔

ہماری مسجد مبارک کا ہی ایک مؤذن تھا وہ عصر کے وقت بیمار ہوا اور شام کے وقت فوت ہو گیا۔ ایسی خطرناک حالت میں جبکہ اُس کی موت کا ننانوے فیصدی یقین کیا جا سکتا تھا اُس نے اپنا علاج یہی سمجھا کہ کسی غیر احمدی سے مباہلہ ہو جائے اور اُس نے کہا کہ اگر مباہلہ ہو گیا تو یقیناً خدا مجھے شفا دے گا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ میں اِس مرض سے مر جاؤں۔

بہر حال اِس واقعہ سے اُس کا اخلاص ظاہر ہے۔ اِسی طرح اُس کی دور اندیشی بھی ثابت ہے کیونکہ اُس نے ایک اَور نوجوان کو خود ہی تحریک کی کہ میرے ساتھ چلو اور وہ تیار ہو گیا۔

اِس طرح گو عدالت خاں فوت ہو گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اُس کے بیج کو ضائع نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے شخص نے جسے وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا احمدیت کے جھنڈے کو پکڑ کر آگے بڑھنا شروع کر دیا اور مشرقی شہر کاشغر میں پہنچ گیا اور وہاں تبلیغ شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے ایک دوست کو اللہ تعالیٰ نے احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرما دی۔ حاجی جنود اللہ صاحب اُن کا نام ہے۔ وہ اِسی تبلیغ کے نتیجہ میں قادیان آئے اور تحقیق کرکے احمدیت میں شامل ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد حاجی جنود اللہ صاحب کی والدہ اور ہمشیرہ بھی احمدی ہو گئیں اور اب تو وہ قادیان ہی آئے ہوئے ہیں۔

تو عدالت خاں کی قربانی رائیگاں نہیں گئی بلکہ احمدیت کو اس علاقہ میں پھیلانے کا موجب بن گئی۔ یہ ایک ایسا علاقہ ہے جس میں احمدیت کی اشاعت کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسے ایسے خطرناک اور دشوار گزار رستے ہیں کہ اُن کو عبور کرنا ہی بڑی ہمت کا کام ہے۔ حاجی جنود اللہ صاحب کی والدہ نے بتایا کہ رستہ میں ایک مقام پر وہ تین دن تک برف پر گھٹنوں کے بل چلتی رہیں۔

ایسے سخت رستوں کو عبور کر کے ہماری جماعت کے ایک نوجوان کا اُس علاقہ میں پہنچنا اور لوگوں کو تبلیغ کرنا بہت بڑی خوشی کی بات ہے۔

تو تحریک جدید کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے عدالت خاں کو پہلے یہ توفیق دی کہ وہ افغانستان جائے چنانچہ وہ افغانستان میں کچھ عرصہ رہا اور جب وہ واپس آیا تو میری تحریک پر وہ چین کے لئے روانہ ہو گیا اور خود ہی ایک اور نوجوان کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ راستہ میں عدالت خاں کو خدا تعالیٰ نے شہادت کی موت دے دی مگر اُس کے دوسرے ساتھی کو اس امر کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ آگے بڑھے اور مشرقی ترکستان میں جماعت احمدیہ قائم کر دے۔

یہ دو واقعاتِ شہادت بتاتے ہیں کہ گو یہ اپنی جدوجہد میں کامیاب نہیں ہوئے مگر اِن کی کوششیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول تھیں۔ چنانچہ اِن دو آدمیوں میں سے ایک کو تو اللہ تعالیٰ نے عملی رنگ میں شہادت دے دی اور دوسرے کی وفات ایسے رنگ میں ہوئی جو شہادت کے ہمرنگ ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 367 تا 369)

عہدے کی اصل غرض

گبن جو ایک مشہور مؤرخ ہے، اُس نے روم کی ترقی و تنزّل کے حالات کے متعلق ایک تاریخی کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں وہ ایک مسلمان بادشاہ کا ذکر کرتا ہے جس کی اٹھارہ سال کی عمر تھی، اُس کا باپ فوت ہو گیا تھا اور وہ اُس کی جگہ بادشاہ بنا دیا گیا تھا۔ جب وہ بادشاہ بنا تو اُس کے چچا اور دوسرے بھائیوں نے بغاوت کر دی اور اس قدر شورش پیدا کر دی کہ اس کی حکومت چاروں طرف سے خطرات میں گھر گئی۔

اس بادشاہ کا ایک وزیر تھا جس کا نام نظام الدین طوسی تھا۔ نظام الدین طوسی علمی دُنیا میں ایسی شہرت رکھتا تھا جیسے سیاسی دُنیا میں سکندر اور نپولین شہرت رکھتے ہیں۔ تمام اسلامی مدارس جو آجکل مشرقی دُنیا میں جاری ہیں اِسی کی نقل میں جاری ہیں کیونکہ سب سے پہلے اِسی نے ان مدرسوں کا طریق ایجاد کیا تھا۔ وہ نظام الدین طوسی مذہب کے لحاظ سے شیعہ تھا۔ جب بغاوت زیادہ بڑھ گئی تو اُس نے بادشاہ کو تحریک کی کہ حضرت موسیٰ رضا کے مقبرہ پر جا کر کامیابی کے لئے دعا کی جائے۔ اِس کی غرض یہ تھی کہ اگر بادشاہ کو کامیابی حاصل ہو گئی تو یہ بھی شیعہ ہو جائے گا۔ گبن لکھتا ہے کہ نظام الدین طوسی کی اِس تحریک پر نوجوان بادشاہ موسیٰ رضا کے مقبرہ پر گیا اور وہاں دونوں نے دعا کی۔ جب وہ دعا سے فارغ ہو گئے تو بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ میں نے بھی دعا کی ہے اور آپ نے بھی دعا کی ہے، کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آپ نے کیا دعا کی ہے؟

نظام الدین طوسی نے کہا میں نے یہ دعا کی ہے کہ خدایا تُو ہمارے بادشاہ کو فتح دے اور اِس کے دشمنوں کو شکست دے۔ بادشاہ نے کہا میں نے تو یہ دعا نہیں کی۔ نظام الدین نے پوچھا پھر آپ نے کیا دعا کی ہے؟

بادشاہ نے کہا میں نے یہ دعا کی ہے کہ اے خدا! بادشاہت تیری ایک امانت ہے جو بندوں کے سپرد کی جاتی ہے اور یہ ایک بوجھ ہے جو ان کے کندھوں پر تیری طرف سے ڈالا جاتا ہے اِس عہدے کی صرف ایک ہی غرض ہے اور وہ یہ کہ ملک اور رعایا کے حقوق کی حفاظت کی جائے اور ان کے لئے ترقی کے زیادہ سے زیادہ مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ مگر اے میرے رب! مجھے معلوم نہیں کہ میں اس عہدہ کے قابل ہوں یا میرا چچا اور میرے بھائی اِس عہدے کے لئے مجھ سے زیادہ موزوں ہیں، میں حالات سے بالکل ناواقف ہوں اور میں غیب کی کوئی بات نہیں جانتا، پس میں تجھ سے نہایت عاجزانہ طور پر التجا کرتا ہوں کہ اگر تیرے نزدیک میں ہی اس عہدے کے زیادہ قابل ہوں تو کل کی جنگ میں مجھے فتح دیجیو اور اگر میری فتح میرے ملک اور میری قوم کے لئے نقصان رساں ہے اور میرا چچا اور میرے بھائی مجھ سے زیادہ قابل اور زیادہ موزوں ہیں تو اے خدا! کل مجھے موت دیجیو اور میرے چچا اور میرے بھائیوں کو فتح دیجیو تاکہ ملک کا بھلا ہو اور وہ بادشاہت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکے۔

گبن ایک عیسائی مؤرخ اور نہایت ہی متعصب مؤرخ ہے مگر وہ اس عظیم الشان واقعہ سے اِس قدر شدید طور پر متاثر ہوا ہے کہ بے اختیار ہو کر اس مقام پر لکھتا ہے کہ مسلمان بے شک کافر ہیں اور ہماری قوم ان کی بُرائیاں بیان کرتی ہے اور میں بھی انہیں بُرا ہی سمجھتا ہوں مگر میں عیسائی دُنیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ کیا تم سارے مل کر بھی وہ نمونہ پیش کر سکتے ہو جو ایک مسلمان نوجوان نے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 378-379)

خدمت دین کی برکت

میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُنا ہے کہ ایک دفعہ تیمور یا محمود غزنوی کو ایک جنگ میں شکست ہونے لگی تو اُس نے دعا کی کہ خدایا! میں تو اسلام کی خدمت کے لئے لڑ رہا تھا اور میری نیت کا تجھے علم ہے، اگر میں اپنی بڑائی یا اپنی حکومت کی توسیع کے لئے جنگ کرتا تو اور بات تھی مگر میری نیت تو تیرے دین کی خدمت ہے اور اب میری شکست کا اثر صرف مجھ تک محدود نہیں رہے گا بلکہ تیرے دین تک بھی پہنچے گا پس تو اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کر دے کہ یہ شکست فتح سے بدل جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اُس کی اِس دعا کو قبول کیا اور معاً ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ دشمن نے غلطی سے یہ سمجھ کر کہ یہ مقابل کی فوج ہے، اپنے اُسی دستہ پر حملہ کر دیا جو مسلمانوں کی فوج کو شکست دیتا چلا جا رہا تھا اور اِس طرح مسلمانوں کی شکست فتح میں تبدیل ہو گئی۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 379-380)

ووٹ ڈال دیا

بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بہت بڑا اثر پیدا کر دیتی ہیں۔ لاہور میں ایک صاحب الیکشن میں کھڑے ہوئے غیر احمدیوں نے فیصلہ کیا کہ کوئی اُس کو ووٹ نہ دے۔ اُنہوں نے ایک احمدی کے متعلق یہ بات بیان کی کہ ایک بوڑھا احمدی باوجود بہت تکلیف اور دِقّت کے ووٹ دینے کے لئے گیا اور اس نے کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ ہمارے امام نے ہمیں ووٹ اِس طرف دینے کے لئے کہا ہے۔

اِس بات کا اُس پر اِتنا اثر ہوا کہ سالہا سال بعد بھی جب وہ ملتا تو کہتا کہ اگر کوئی چیز ہے تو یہ ہے حالانکہ یہ ایک معمولی بات تھی۔ لیکن اگر ساری جماعت میں یہی پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے فرائض کو پوری طرح سمجھیں تو اس سے سینکڑوں گنا احمدی ہو جائیں گے۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 386)

تقویٰ وروحانیت سے خالی لسان اور لیکچرار انقلاب پیدا نہیں کر سکتے

یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ دُنیا کی نگاہ میں بڑے ہیں وہ زیادہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ یا جو دُنیا کی نگاہ میں چھوٹے ہیں وہ ہمارے کام نہیں آسکتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب وحی ہوئی کہ جا اور فرعون کو تبلیغ کر تو اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عذر کیا اور کہا کہ مَیں اچھی طرح بولنا نہیں جانتا، میرے بھائی ہارون کو میرے ساتھ کر دیجئے۔ وہ زیادہ عمدگی سے بولنا جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اِس درخواست پر حضرت ہارون علیہ السلام کو اُن کا نائب تو مقرر کر دیا مگر موسیٰ علیہ السلام کو اپنے فرض سے سبکدوش نہیں کیا بلکہ فرمایا تم ہارون کو ساتھ لے کر فرعون کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ فرعون کے پاس گئے مگر جب وہاں پہنچے تو بجائے اِس کے کہ وہ اپنے بھائی کو بولنے دیں، تمام باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود کیں اور اُنہیں ایک موقع پر بھی یہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ حضرت ہارون علیہ السلام اُن کی اعانت کریں حالانکہ وہ خود کہہ چکے تھے کہ ہارون مجھ سے زیادہ اچھا بولتا ہے اسے میرے ساتھ کر دیں مگر جب فرعون کے پاس پہنچتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہارونؑ کو ایک لفظ بھی بولنے نہیں دیتے۔

چنانچہ قرآن کریم میں جو گفتگو بیان ہوئی ہے وہ سب وہی ہے جو حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان ہوئی ہارونؑ کا کہیں ذکر بھی نہیں آتا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شروع میں کہتے ہیں کہ اے خدا! ہارون کو وزیر بنا کر میرے ساتھ بھیج دے کیونکہ وہ بولنا جانتے ہیں مگر میں بولنا نہیں جانتا۔ اِس طرح خدا نے یہ ظاہر کر دیا کہ جس کا انتخاب ہم نے کیا تھا وہی کام کے لئے زیادہ موزوں تھا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بظاہر بولنا نہیں جانتے تھے مگر جب خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت کے ساتھ وہ بولے تو اُنہیں اس بات کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کہ ہارون ان کی مدد کریں۔

تو لسّانی کوئی چیز نہیں، نہ کسی کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کوئی چیز ہے۔ بڑائی وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور بات وہی ہے جو دل پر اثر کرتی ہے۔ ہزاروں لیکچرار دُنیا میں ایسے ہوتے ہیں جن کی زبان نہایت منجھی ہوئی ہوتی ہے مگر جب وہ تقریر کرتے ہیں تو اس کا دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ان کے ذریعہ کسی قسم کا تغیر رونما ہوتا ہے۔

بو علی سینا ایک بہت بڑے حکیم گزرے ہیں۔ طب میں ان کا نہایت اعلیٰ مقام ہے۔ منطق اور فلسفہ کے بھی ماہر تھے اور دین سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ آدمی نیک اور نمازی تھے۔

ایک دفعہ وہ فلسفہ کی باتیں کر رہے تھے کہ ان کا ایک شاگرد ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا حضرت آپ تو نبی ہیں اور آپ کی نبوت میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں اس کی یہ بات بہت بُری محسوس ہوئی اور اُنہوں نے کہا کہ تم کیسی احمقانہ باتیں کرتے ہو۔ مجھے نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں اور نہ مجھے نبی کہنا جائز ہے۔ وہ کہنے لگا آپ خواہ دعویٰ کریں یا نہ کریں واقعہ یہی ہے کہ آپ نبی ہیں کیونکہ اِس قسم کی باتیں سوائے نبی کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ خیر وہ خاموش رہے۔ کچھ دنوں کے بعد سردی کا موسم شروع ہو گیا۔ جس علاقہ میں وہ اُس وقت تھے وہ یوں بھی سرد تھا۔ مگر جب سردی بہت زیادہ تیز ہو گئی تو حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ پانی بھی جم گیا۔ ایک دن وہ ایک حوض کے کنارے بیٹھے تھے سخت سردی پڑ رہی تھی اور پانی جم کر برف بنا ہوا تھا کہ اُنہوں نے اپنے اسی شاگرد سے کہا کہ میاں کپڑے اُتارو اور اس حوض میں کود جاؤ۔ پہلے تو اس نے سمجھا کہ یہ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ چنانچہ کہنے لگا اِس حوض میں اگر کوئی کودے تو وہ یقیناً مر جائے، آپ مجھے مارنا چاہتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا پھر کیا ہوا، میں جو کہتا ہوں کہ کود جاؤ۔ وہ پھر کہنے لگا میں اس حوض میں کس طرح کود سکتا ہوں، اس میں کودوں تو فوراً مر جاؤں۔ وہ کہنے لگے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس حوض میں کود جاؤ۔ جب اس نے سمجھا کہ یہ سچ مچ مجھے کودنے کا حکم دے رہے ہیں تو وہ حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگ گیا اور کہنے لگا کہ کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں؟

بو علی سینا کہنے لگے کہ نالائق تجھے وہ بات بھول گئی کہ تو نے مجھے کہا تھا کہ آپ تو نبی ہیں۔ ارے! تو تو اِس حوض میں کودنے کے لئے تیار نہیں حالانکہ مجھے نبی کہہ چکا ہے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

صحابی وہ تھے جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے حوض میں کود گئے اور اُنہوں نے اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی کہ ان کا کیا انجام ہو گا۔

تو بو علی سینا ممکن ہے فن لیکچراری میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھے ہوئے ہوں، اِسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھے ہوئے ہوں اور بو علی سینا پر ہی کیا منحصر ہے، دُنیا میں ہزاروں لسّان ہیں، ہزاروں کامیاب لیکچرار ہیں، ہزاروں ایسے ہیں جو باتیں کرتے وقت تمام مجلس پر چھا جاتے ہیں مگر کیا اُنہوں نے دُنیا میں کبھی کوئی تغیر پیدا کیا؟ اور کیا ان کے ذریعہ کبھی کوئی سچی قوم بھی پیدا ہوئی؟

دُنیا میں ایسے لوگوں کے ذریعہ کبھی کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ اِس وجہ سے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں دل سے نہیں کہتے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول اور ان کے خلفاء اور ان رسولوں کے سچے تابعین جو کچھ کہتے ہیں اپنے دل سے کہتے ہیں اور جب ان کی زبان پر الفاظ جاری ہوتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ان کا دل غم سے پگھل رہا ہوتا ہے اور وہ ہر لفظ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور یہ دعا بھی کرتے جاتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے ان الفاظ کا تو شیریں پھل پیدا کر، ایسا نہ ہو کہ ہم بے مراد اور بے ثمر رہیں۔

اِسی لئے ان کی باتوں میں برکت ہوتی ہے اور جب ان کی زبان سے الفاظ نکل رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اُن کے ساتھ دوڑتے چلے جاتے ہیں اور وہ کانوں کے راستے ان الفاظ کو لوگوں کے قلوب میں بٹھا دیتے ہیں یہاں تک کہ آہستہ آہستہ دُنیا میں ایک نہایت خوشگوار تغیر رونما ہو جاتا ہے۔ مگر اپنے زمانہ میں لوگ ان کے متعلق یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی بڑے خطیب نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بعض دفعہ عربوں کے وفد آتے اور وہ آکر کہتے کہ لسّانی میں ہمارا مقابلہ کر لیا جائے۔ گویا وہ خیال کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دعویٰ ہے کہ میں بڑا لسّان اور ادیب ہوں۔ حالانکہ آپ کا یہ دعویٰ نہ تھا بلکہ آپ کا دعویٰ یہ تھا کہ میں خدا تعالیٰ کا ایک پیغامبر ہوں۔ پس اِس قسم کے آدمیوں کا جمع ہونا، ان کا مشوروں میں شامل ہونا اور آئندہ کے متعلق

ان کا تدابیر سوچنا مفید ثابت نہیں ہو سکتا جو محض لسّان اور لیکچرار ہوں اور جن کے دل تقویٰ و طہارت اور روحانیت سے خالی ہوں۔

بلکہ ایسے ہی لوگ مفید ہو سکتے ہیں جو نیک اور پاک ہوں، اور وہی تدابیر سلسلہ کے لئے مفید ہو سکتی ہیں جن کے ساتھ دل کا خون شامل ہو۔ جن تدابیر کے ساتھ مومن کے دل کا خون شامل نہیں اور جن مشوروں کے ساتھ مومن کی عاجزانہ دعائیں شامل نہیں وہ تدابیر اور مشورے دین کے لئے مفید نہیں ہو سکتے۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ436تا438)

مہاراج یہ دہلی سے آئے ہیں

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے دربار میں دہلی کا ایک طبیب آیا اور ان کے وزیر فقیر عزیز الدین سے مل کر اصرار کیا کہ مجھے مہاراجہ کے پیش کر دیا جائے۔ وہ شریف آدمی تھے اِس لئے انکار بھی نہ کر سکتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی وزارت طب ہی کی وجہ سے ہے۔ اُنہوں نے اسے مہاراجہ کے پیش تو کر دیا مگر ساتھ کہا کہ مہاراج! یہ دہلی سے آئے ہیں، طب خوب پڑھ چکے ہیں اور حضور کے طفیل اب اِن کو تجربہ بھی ہو جائے گا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ تھے تو اَن پڑھ مگر ذہین بہت تھے فوراً سمجھ گئے اور کہا کہ تجربہ کے لئے غریب رنجیت سنگھ کی جان ہی نظر آتی ہے؟ اسے کچھ انعام دیا اور رخصت کر دیا۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 441)

(الفضل آن لائن 5/ نومبر 2022ء)

(قسط 9)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

بیکار پڑے ہیرے

میں گزشتہ دنوں کراچی میں تھا کہ ایک غیر احمدی گریجویٹ جو عرب کے علاقہ میں کام کرتے ہیں مجھ سے ملنے آئے اور کہنے لگے کہ ریل میں مجھے آپ کا ایک مرید ملا جس نے مجھے ایک رسالہ دیا اور پھر کچھ تبلیغ بھی کی مگر جب میں نے اس سے نبوت کے متعلق سوال کیا تو وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس کے بعد وہ مجھے خیر خواہ بن کر کہنے لگا آپ ایسا انتظام کریں کہ آپ کی جماعت میں جو جاہل لوگ ہیں وہ دوسروں کو تبلیغ نہ کیا کریں۔ کیونکہ ایسے آدمیوں کو تبلیغ کے لئے بھیجنا بالکل فضول ہے صرف ایسے ہی لوگوں کو بھجوانا چاہئے جو تمام مسائل سے واقفیت رکھتے ہوں۔

اِس کے بعد انہوں نے مجھ سے وہی سوال کیا جس کا میں نے انہیں جواب دیا اور پوچھا کہ کیا اب آپ کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اب میں یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ پھر میں نے اُن سے کہا آپ یہ کہتے ہیں کہ وہ اَن پڑھ تھا اور تبلیغ کی اجازت ایسے ہی لوگوں کو دینی چاہئے جو پڑھے لکھے ہیں، حالانکہ آپ میرے پاس اُسی کی تبلیغ کے نتیجہ میں آئے ہیں۔ اگر وہ آپ کو تبلیغ نہ کرتا تو آپ یہاں بھی نہ آتے۔ بیشک آپ بی۔ ایس۔ سی ہیں اور وہ شاید پرائمری تک پڑھا ہوا ہو مگر اُس پرائمری پڑھے ہوئے شخص کے دل میں ایک جوش تھا اور اُس نے چاہا کہ وہ نعمت جو اُس کے پاس ہے آپ اس سے

محروم نہ رہیں چنانچہ اُس نے آپ کو تبلیغ کی اور آپ اسی کے نتیجہ میں مجھ سے ملنے آ گئے۔ پس آپ کو اس کے اخلاص کی قدر کرنی چاہیئے۔

تو جماعت کے دوستوں کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی وجہ سے بعض بالکل ان پڑھ ہوتے ہیں مگر اپنے دل میں تبلیغ کا ایسا جوش رکھتے ہیں جو بہت ہی قابلِ قدر ہوتا ہے۔ اس کراچی کے سفر میں گجرات کا ایک نوجوان میرے ساتھ تھا اُس کے طریقِ عمل سے بعض دفعہ تکلیف بھی ہوتی مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اپنے اندر جوش اور اخلاص رکھتا تھا۔

چنانچہ ایک سٹیشن پر اسے گجرات کا ہی ایک آدمی مل گیا وہ اُس کا واقف نہیں تھا صرف زبان سے اُس نے سمجھ لیا کہ یہ بھی گجرات کا ہے۔ چنانچہ اُس نے اُس سے باتیں شروع کر دیں اور کہا کہ تم یہاں کس طرح آئے ہو؟ اُس نے بتایا کہ میں سندھ میں نوکر ہوں۔ غرض اِسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ اُسے میرے پاس لا کر کہنے لگا اِن سے مصافحہ کرو۔ چنانچہ اُس نے مصافحہ کیا۔ پھر وہ کہنے لگا انہیں دعا کے لئے بھی کہو۔ چنانچہ اس نے دعا کے لئے بھی کہا۔ پھر کہنے لگا اب تمہیں بیعت کر لینی چاہیئے حالانکہ نہ اُس نے احمدیت کا نام سُنا ہوا تھا اور نہ اُسے مسائل وغیرہ کا کوئی علم تھا۔ بس پہلے اُسے مصافحہ کرایا پھر اُسے کہہ دیا کہ ان سے اپنے لئے دعا کراؤ اور اس کے بعد اُس پر زور دینا شروع کر دیا کہ اب بیعت بھی کر لو۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ یہ تو احمدیت کے مسائل سے کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتا اِسے بیعت کے لئے کیوں مجبور کرتے ہو؟ مگر وہ بیچارہ یہی سمجھتا تھا کہ تبلیغ یہی ہے کہ دوسرے کو جھٹ بیعت کے لئے کہہ دیا جائے۔

اِسی طرح ایک اور اسٹیشن آیا تو وہاں قادیان کا ایک شخص کھڑا تھا مگر یہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔ دوڑ کر اس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا آپ احمدی ہیں؟ اور جب اس نے کہاں ہاں۔ تو کہنے لگا ''چنگّا پھر **اَلحَمدُ لِلّٰہ**'' میں نے اسے کہا کہ تم اس طرح نہ کیا کرو اس طرح لوگوں کو ٹھوکر لگتی ہے۔ مگر وہ کہنے لگا نہیں جی! اس طرح تبلیغ ہوتی ہے۔ اپنے ذہن میں اس نے سمجھ رکھا تھا کہ جب احمدیت سچی ہے تو پھر اس کے لئے کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے۔

تو ہماری جماعت کے دوستوں کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں مگر افسوس ہے کہ ان میں سے کئی سے ہم نے صحیح رنگ میں کام نہیں لیا۔ وہ ہیرے ہیں جو خدا نے ہمارے ہاتھ میں دیئے مگر ہم ان ہیروں کو کاٹ کر منڈی میں نہیں لے گئے بلکہ وہ پتھروں کی طرح ہمارے گھروں میں بیکار پڑے ہوئے ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 485-486)

مومن اکیلا ہی قربانی کے لئے تیار رہتا ہے

مومن اکیلا ہی خدا تعالیٰ کے راستہ میں قربانی کیا کرتا ہے اور دراصل وہ مومن ہی نہیں جو دوسرے کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے کہ وہ میری مدد کے لئے آتا ہے یا نہیں۔ مجھے اپنے زندگی کے کاموں میں سے جو بہترین کام نظر آیا کرتا ہے اور جس کا خیال کر کے بھی میرا دل خوشی سے بھر جاتا ہے وہ وہی واقعہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر پیش آیا اور جس کا مَیں کئی دفعہ ذکر کر چکا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وفات پا گئے تو میرے کانوں میں بعض لوگوں کی یہ آواز آئی کہ اب کیا ہوگا؟ حضرت مسیح موعودؑ کی بہت سی پیشگوئیاں ابھی پوری نہیں ہوئیں اور لوگ ان کی وجہ سے ہم پر اعتراض کریں گے۔ میں اُس وقت ایک کمرہ سے نکل کر دوسرے کمرہ کی طرف جا رہا تھا کہ یہ آواز میرے کانوں میں آئی۔ میں نے اِس آواز کو سُنا اور حضرت مسیح موعودؑ کے سرہانے کھڑے ہو کر میں نے خدا تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ اے خدا! میں حضرت مسیح موعودؑ کے جسم کے سامنے کھڑے ہو کر تیرے حضور یہ اقرار کرتا ہوں کہ اگر ساری جماعت بھی مرتد ہو گئی تو میں اکیلا ہی تیرے دین کی اشاعت کروں گا۔

پس مومن کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کی طرف دیکھے بلکہ وہ اکیلا اپنے آپ کو ہی خدا تعالیٰ کے حضور جواب دِہ سمجھتا ہے۔ بے شک جن جماعتوں نے سُستی کی ہے میرا فرض ہے کہ میں انہیں توجہ دلاؤں مگر اِس کے یہ معنے نہیں کہ اگر اُنہوں نے قربانی کی تو میں کروں گا اور اگر نہ کی تو نہیں کروں گا۔ میرا قربانی کرنا اس لئے نہیں کہ وہ بھی قربانی کریں بلکہ مَیں تو اپنے مقام پر قربانی کرتا چلا جاؤں گا کیونکہ میرا خدا سے براہ راست معاملہ ہے۔ اِسی طرح ہر مومن کا خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق ہوتا ہے اور خواہ

اس کا کوئی ساتھ دینے والا ہو یا نہ ہو وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہمیں اِس کا نہایت اعلیٰ نمونہ نظر آتا ہے۔

بدر کی جب جنگ ہوئی تو اس وقت صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عرشہ پر بٹھا دیا اور اِرد گرد مضبوط پہرہ لگا کر تیز رَو اونٹنیاں آپ کے پاس کھڑی کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ اونٹنیاں کیسی ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے یہ اونٹنیاں یہاں اس لئے باندھی ہیں کہ اگر ہم تمام کے تمام اس جنگ میں مارے جائیں تو آپ ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ تشریف لے جائیں۔ وہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو اخلاص میں ہم سے کم نہیں، مگر یا رسول اللہ! انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ جنگ ہونے والی ہے انہیں جب حقیقتِ حال کا علم ہو گا تو وہ بھی حضور کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے اور اس ثواب میں ہم سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہمیں ایک وقت یہ بھی نظر آتا تھا کہ آپ الگ ایک عرشہ پر بیٹھ گئے اور صحابہؓ کی درخواست کو آپ نے منظور فرما لیا مگر یہ وہ وقت تھا جب مصیبت ابھی کھلے طور پر سامنے نہیں آئی تھی اور صحابہؓ کے قدم میدان جنگ سے اُکھڑے نہیں تھے بلکہ وہ دلیری کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں اور پیچھے بھی لڑیں گے اور ہم ڈھیر ہو جائیں گے مگر دشمن کو آپ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ یہ اس موقع کی بات ہے اور آپ نے صحابہؓ کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور عرشہ پر بیٹھ گئے۔

مگر آپ کی زندگی میں ہی پھر ایک دوسرا موقع آیا۔ جب بعض ایسے واقعات کی وجہ سے جن کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں صحابہؓ کے پیر اُکھڑ گئے اور اسلامی لشکر منتشر ہو گیا۔ چار ہزار دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بارہ صحابیؓ رہ گئے۔ اُس وقت چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور وہاں کھڑے رہنے والوں کے مارے جانے کا سَو فیصدی احتمال تھا۔ مگر جہاں بدر کے موقع پر صحابہؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں صفوں کے پیچھے ایک الگ مقام پر بیٹھنے کی درخواست کرتے ہیں اور آپ ان کی بات کو مان لیتے ہیں، وہاں غزوۂ حنین کے موقع پر صحابہؓ چاہتے ہیں کہ رسول

کریم ﷺ کو واپس لوٹائیں بلکہ بعض آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں یارسول اللہ! یہ آگے بڑھنے کا موقع نہیں۔ مگر رسول کریم ﷺ ان کے ہاتھ کو جھٹک دیتے ہیں اور فرماتے ہیں چھوڑو میرے گھوڑے کی باگ کو اور یہ کہتے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ تو بدر کے موقع پر صحابہؓ آپ کو پیچھے بٹھاتے ہیں اور آپ ان کی بات کو مان جاتے ہیں لیکن حنین کے مقام پر صحابہؓ جب چاہتے ہیں کہ آپ آگے نہ بڑھیں تو آپ ان کی درخواست کو ردّ کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں میں پیچھے نہیں ہٹوں گا بلکہ آگے بڑھوں گا۔ اس لئے کہ بدر کے موقع پر صحابہؓ جان دینے کے لئے تیار تھے اور رسول کریم ﷺ یہ سمجھتے تھے کہ اب جب کہ ذمہ داری کو صحابہؓ کی طرف سے ادا کیا جارہا ہے تو مجھے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن حنین کے موقع پر جب صحابہؓ بھاگ پڑے، بزدلی کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض طبعی حالات کی وجہ سے، تو اُس وقت رسول کریم ﷺ نے سمجھا کہ اب کُلّیۃً ذمہ داری مجھ پر ہے اور میرا فرض ہے کہ خواہ کوئی میرے ساتھ ہو یا نہ ہو مَیں آگے بڑھوں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو اور مجھے آگے بڑھنے دو۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　　اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

تو جب بعض مومن کمزوری دکھاتے یا اپنے فرائض کی ادائیگی میں سستی سے کام لیتے ہیں تو جو سچا مومن اور مخلص ہوتا ہے خدا اس سے کہتا ہے کہ اے میرے بندے! اب سب بوجھ تجھ پر ڈال دیا گیا ہے آگے آ اور اِس بوجھ کو اُٹھا کہ تیرے سِوا اب اس بوجھ کو اُٹھانے والا کوئی نہیں رہا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کرانے میں یہی حکمت پوشیدہ تھی۔ یوں تو ساری دُنیا سے ہی قربانی کرائی جاتی ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اکلوتے بیٹے کی قربانی کے مطالبہ کے یہی معنے تھے کہ اُس وقت دُنیا میں ان کے علاوہ اور کوئی اکلوتے بیٹے کی قربانی کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ تب خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اُٹھ اور میری راہ میں اپنے بیٹے کو قربان کر۔ ورنہ واقعہ میں خدا کا یہ منشاء نہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ ایک انسانی قربانی کرائی

جائے۔ اسلام میں انسانی قربانی جائز نہیں اور اسلام سے میری مراد صرف مذہبِ اسلام ہی نہیں بلکہ ہر سچا دین ہے کیونکہ قرآنی اصطلاح میں تمام سچے ادیان کا نام اسلام رکھا گیا ہے۔ پس ابراہیمی دین میں بھی انسانی قربانی جائز نہ تھی اور نوحؑ کے دین میں بھی انسانی قربانی جائز نہ تھی یہ قربانی کا مطالبہ درحقیقت اِسی امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے تھا کہ جب خدا تعالیٰ کے لئے کوئی قربانی کرنے والا نہ رہے تو اُس وقت انسان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو فنا کر دے۔ یہی اکلوتے بیٹے کی قربانی کرنے کا مفہوم تھا کیونکہ اکلوتے بیٹے کی قربانی کے بعد نسل ختم ہو جاتی ہے اور یہی وہ مفہوم ہے جسے زندہ قومیں ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھا کرتی ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 471تا474)

حقیقی انقلاب کے لئے خود کو خدا کے سپرد کر دو

ہمارا فرض یہی نہیں کہ ہم اپنے آپ کو ایک تیز تلوار کی مانند بنائیں بلکہ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں دے دیں کیونکہ اگر تلوار بھی تیز ہو اور تلوار چلانے والا بھی ماہر ہو تو اس تلوار کا وار کوئی روک نہیں سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ کوئی سپاہی تھا جسے تلوار چلانے کی ایسی مشق تھی کہ وہ گھوڑے کو کھڑا کر کے ایک ہی ضرب میں اُس کے چاروں پاؤں کاٹ دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ شہزادے نے اُسے ایک ہی وار میں گھوڑے کے چاروں پاؤں کاٹتے دیکھا تو وہ سپاہی کے پیچھے پڑ گیا اور کہنے لگا یہ تلوار مجھے دے دو مگر سپاہی نے وہ تلوار نہ دی۔ شہزادہ نے بادشاہ سے شکایت کر دی کہ فلاں سپاہی سے میں نے اُس کی تلوار مانگی تھی مگر وہ مجھے دیتا نہیں۔

بادشاہ نے اُس سپاہی کو بُلا کر ڈانٹا اور کہا کہ تم بڑے نمک حرام ہو میرے بیٹے نے تم سے تلوار مانگی اور تم نے وہ تلوار اِسے نہیں دی۔ سپاہی نے کہا بہت اچھا یہ تلوار حاضر ہے لے لیجئے۔ چنانچہ بادشاہ نے وہ تلوار لے کر شہزادے کو دے دی۔ شہزادہ خوشی خوشی اُس تلوار کو لے کر ایک گھوڑے کے قریب گیا اور زور سے اُس کے پاؤں پر ماری مگر بجائے چاروں پاؤں کٹنے کے گھوڑے کے پاؤں پر معمولی نشان بھی نہ پڑا۔

یہ دیکھ کر پھر وہ اپنے باپ کے پاس آیا اور کہنے لگا معلوم ہوتا ہے سپاہی نے دھوکا کیا ہے اور جو اصل تلوار تھی وہ چھپا کر اُس کی بجائے کوئی اور تلوار دے دی ہے کیونکہ اُس تلوار سے تو گھوڑے کے چاروں پیر کٹ جاتے تھے مگر اِس تلوار سے اس کا ایک پیر بھی نہیں کٹا۔ بادشاہ نے پھر اسے بُلا کر ڈانٹا اور کہا کہ اصل تلوار کہاں چھپا رکھی ہے، وہ نکال کر فوراً حاضر کرو۔ سپاہی نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت! تلوار تو وہی ہے مگر بات یہ ہے کہ صرف تلوار کام نہیں کیا کرتی بلکہ تلوار کو چلانے والے کی مہارت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کے صاحبزادہ کو یہ ہنر نہیں آتا مگر مجھے آتا ہے اور اگر آپ کو شبہ ہے تو ابھی کسی گھوڑے کو میرے سامنے لایئے اور اِسی تلوار سے میرے ہنر کا مشاہدہ کر لیجئے۔ چنانچہ اُسی وقت ایک گھوڑا لایا گیا اور سپاہی نے اُسی تلوار کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ اُس کے چاروں پاؤں یکدم کٹ گئے۔

تو بعض دفعہ ہتھیار اچھا ہوتا ہے مگر چونکہ چلانے والا اپنے فن میں ماہر نہیں ہوتا اس لئے وہ ہتھیار صحیح طور پر کام نہیں دیتا اور چونکہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے وہ انسانی ہاتھوں سے ہونے والا نہیں اِس لئے ہمارا کام یہ ہے کہ اپنے آپ کو بہتر تلوار سے بہتر بنائیں اور پھر اپنے آپ کو یہ کہتے ہوئے خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں کہ سپردم بتو مایہ خویش را۔

کہ الٰہی! جس حد تک اپنے خیالات کی اصلاح ممکن تھی، جس حد تک اپنے افکار کی اصلاح ممکن تھی، جس حد تک اپنے ارادوں میں بلندی اور پختگی پیدا کی جا سکتی تھی وہ ہم نے کر لی مگر اے ہمارے رب! ان تمام اصلاحوں کے باوجود ہم ایک بے جان لاشہ ہیں اور ہمارے اندر قطعاً یہ طاقت نہیں کہ ہم دُنیا میں کوئی تغیر پیدا کر سکیں اس لئے اے خدا! اب تیرے ہاتھ میں ہم اپنے آپ کو نفسِ بے جان کی طرح ڈال رہے ہیں، تو جہاں چاہے اسے ڈال دے اور جہاں چاہے اس کو پھینک دے یہ تیرا کام ہے اور تو ہی کر سکتا ہے، ہم سے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔

اگر ہم اس طرح اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حوالے کر دیں تو یقیناً اس صورت میں تلوار ایسے تغیرات پیدا کرے گی کہ دُنیا حیران رہ جائے گی اور آئندہ آنے والی نسلیں حیرت سے کہیں گی کہ کتنی چھوٹی جماعت تھی جس نے قلیل ترین عرصہ میں ایسا عظیم الشان کام کر لیا۔ بے شک جب ہمیں کامیابی

حاصل ہو جائے گی اُس وقت بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو یہ کہیں گے کہ اس دُنیا میں ایسے حالات پیدا ہو رہے تھے جن کا لازمی نتیجہ احمدیت کی ترقی تھی مگر اُن میں سے جو سمجھ دار لوگ ہوں گے وہ اِس بات کو تسلیم کریں گے کہ یہ کام خدا کا ہے اور اُسی نے یہ تغیر پیدا کیا۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کو ہی دیکھ لو، جب آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ میں تمام دُنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور یہ کہ ایک دن ایسا آئے گا جب کہ میری مخالفت کرنے والے مٹ جائیں گے اور میرا لایا ہوا دین تمام دُنیا میں پھیل جائے گا تو لوگ ہنستے تھے اور کہتے تھے یہ تو مجنونانہ دعویٰ ہے اس میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ مکہ کو فتح کر سکے۔ کجا یہ کہ سارے عالم پر اس کا قبضہ ہو جائے۔ مگر جب مکہ ہی نہیں تمام عرب پر اور عرب ہی نہیں فلسطین پر بھی اور فلسطین ہی نہیں شام پر بھی اور شام ہی نہیں مصر پر بھی اور مصر ہی نہیں اناطولیہ پر بھی، اور اناطولیہ ہی نہیں ایران پر بھی، اور ایران ہی نہیں افغانستان اور چین اور دوسرے تمام ممالک پر آپ اور آپ کے خلفاء کا قبضہ ہو گیا اور لوگوں نے یہ انقلاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو آج یورپین مؤرخ لکھتے ہیں کہ یہ انقلاب کوئی غیر متوقع نہیں تھا۔ اُس زمانہ میں ایسے سامان پیدا ہو رہے تھے جن کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کسریٰ کی حکومت مٹ جائے، قیصر کی حکومت تباہ ہو جائے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا تمام دُنیا پر غلبہ ہو جائے۔ مگر ہم کہتے ہیں اے احمقو! اور نادانو! تمہیں آج یہ تغیرات کیوں نظر آرہے ہیں۔ جبکہ وہ لوگ جن کے زمانہ میں یہ تغیرات ہوئے ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ فتح کرنے کی تو طاقت نہیں رکھتا اور خوابیں یہ دیکھتا ہے کہ وہ سارے جہان کو فتح کر لے گا۔ حقیقت یہ ہے۔

خوئے بد را بہانہ بسیار

جس نے نہیں ماننا ہوتا وہ ہزار بہانے بنالیتا ہے اور جو ماننے والے ہوتے ہیں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہدایت پا جاتے ہیں۔ اِس وقت بھی دُنیا میں عظیم الشان تغیرات پیدا ہو رہے ہیں اور تغیرات یقیناً احمدیت کے لئے مفید ہیں۔ آج ہماری جماعت میں سے جن لوگوں کو خدا تعالیٰ یہ توفیق دے گا وہ سچے طور پر اپنی اصلاح کر کے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دیں اور اپنے آپ کو ایک تیز تلوار بنا کر خدا تعالیٰ

کے ہاتھ میں دے دیں۔ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دُنیا میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر دے گا جسے دیکھ کر اگلے لوگ حیران رہ جائیں گے اور خواہ کتنی عظیم الشان روکیں درمیان میں حائل ہوں اللہ تعالیٰ ان کو دور کر کے اسلام کو کمال تک پہنچائے گا اور ہمیشہ آسمان سے ان کے لئے برکتیں نازل ہوں گی مگر یہ تغیرات اپنے نفوس کی اصلاح کئے بغیر نہیں ہو سکتے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 488 تا 491)

دوست و محبوب کے لئے اعلیٰ چیز

دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں جب کسی کے ہاں کوئی مہمان آیا ہوا ہوتا ہے تو عورت چاہتی ہے کہ مہمان کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا تیار کیا جائے۔ چاول پکائے گی تو خواہش رکھے گی کہ میرے پکے ہوئے چاول اتنے اچھے ہوں کہ اس نے ویسے چاول پہلے کبھی نہ کھائے ہوں۔ پراٹھا پکائے گی تو کہے گی میں ایسا اچھا پراٹھا پکاؤں کہ ویسا پراٹھا اس نے پہلے کبھی نہ کھایا ہو۔

ہمارے خاندان کے بچے کا ہی ایک لطیفہ ہے۔ میاں بشیر احمد صاحب کا ایک لڑکا ایک دفعہ اماں جان کے ہاں گیا اور وہاں سے پراٹھا کھا کے آیا جو اُسے بہت ہی پسند آیا اور آکر اپنی والدہ سے کہنے لگا کہ مجھے بھی ایسا ہی پراٹھا پکا دو جیسا اماں جان نے پکایا ہے۔ خیر دوسرے دن اُنہوں نے اُسے پراٹھا پکا کر دے دیا۔ وہ کھاتا رہا کھاتا رہا، مگر زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا۔ البتہ اُس کے چہرہ پر ایسے آثار تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی بات سوچ رہا ہے۔ جب کھا چکا تو کہنے لگا امّاں! یہ پراٹھا بھی اچھا ہے پر امّاں جان دے پراٹھے دی تے حداں ہی ٹٹ گیاں ہیں۔

تو ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے عزیز کے آگے ایسی اعلیٰ چیز رکھے جو اس نے پہلے کبھی نہ کھائی ہو۔ ہم اس کے کھانے کے لئے کیلا منگوائیں گے تو کہیں گے کہ ایسا اچھا کیلا لانا جو اس نے پہلے کبھی نہ کھایا ہو۔ خربوزہ منگوائیں گے تو تاکید کریں گے کہ بہترین خربوزہ لانا جو ایسا میٹھا ہو کہ ویسا میٹھا خربوزہ اس نے پہلے کبھی نہ کھایا ہو۔

ہمارے ایک مرحوم دوست لاہور کے میاں تاج دین صاحب تھے جن کے لڑکے میاں مظفر الدین صاحب آجکل پشاور میں بجلی کا کام کرتے ہیں۔ اُنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک قسم کا عشق تھا۔ جب آپ لاہور سے قادیان آتے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی تحفہ لاتے۔ اُن کی عادت تھی کہ دکاندار کے پاس جاتے اور کہتے اعلیٰ سے اعلیٰ سیب دو میں حضرت صاحب کے لئے تحفہ لے جانا چاہتا ہوں۔ وہ مثلاً روپیہ کے 21 سیب دیتا، یہ کہتے کہ ان سیبوں سے بھی اعلیٰ سیب دو، خواہ روپیہ کے تم مجھے دس دے دو مگر بہر حال اعلیٰ ہوں مَیں حضرت صاحب کے لئے قادیان تحفہ لے جانا چاہتا ہوں۔ وہ وہی سیب جو روپیہ کے 21 ہوتے دس دے دیتا اور کہتا کہ یہ بہت اعلیٰ ہیں اور وہ دکاندار پر اعتبار کر کے لے لیتے اور یہ سمجھ لیتے کہ دکاندار نے اچھے سے اچھے سیب دیئے ہیں۔ تو ہماری تمام کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنے دوست اور محبوب اور پیارے کے لئے وہ چیز لے جائیں جو اس نے پہلے نہ دیکھی ہو اور وہ ایسی اعلیٰ ہو کہ ویسی اعلیٰ چیز اس کی نظر سے پہلے کبھی نہ گزری ہو۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 493 تا 495)

غیر محدود ہستی کا غیر محدود قرب

جہاں انسان کو آرام کا خیال آیا وہیں انسان کو یہ خیال کر لینا چاہئے کہ اب اس کے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

میرے پاس ایک دفعہ ایک اباحتی قسم کا آدمی آیا اور کہنے لگا اگر انسان دریا میں کشتی پر سوار ہو اور وہ اپنے دوست سے ملنے جا رہا ہو تو آپ بتائیں کہ جب کنارہ آجائے تو آیا وہ اُتر پڑے یا کشتی میں ہی بیٹھا رہے؟ جونہی اس نے سوال کیا معاً میں سمجھ گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز اور روزہ وغیرہ تو اِس لئے ہیں کہ انسان کو خدا مل جائے۔ پس اگر کسی کو خدا مل جائے تو اُسے نماز اور روزہ کی کیا ضرورت ہے مگر اُس نے خیال کیا کہ اُس کا یہ مفہوم میں کہاں سمجھوں گا اور مَیں اسے یہی جواب دوں گا کہ جب کنارہ آئے تو اُتر پڑے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی حقیقت کھول دی اور میں نے بجائے یہ جواب دینے کے کہ جب کنارہ

آئے تو وہ کشتی سے اُتر پڑے، یہ جواب دیا کہ اگر تو جس دریا میں وہ سفر کر رہا ہے اس کا کوئی کنارہ ہے تو جب کنارہ آجائے تو بیشک اُتر پڑے۔ لیکن اگر اس دریا کا کوئی کنارہ نہیں تو جہاں اسے کنارے کا خیال آیا اور وہ یہ سمجھ کر کشتی سے اُترا کہ کنارہ آگیا ہے وہیں وہ ڈوبا۔ یہ جواب دے کر مَیں نے کہا اب بولو تم جس دریا کا ذکر کر رہے ہو اُس کا کوئی کنارہ ہے یا نہیں؟ وہ کہنے لگا ہے تو وہ بے کِنارہ ہی۔

تو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود ہستی ہے اور غیر محدود ہستی کا عرفان اسی صورت میں انسان کو حاصل ہو سکتا ہے جب وہ بھی اپنا قدم آگے سے آگے بڑھاتا چلا جائے۔ اگر ہم ایک ہی مقام پر ٹھہرے رہیں تو غیر محدود ہستی کا غیر محدود قرب ہم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں اور جب ہم اس کا قرب حاصل نہیں کریں گے تو اس کے انعامات سے محروم رہیں گے اور جتنا زیادہ ہم اس کے انعامات سے محروم رہیں گے اُسی قدر زیادہ ہمیں ناکامی و نامرادی ہو گی۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 501)

میں تجھے ضرور قتل کر دیتا

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ان کے ایک بیٹے نے جو بعد میں مسلمان ہوئے کہا کہ ابا! فلاں جنگ کے موقع پر جب آپ فلاں جگہ سے گزرے تھے تو اُس وقت میں ایک پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا اور اگر چاہتا تو آپ پر حملہ کرکے آپ کو ہلاک کر سکتا تھا مگر مجھے خیال آیا کہ اپنے باپ کو کیا مارنا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو کہا تیری قسمت اچھی تھی کہ تو مجھے دکھائی نہیں دیا۔ ورنہ اگر تو مجھے دکھائی دیتا تو خدا کی قسم! میں تجھے ضرور قتل کر دیتا۔

یہ وہ جذبہ محبت ہے جو صحابہؓ کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق تھا کہ انہوں نے آپ کی محبت کے مقابلہ میں نہ بیٹے کی محبت کی پرواہ کی، نہ بیوی کی محبت کی پرواہ کی، نہ عزیزوں اور دوستوں کی محبت کی پرواہ کی۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 505)

فضول خرچ

حضرت خلیفہ اوّلؓ فرمایا کرتے تھے کہ ایک زمیندار میرے پاس آیا اور اس نے کہا مولوی صاحب! مجھے مشورہ دیں۔ اِس وقت آٹھ سَو روپیہ میرے پاس ہے مَیں اِسے کہاں خرچ کروں؟ آپؓ نے فرمایا کوئی مسجد بنوادو۔ وہ کہنے لگا کوئی اور بات بتائیں۔

فرماتے تھے میں نے کہا اچھا کہیں کنواں کھدوادو۔ اُس کی اس سے بھی تسلّی نہ ہوئی اور کہنے لگا کوئی اور کام کی بات بتائیں۔ آخر مَیں نے اُسے بڑی بڑی نیک باتیں بتائیں اور کہا کہ تم یہ روپیہ اِس اس طرح خرچ کرو تو تمہیں بڑا ثواب ملے گا مگر وہ خاموش رہا۔

آخر میں نے اُس سے پوچھا کہ تم بتاؤ! تمہاری اپنی کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگا فلاں شخص نے بڑا اچھا مشورہ دیا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ فلاں خاندان سے تمہاری عداوت ہے، تم اُس پر کوئی مقدمہ چلادو اور اِس روپیہ سے اُسے سزا دلوانے کی کوشش کرو۔

توہمیں عقل مند بننا چاہئے، روپیہ کو دیکھ کر اِسے بِلا ضرورت خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہو جانا چاہئے۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 716-717)

(الفضل آن لائن 3/ دسمبر 2022ء)

(قسط10)

دلچسپ و مفید واقعات وحکایات

یارسول اللہ! قصور میرا ہی تھا

ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓاور حضرت عمرؓمیں لڑائی ہو گئی۔ حضرت ابو بکرؓحق پر تھے اور حضرت عمرؓاس لڑائی میں حق بجانب نہیں تھے مگر حضرت عمرؓچونکہ تیز طبیعت انسان تھے اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے جب وہاں سے ہٹنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے یہ سمجھا کہ یہ رسول کریم ﷺ کے پاس میری شکایت کرنے چلے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے زور سے حضرت ابو بکرؓ کا دامن کھینچا کہ ٹھہریں بات تو سنیں۔ مگر اس جھٹکے سے حضرت ابو بکرؓ کا کرتہ پھٹ گیا اور وہ وہاں سے چل پڑے۔

حضرت عمرؓ کے دل میں خیال آیا کہ وہ ضرور رسول کریم ﷺ کے پاس میری شکایت کرنے گئے ہیں حالانکہ وہ شکایت کرنے نہیں بلکہ اپنے گھر گئے تھے مگر بہر حال اس خیال کے آنے پر وہ رسول کریم ﷺ کی طرف دوڑے۔ اتنے میں کسی نے حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع دی کہ حضرت عمرؓ نے آپ پر ظلم بھی کیا ہے اور پھر وہ آپ کی شکایت کرنے رسول کریم ﷺ کے پاس بھی پہنچ گئے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کو خیال آیا کہ رسول کریم ﷺ مجھ سے ناراض ہو گئے تو یہ اچھا نہیں ہو گا چنانچہ وہ بھی جلدی جلدی رسول کریم ﷺ کے مکان کی طرف چل پڑے۔ جب دروازے کے قریب پہنچے تو چونکہ حضرت عمرؓپہلے پہنچ چکے تھے اس لئے بات شروع تھی اور اس دوران میں حضرت عمرؓ کے دل میں

بھی ندامت پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ یارسول اللہ! غصہ میں مجھے خیال نہ رہا اور میں نے حضرت ابو بکرؓ پر اظہار ناراضگی کر دیا۔

رسول کریم ﷺ نے جب یہ بات سنی تو آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا اے لوگو! تم مجھے اور ابو بکرؓ کو تکلیف دینے سے باز بھی آؤ گے یا نہیں؟ جب تم لوگ میری مخالفت کر رہے تھے تو اُس وقت ابو بکرؓ ہی تھا جو مجھ پر ایمان لایا اور میں نے کبھی کوئی نصیحت نہیں کی جو ابو بکرؓ نے نہ مانی ہو یا اس کے متعلق اس کے دل میں کوئی کجی پائی گئی ہو بلکہ جب بھی میں نے کچھ کہا اس نے اسے مانا اور تسلیم کیا۔ پس کیا تم مجھے اور اسے دکھ دینے سے باز نہیں آؤ گے؟

آپ یہ الفاظ فرما ہی رہے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ پہنچ گئے اور انہوں نے پہنچتے ہی اپنی اس نیکی کا تازہ بتازہ ثبوت بہم پہنچا دیا جس کا رسول کریم ﷺ ابھی ذکر فرما رہے تھے۔ چنانچہ وہ آئے تو اس نیت سے تھے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ عمرؓ نے ان پر ظلم کیا ہے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ حضرت عمرؓ پر ناراض ہو رہے ہیں تو انہوں نے جھٹ اپنے گھٹنے ٹیک دیئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! قصور میرا ہی تھا عمرؓ کا قصور نہیں تھا۔

تو ان لوگوں کی خدمات اور قربانیوں کو اگر دیکھا جائے تو واقعہ میں ان کا پایہ نہایت بلند معلوم ہوتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 503 تا 505)

تمہیں بھی صبر کرنا چاہیئے

جب جنگ موتہ ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے حضرت زیدؓ کو اسلامی فوج کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور ہدایت کی کہ اگر زیدؓ مارے جائیں تو حضرت جعفرؓ کو (جو رسول کریم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے) سپہ سالار مقرر کر لیا جائے اور اگر جعفرؓ بھی مارے جائیں تو عبد اللہ بن سرحؓ کو سپہ سالار مقرر کر لیا جائے اور اگر وہ بھی مارے جائیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں اپنا افسر مقرر کر لیں۔ چنانچہ جس طرح رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا بعینہ ویسا ہی ہوا۔ زیدؓ بھی شہید ہو گئے، جعفرؓ بھی شہید ہو گئے اور عبد اللہ بن سرحؓ بھی شہید ہو

گئے۔ آخر صحابہؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اپنا افسر مقرر کیا اور وہ بغیر کسی مزید نقصان کے مسلمانوں کے لشکر کو واپس لانے میں کامیاب ہو گئے۔

چونکہ اس جنگ میں علاوہ ان اسلامی جرنیلوں کے اور بھی بہت سے مسلمان شہید ہو گئے تھے اس لئے جب مدینہ میں یہ خبر پہنچی تو گھر گھر کہرام مچ گیا اور شہداء کے بیوی بچوں اور رشتہ داروں نے رونا شروع کر دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بین نہیں ڈالتے تھے مگر ابھی تک بین ڈالنے سے اسلام نے پوری طرح روکا بھی نہیں تھا۔

رسول کریم ﷺ اُس دن اپنے گھر سے کسی کام کو نکلے مگر آپ جس گلی میں سے گزرے اتفاقاً اس میں کئی شہادتیں ہوئی تھیں اور ہر گھر میں سے رونے کی آواز آرہی تھی مگر جب آپ حضرت جعفرؓ کے مکان کے پاس سے گزرے تو وہ چونکہ مہاجر تھے اور اُن کا کوئی رشتہ دار مدینہ میں موجود نہیں تھا اِس لئے جعفرؓ کے گھر سے کسی کے رونے کی آواز نہ آئی۔ رسول کریم ﷺ نے اس پر اظہارِ محبت کے لئے کہا کہ جعفرؓ کے گھر سے تو رونے کی کوئی آواز نہیں آرہی۔ صحابہؓ نے جب یہ فقرہ سنا تو انہوں نے فوراً اپنے اپنے گھروں میں جا کر عورتوں کو کہہ دیا کہ جاؤ اور جعفرؓ کے گھر روؤ۔ چنانچہ ساری عورتیں اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر جعفرؓ کے گھر اکٹھی ہو گئیں اور ان سب نے مل کر رونا شروع کر دیا۔

جب رسول کریم ﷺ کو ان کے رونے کی آواز پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ کیا ہوا؟ صحابہؓ نے کہا یارسول اللہ! آپ نے جو فرمایا تھا کہ جعفرؓ پر کوئی رونے والا نہیں ہم نے اپنی عورتوں کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں پر نہ روئیں بلکہ جائیں اور جعفر کے گھر روئیں۔

درحقیقت رسول کریم ﷺ کا یہ منشا نہیں تھا کہ عورتیں جعفر کے گھر اکٹھی ہو کر رونا شروع کر دیں بلکہ آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ جب میرا ایک رشتہ دار بھی شہید ہوا ہے اور ہم سب نے اِس پر صبر سے کام لیا ہے تو تمہیں بھی صبر کرنا چاہئے مگر صحابہؓ کے دلوں میں رسول کریم ﷺ کی جو محبت تھی اس نے انہیں یہ سوچنے کا موقع نہیں دیا کہ رسول کریم ﷺ کیا چاہتے ہیں بلکہ اُنہوں نے فوراً عورتوں سے کہہ دیا کہ اپنے غم کو بھلا کر رسول کریم ﷺ کے غم میں شریک ہو جاؤ۔

اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ ان کے دلوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیسا عشق تھا کہ وہ یہ فقرہ سن کر ہی کہ جعفر کے گھر سے تو رونے کی کوئی آواز نہیں آرہی یہ خیال کر لیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کی شہادت پر رو کر غلطی کی، اصل غم تو وہی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا۔

بظاہر یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے مگر جذبات کے اظہار کے لئے اس سے بہتر واقعات بہت کم مِل سکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی خدمات محمد ﷺ کے سامنے تھیں۔ جن کی قربانیاں ہر لحہ اور ہر آن رسول کریم ﷺ کی آنکھوں کے سامنے ہوا کرتی تھیں اور رسول کریم ﷺ سے یہ لوگ ایسی محبت رکھتے تھے کہ جس کی نظیر کسی دُنیوی رشتے میں نہیں مل سکتی۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 2 صفحہ 505 تا 507)

اپنے اقوال وافعال کی نگرانی کرتے رہو

یاد رکھو کہ آئندہ نورِ ہدایت کی اشاعت اور دنیا کی راہ نمائی اسی سلسلہ سے ہو گی۔ باقی سب راستے بند ہو چکے ہیں اور وہ ایسی کھڑکیاں ہیں جن کو بند کر دیا گیا مگر احمدیت کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور آئندہ لوگ اِسی سے ہدایت اور راہ نمائی حاصل کریں گے اور اس بات کو ہر وقت مد نظر رکھنا چاہئے اور اپنے اقوال اور افعال کی نگرانی کرتے رہنا چاہئے۔ احمدیت کے ذریعہ اسلام کو ایک نئی روشنی دی گئی ہے اور اسلام کی ایک نئی تعبیر کی گئی ہے اور اس تعبیر کو صحیح طور پر وہی لوگ بیان کر سکتے ہیں جنہوں نے اس کے بیان کرنے والوں کی صحبت پائی ہے۔

مجھے ایک دوست کا لطیفہ ہمیشہ یاد رہتا ہے وہ آئے اور مجھے کہا کہ آپ سے ایک بات کرنی ہے وہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت مقرب تھے، میں نے کہا بہت اچھا۔ میں انہیں مسجد کے ساتھ والے کمرہ میں لے آیا۔ وہ کہنے لگے میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک تفسیر سنی ہوئی ہے وہ آپ کو سُناتا ہوں اور وہ سُنانے لگے، کوئی آدھ گھنٹہ سناتے رہے۔ ایک موقع پر کوئی بات تھی جو مجھے اچھی معلوم ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ یہ نئی بات ہے اور میں نے تصدیق کی نیت سے اس کا تکرار کیا اور دریافت کیا کہ اچھا آپ نے یہ بات فرمائی تھی۔ یہ بالکل ویسی ہی بات تھی جیسے کوئی شخص ہمارے سامنے آتا ہے تو ہم کہتے ہیں اچھا آپ آگئے! حالانکہ وہ تو سامنے کھڑا ہوتا ہے اس سے صرف

اظہار خوشی مقصود ہوتا ہے، اِسی طرح ان کی بات سن کر میں نے تصدیق کے لئے کہا کہ اچھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے یہ بات یوں فرمائی تھی!!

اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ مجھے ان پر کوئی شبہ ہے مگر میرے اس سوال پر وہ رونے لگ گئے اور اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی اور مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں بے ہوش نہ ہو جائیں۔ بہت دیر کے بعد خاموش ہوئے تو میں نے کہا کہ رونے کی کیا وجہ تھی؟ انہوں نے کہا کہ آپ نے جو دریافت کیا تو مَیں نے سمجھا کہ مَیں عالم نہیں ہوں شاید بیان میں کوئی غلطی کر گیا ہوں اور ایسا نہ ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی افتراء کر جاؤں، حالانکہ میں نے تو تصدیق کے لئے اور اِس وجہ سے کہ وہ بات مجھے لطیف معلوم ہوئی یہ پوچھا تھا مگر انہوں نے سمجھا کہ شاید مجھ سے غلط بات بیان ہو گئی ہے اور اس وجہ سے رونے لگے۔

میرے دل پر اُن کی اِس خشیت کا بڑا اثر ہوا کہ وہ محض اِس شبہ سے کہ مجھ سے کوئی غلط بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب نہ ہو گئی ہو اور مجھے خدا تعالیٰ کے حضور اس پر گرفت نہ ہو اِس قدر روئے اِس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

صحابہؓ میں بھی ایسے لوگ تھے۔ حضرت زبیرؓ کے متعلق آتا ہے کہ ایک دفعہ ان کے لڑکے نے کہا کہ ابا جان! آپ بھی تو رسول کریم ﷺ کے ساتھ شروع سے رہے ہیں دوسرے لوگ جو آپ سے بعد میں آئے بہت سی احادیث بیان کرتے ہیں مگر آپ نہیں کرتے۔ آپ یہ بات سن کر فرمانے لگے کہ بات یہ نہیں کہ مجھے ان سے کم باتیں معلوم ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میری طرف غلط بات منسوب کرے گا اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو میں کسی بات کو صحیح سمجھوں اور وہ دراصل غلط ہو اور اس وجہ سے میں عذاب میں مبتلا ہو جاؤں۔

یہ صحیح ہے کہ ایسے لوگ دین کو قائم کرنے والے نہیں ہوتے اور یہ محض خشیت اللہ کا مظاہرہ ہے ورنہ جب انسان سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ صحیح ہے اور اس میں ایک ذرہ کی بھی کمی بیشی میری طرف سے نہیں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور بری ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے کسی نے کہا کہ آپ بعض باتیں ایسی کہہ دیتے ہیں جن سے لوگوں کو ٹھوکر لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو آپ نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ اگر تمہاری گردن پر تلوار رکھی ہو اور تمہیں کوئی بات معلوم ہو تو اسے بیان کرنے میں جلدی کرو تا تلوار چلنے سے پہلے وہ بیان ہو جائے اس لئے میں نے جو بات رسول کریم ﷺ سے سنی ہے وہ بیان کرتا جاؤں گا۔

یہ دو مختلف اور متضاد پہلو ہیں اور اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بات کرنے میں یہ دونوں پہلو ہوسکتے ہیں اس لئے بہت احتیاط کرنی چاہئے۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 524 تا526)

ایک حدیث کے لئے تین ہزار میل کا سفر

دین کی ایک بات بھی بہت بڑی قیمت رکھتی ہے۔ امام بخاری نے حدیث کی کتاب لکھی تو ایک ایک حدیث کے لئے ہزار ہزار میل کا سفر کیا اور اپنی زندگی کے تیس سال احادیث کے جمع کرنے میں صَرف کر دیئے۔ وہ بخارا کے رہنے والے تھے مگر احادیث کے جمع کرنے کے لئے مصر، شام اور عرب میں گئے اور اس طرح یہ کام کیا۔

اسی طرح دوسرے محدثین نے بھی ایک ایک حدیث کے لئے پانچ پانچ سَو اور ہزار ہزار میل کے سفر کئے۔

سپین کا رہنے والا ایک شخص صرف ایک حدیث سننے کے لئے تین ہزار میل کا سفر کر کے بغداد پہنچا تھا۔ وہ راوی جس سے وہ حدیث سننے کے لئے آیا چوتھا یا پانچواں تھا مگر پھر بھی اس کے دل میں یہ شوق تھا کہ براہ راست اس سے سنوں۔

پس دین کی باتوں کے لئے بڑے شوق کی ضرورت ہے اور یہ شوق نہ ہونے کی وجہ سے مسائل میں غور کرنے کی عادت بہت کم ہو گئی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد2 صفحہ 528-529)

مومن کی عقل و فہم کا امتحان

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کسی امر کی اجازت دی جاتی ہے تو اس کے معنی بھی یہ ہوتے ہیں کہ انسان اپنے حالات کے لحاظ سے یہ دیکھ لے کہ ایسا کرنا اس کے لئے مفید ہے یا مضر اور کس وقت اللہ تعالیٰ کا منشاء اس طرح پورا ہوتا ہے کہ اس اجازت سے فائدہ اٹھایا جائے اور کس وقت اس طرح کہ نہ اُٹھایا جائے، ہر حالت میں یہ دیکھنا چاہئے کہ دین کا فائدہ کس میں ہے۔ پس اجازت کے معنی ضروری طور پر یہ نہیں ہوتے کہ ان پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا جائز ہی نہیں۔

ہمارے اپنے خاندان میں میری بیویوں کے غیر احمدی رشتہ دار ہیں اور ان سے ظاہری تعلقات بڑے اچھے ہیں اور میں سمجھتا تھا کہ اگر ہم اُن کی لڑکیاں لے آئیں تو بہت مفید ہو گا مگر جماعت میں جب میں نے اِس طرف میلان دیکھا کہ احمدی اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کی لڑکیاں لانے کی طرف مائل تھے تو میں نے یہ خیال ترک کر دیا کیونکہ میں نے سمجھا کہ اِس مثال کو سامنے رکھ کر لوگ عام طور پر ایسا کرنے لگیں گے اور ایک خاندان کے لحاظ سے تو گو یہ فعل احمدیت کے نقطۂ نگاہ سے مفید ثابت ہو مگر ہزار خاندانوں کو نقصان پہنچ جائے گا۔

پس مومن کو ہر وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ کس وقت خدا تعالیٰ کا منشاء کیا ہے۔ ایسی اجازت دراصل مومن کی عقل و فہم کا امتحان ہوتی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نماز پڑھو تو یہ اخلاص کا امتحان ہوتا ہے کیونکہ نماز ہر حال میں فرض ہے لیکن جہاں اجازت ہو کہ آدمی چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے وہاں اُس کی عقل اور فہم کا امتحان ہوتا ہے۔

دینی امور میں تفقّہ بھی ضروری ہے۔ رسول کریم ﷺ ایک مرتبہ کہیں باہر تشریف لے گئے نماز کا وقت ہوا تو حضرت عباس نے لوٹا لا کر آپ کو وضو کرایا۔ آپ نے دعا فرمائی کہ **اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ** یعنی اے اللہ! اس نے عقل سے کام لیا ہے اس کی عقل کو دینی امور میں تیز کر دے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی بار صرف یہ بتانے کے لئے کہ مومن ہونا ہی کافی نہیں بلکہ عقل بھی تیز ہونی چاہئے ایک مثال دیا کرتے تھے۔

فرماتے کسی انسان کا دوست ایک ریچھ تھا۔ اس شخص کی ماں بیمار تھی اور وہ اس کے پاس بیٹھا مکھیاں اُڑا رہا تھا کہ اسے تکلیف نہ ہو۔ کسی نے اسے باہر بلایا تو وہ اپنے جگہ پر مکھیاں اُڑانے کے لئے ریچھ کو بٹھا گیا۔ ریچھ نے مکھیاں اُڑانی شروع کیں تو ایک مکھی بار بار آکر وہیں بیٹھے وہ اسے اُڑائے مگر وہ پھر آکر بیٹھ جائے۔ اب اگر آدمی ہوتا تو سمجھتا کہ مکھی کا کام بیٹھنا ہے اور میرا کام اسے ہٹانا مگر ریچھ میں عقل تو تھی نہیں اس نے سوچا کہ اسے ایسا ہٹانا چاہئے کہ پھر نہ آکر بیٹھ سکے۔ پس اس نے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور جب مکھی آکر بیٹھی تو زور سے پتھر اس پر دے مارا۔ مکھی نے تو کیا مرنا تھا اس سے اس کے دوست کی ماں کی جان نکل گئی۔

تو خالی اخلاص ہر موقع پر کام نہیں آتا بلکہ عقل بھی ضروری ہے۔ پس جہاں تو خدا تعالیٰ نے کسی کام کا حکم دیا ہے وہاں تو صرف اخلاص کا امتحان ہے۔ مگر جہاں اجازت دی ہے چاہو کرو چاہو نہ کرو وہاں عقل کا امتحان لیا ہے۔ وہاں یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا انسان اس اجازت سے موقع و محل کے لحاظ سے فائدہ اٹھاتا ہے یا بے موقع۔ آیا اندھا دھند فیصلہ کرتا ہے یا موازنہ کرکے دیکھتا ہے کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 536 تا 538)

تعریف و تنقیص میں حصہ

جس قدر اجتماعی کام ہیں ان میں انسان کو اس تمام تنقیص، مذمت اور ندامت میں سے حصہ لینا پڑتا ہے جو کسی جماعت یا قوم کے حصہ میں آتی ہے اور اگر حصہ نہ لینا پڑے تو قومی روح انسان کے اندر پیدا نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں لڑکا بُرا ہو تو باپ بھی اس کی بدنامی میں سے حصہ لیتا ہے اور باپ بُرا ہو تو لڑکا اس کی بدنامی میں شریک ہوتا ہے۔

مثل مشہور ہے کہ کوئی شخص کفن چور تھا۔ جب لوگ کسی میت کو قبرستان میں دفن کرکے آتے تو وہ رات کو جاتا اور قبر کھود کر کفن نکال لاتا۔ لوگ بڑی گالیاں دیتے اور کہتے کہ خدا اس کا بیڑا غرق کرے اس نے تو ہمیں تنگ کر رکھا ہے۔ آخر کچھ دنوں کے بعد وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی پھر بُرائیاں بیان کرنی شروع کر دیں اور کہنے لگ گئے کہ بڑا خبیث تھا، خدا کی اس پر لعنت ہو اور وہ اسے دوزخ میں ڈالے، اس نے دنیا میں بڑی خباثت پھیلائی ہوئی تھی۔

اس کا بیٹا نیک انسان تھا جب اس کے باپ کو کوئی شخص بُرا بھلا کہتا تو اسے تکلیف محسوس ہوتی مگر باپ کی زندگی میں تو اس نے اس بات کو زیادہ محسوس نہ کیا جب اس کے مرنے کے بعد بھی لوگوں نے لعنتیں ڈالنی بند نہ کیں تو اُسے بہت تکلیف ہوئی۔ آخر وہ کسی عقلمند سے مشورہ لینے کے لئے گیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اور کہنے لگا کہ میرا باپ خود تو بُرا آدمی تھا ہی مجھے یہ تکلیف ہے کہ مجھے اس کی برائیاں سننی پڑتی ہیں اور میں نہ ان کی تائید کر سکتا ہوں اور نہ تردید کر سکتا ہوں آخر کروں تو کیا کروں؟ وہ کوئی مذاقی آدمی تھے کہنے لگے تم چند دنوں تک یوں کرو کہ جب لوگ کسی میت کو قبرستان میں دفن کر کے چلے جائیں تو تم قبر کھود کر میت کو باہر پھینک دیا کرو۔ اُس نے چند دن ایسا ہی کیا تو لوگوں میں ایک شور مچ گیا اور وہ کہنے لگے خدا اس پہلے کفن چور کو جنت نصیب کرے، وہ تو کوئی شریف آدمی تھا کہ صرف کفن چراتا تھا، میت کی بے حرمتی نہیں کرتا تھا مگر اب تو کوئی ایسا خبیث پیدا ہوا ہے جو میت تک کو قبر سے باہر نکال کر پھینک دیتا ہے۔ خیر چند دن ایسا ہوتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب اس کے باپ کی لوگ بُرائی بیان نہیں کرتے تو اس نے اس کام کو چھوڑ دیا۔

غرض بدی اگر باپ میں ہو تو اس کی ملامت میں بیٹے کو بھی شریک ہونا پڑتا ہے اور اگر بیٹا بدی میں شریک ہو تو اسکی ملامت میں باپ کو بھی حصہ لینا پڑتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 551-552)

جن کو رونا اور شور مچانا آتا ہو وہ اپنی بات منوا لیتے ہیں

ہم نے تو دیکھا ہے جب کوئی شخص اس طرح کھلے رنگ میں اپنے جذباتِ درد کا اظہار کرے تو سننے والی طبیعت اثر قبول کئے بغیر نہیں رہتی۔

حضرت مسیح موعودؑ ایک دفعہ سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ اتفاق سے جماعت نے آپ کے قیام کے لئے جو بالاخانہ تجویز کیا وہ بغیر منڈیر کے تھا آپ کو چونکہ اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس مکان کی چھت پر منڈیر نہیں اس لئے آپ مکان میں تشریف لے گئے مگر جونہی آپ کو معلوم ہوا کہ اس کی منڈیر نہیں آپ نے فرمایا کہ منڈیر کے بغیر مکان کی چھت پر رہنا جائز نہیں اس لئے ہم اس مکان میں نہیں رہ سکتے۔

پھر آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا ابھی سید حامد شاہ صاحب کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم کل واپس جائیں گے کیونکہ ایسے مکان میں رہنا شریعت کے خلاف ہے۔

وہ بڑے مخلص اور سلسلہ کے فدائی تھے انہوں نے جب یہ سنا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر کہا کہ بہت اچھا حضرت صاحب سے عرض کر دیجئے ہم انتظام کر دیتے ہیں۔

جماعت کے دوستوں کو معلوم ہوا تو ایک کے بعد دوسرے دوست نے آنا شروع کر دیا اور انہوں نے کہا کہ حضرت صاحب سے عرض کیا جائے کہ وہ ہماری اِس غلطی کو معاف فرمادیں ہم ابھی آپ کے لئے کسی اَور مکان کا انتظام کر دیتے ہیں وہ خدا کے لئے سیالکوٹ سے نہ جائیں۔ مگر شاہ صاحب نے فرمایا میں اِس بات کو پیش کرنا ادب کے خلاف سمجھتا ہوں۔ جب حضرت صاحب نے فرما دیا ہے کہ اب ہم واپس جائیں گے تو ہمیں حضور کی واپسی کا انتظام کرنا چاہئے۔

اتنے میں ان کے والد میر حسام الدین صاحب مرحوم کو اِس بات کا پتہ لگ گیا۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ سے بہت بے تکلفی کے ساتھ گفتگو فرمالیا کرتے تھے اور تھے بھی حضور کے پُرانے دوستوں میں سے۔ سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو زمانۂ ملازمت گزرا ہے اُس میں میر صاحب کے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ دوستانہ تعلقات رہ چکے تھے اِس لئے وہ بے تکلفی سے گفتگو کر لیا کرتے تھے۔ وہ یہ سنتے ہی مکان پر تشریف لائے اور بڑے زور سے کہا۔ بلاؤ! مرزا صاحب کو، مجھے جہاں تک یاد ہے انہوں نے حضرت کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ میرا چونکہ اُن سے کوئی تعارف نہیں تھا اس لئے میں تو نہ سمجھ سکا کہ یہ کون دوست ہیں مگر کسی اور شخص نے مجھے بتایا کہ یہ میر حامد شاہ صاحب کے والد ہیں۔ خیر میں گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے میں نے کہا کہ ایک بڈھا سا آدمی باہر کھڑا ہے اور وہ کہتا ہے کہ بُلاؤ! مرزا صاحب کو، نام حسام الدین ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سنتے ہی اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور سیڑھیوں سے نیچے اُترنا شروع کر دیا۔ ابھی آپ آخری سیڑھی پر نہیں پہنچے تھے کہ میر حسام الدین صاحب نے رو کر اور بڑے زور سے چیخ مار کر کہا کہ اس بڈھے واریں مینوں ذلیل کرنا ہے ساڈاتے نک وڈیا جائے گا۔ یعنی کیا اِس بڑھاپے

میں آپ مجھے لوگوں میں رُسوا کرنا چاہتے ہیں میری تو ناک کٹ جائے گی اگر آپ واپس چلے گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اِس کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ آپ نے فرمایا سید صاحب! ہم بالکل نہیں جاتے، آپ بے فکر رہیں۔ چنانچہ فوراً جماعت نے کیلئے گاڑ کر قناتیں لگا دیں اور شریعت کا منشاء بھی پورا ہو گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو شکایت تھی وہ دُور ہو گئی۔

تو جن لوگوں کو رونا اور شور مچانا آتا ہے وہ دوسروں سے اپنی بات منوا لیا کرتے ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 554-555)

سلسلہ کے لئے مانگنے میں ہتک نہیں

جماعتی ضروریات کے لئے لوگوں سے روپیہ مانگنا اور اُن سے بار بار اِس کا تقاضا کرنا قومی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہوا کرتا ہے۔ مگر میں نے دیکھا ہے غرباء تو پھر بھی مانگ لیتے ہیں، اور امراء پر جماعتی ضروریات کے لئے لوگوں سے چندہ مانگنا نہایت ہی گراں گزرتا ہے اور بعض لوگ اسی بات کو طعنے کے طور پر پیش کر دیتے ہیں۔

مثلاً لوگوں میں لانگری کا ایک لفظ رائج ہے جو عام طور پر دوسرے کی تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ فلاں شخص ایسا ہے جیسے اُس نے مجاوروں کی طرح کسی کی قبر پر لنگر جاری کر رکھا ہو اور وہ اس ذریعہ سے لوگوں سے مانگتا رہتا ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب وفات پا گئے تو صدر انجمن احمدیہ نے میرے سپرد لنگر خانہ کا کام کر دیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب عام طور پر میرے کاموں کو پسند نہیں کیا کرتے تھے لیکن اگر میں کام نہ کرتا تو حضرت خلیفہ اوّلؓ سے یہ شکایت کر دیتے کہ میاں ہماری مدد نہیں کرتے۔

بہر حال جب یہ کام میرے سپرد ہوا تو خواجہ صاحب نے حقارت کے طور میرے متعلق لانگری کا لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب بھی میں اُن سے ملتا کہتے آ گئے لانگری صاحب۔ وہ سمجھتے کہ اِس طرح میری خوب ہتک ہوتی ہے مگر میں پرواہ بھی نہ کرتا۔ آخر چند دن کے بعد وہ خود ہی تھک گئے اور اُنہوں نے اس لفظ کا استعمال ترک کر دیا۔

تو کچھ حقارت کے الفاظ ہوتے ہیں جن کا استعمال لوگ اپنے لئے ہتک کا موجب سمجھتے ہیں مگر ہمیں یہ امر اچھی طرح مد نظر رکھ لینا چاہئے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور اللہ سے روزانہ سوال کرنا ہمارا کام ہے۔ پس جب ہم اللہ سے روزانہ مانگتے ہیں تو اُس کے سلسلہ کے لئے اگر ہمیں کچھ مانگنا پڑے تو اس میں ہمارے لئے ہرگز کوئی ہتک نہیں ہو سکتی۔ مانگنا وہ بُرا ہوتا ہے جس میں انسان اپنے لئے یا اپنے ایسے عزیزوں کے لئے مانگے جن کی ذمہ داری اُس پر ہو۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 660-661)

(الفضل آن لائن 10/ دسمبر 2022ء)

(قسط 11)

دلچسپ و مفید واقعات وحکایات

اسلام کھیلوں سے منع نہیں کرتا

یہ امر یاد رکھو کہ اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے لڑکوں کو افسردہ دل اور افسردہ دماغ بناؤ بلکہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَلَو کَانَ نَبِیًّا یعنی بچہ بچہ ہی ہوتا ہے خواہ اس نے بعد میں نبی ہی کیوں نہ بن جانا ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بھی ثابت ہے کہ آپ بچپن میں کبھی چڑیوں کا شکار کرتے، کبھی غلیلیں بناتے اور کبھی سواری سیکھتے۔ گویا اِس زمانہ کے نبی اور مامور نے بھی بچپن کی عمر میں کھیلوں میں حصہ لیا ہے اور جب آپ نے اس میں حصہ لیا تو اور کون ہے جو کھیلوں میں حصہ لینا خلافِ اسلام قرار دے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن بچوں کو کھیلنے سے روکا جاتا ہے وہ کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتے۔ ہماری جماعت کے ہی ایک مشہور کارکن ہیں اُن کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے بچے کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے ہوکر ان کا وہ بچہ نہ دنیا کا رہا نہ دین کا۔

میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ وہ لڑکا جسے دوسروں سے الگ رکھا جائے گا وہ دوسروں سے زیادہ اچھا کبھی نہیں بن سکے گا کیونکہ اس میں قوتِ عملیہ مفقود ہوگی۔ پس میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے بچوں کو نہ کھلاؤ۔

انہیں کھلاؤ اور پہلے سے زیادہ کھلاؤ اور جتنا ہنسی مذاق وہ پہلے کیا کرتے ہیں اُس سے بھی زیادہ ہنسی مذاق اُنہیں کرنے دو۔

میں صرف یہ کہتا ہوں کہ تم ان کی کھیلوں کو مہذب اور اُن کی ہنسی اور مذاق کو شُستہ بنادو اور ان پر یہ اثر ڈالو کہ تمہیں ان کی کھیلوں سے دلچسپی ہے۔...... میں نے خود ایک ایسا کھیل سیکھا ہوا ہے کہ اگر آج کوئی بچہ وہی کھیل سیکھنے لگے تو شاید پچاس ساٹھ فیصدی احمدی کہنے لگ جائیں کہ توبہ توبہ کیسی لغو کھیل سیکھ رہا ہے حالانکہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مدد سے وہ کھیل سیکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایک احمدی دوست آئے اور کہنے لگے میرا دل چاہتا ہے کہ میں حضور کو کسی طرح خوش کروں۔ مگر میں غریب آدمی ہوں نذرانہ دے نہیں سکتا اور عالم بھی نہیں کہ اپنے علم کے زور سے کوئی خدمت بجالا سکوں۔ مجھے صرف تماشے دکھانے آتے ہیں اگر اجازت ہو تو میں حضور کو وہ تماشے مسجد میں دکھادوں۔ اگر آج کسی مسجد میں تماشہ دکھایا جانے لگے تو شاید اسّی فیصدی احمدی شور مچادیں کہ یہ کفر ہو گیا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب یہ بات سنی تو آپ ہنس پڑے اور فرمایا بہت اچھا ہم تماشہ دیکھیں گے۔

چنانچہ وہ مداری کا تھیلا لے کر مسجد مبارک میں مغرب کی نماز کے وقت آ گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز مغرب کے بعد مسجد میں بیٹھا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ گئے اور ان صاحب نے اپنے کرتب دکھانے شروع کیے۔ کبھی گولہ غائب کر دیتے، کبھی تاش اُڑانے لگ جاتے، کبھی کچھ کرتے اور کبھی کچھ۔ مجھے خوب یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام درمیان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے بائیں طرف گوشہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بیٹھے تھے اور آپ سے ذرا پرے حضرت خلیفہ اول مولوی نورالدین صاحب بیٹھے تھے۔ حضور کے بائیں طرف میں بیٹھا تھا اور مجھ سے ہٹ کر ایک طرف پیر سراج الحق صاحب تھے۔

غرض اُس نے عجیب و غریب تماشے دکھانے شروع کر دیئے۔ کبھی بوتل دکھاتا اور پھر وہ غائب ہو جاتی اور اس کی جگہ گلاس آجاتا اور کبھی گلاس بھی غائب ہو جاتا۔ مولوی عبدالکریم صاحب بہت سادہ

طبیعت کے تھے۔ وہ تماشہ دیکھتے جائیں اور سُبحَانَ اللّٰہِ سُبحَانَ اللّٰہِ کہتے جائیں۔ مگر حضرت خلیفہ اولؓ ان باتوں کو جانتے تھے اور وہ تو اس کا پول بھی کھولنے لگے تھے مگر پھر اُس کی درخواست پر رُک گئے۔

بہرحال اُس نے مسجد مبارک میں تماشے دکھائے اور میں نے بھی دیکھے۔ میرے لئے یہ بات ایسی عجیب تھی کہ گویا آسمان کے فرشتوں نے کائنات کے تمام اسرار کھول کر میرے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ جب کھیل ختم ہو گیا تو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر زور دینا شروع کر دیا کہ اِن صاحب سے کہیں کہ یہ کھیل مجھے بھی سکھا دیں۔ جب میرا اصرار بہت ہی بڑھ گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُس دوست کے نام ایک رُقعہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ:-

مکرمی فلاں صاحب!

محمود کو آپ کی کھیلیں سیکھنے کا بہت شوق پیدا ہو گیا ہے اور وہ بار بار مجھے دِق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کھیلیں اسے سکھا دی جائیں آپ کا تو یہ پیشہ ہے اس لئے میں زور نہیں دیتا لیکن اگر آپ کا کوئی حرج نہ ہو تو بعض کھیلیں محمود کو سکھا دیں۔ چنانچہ میں باقاعدہ اس مداری کا شاگرد بنا اور پانچ سات دنوں میں اُن کرتبوں کا ایک حصہ اس نے مجھے سکھا دیا۔

اب اگر کوئی مداری کے کھیل سیکھنا چاہے تو تم فوراً کہہ دوگے کہ توبہ! توبہ! یہ تو بڑے گناہ کی بات ہے حالانکہ میں نے خود یہ کھیل سیکھا اور نہ صرف سیکھا بلکہ کئی دفعہ اپنے گھر میں دوسروں کو بھی میں نے یہ کھیل دکھائے ہیں۔ اب تو ایک عرصہ سے مجھے اس کا موقع نہیں ملا لیکن اس سے پہلے کبھی فرصت کا وقت ہوا اور بچوں سے باتوں میں مشغول ہوا تو میں انہیں بعض کھیل دکھا دیا کرتا تھا۔

میرے ایک بھتیجے کا ایک لطیفہ ہے جو اب تک مجھے یاد ہے۔ 41-51 سال کی بات ہے میاں بشیر احمد صاحب کا لڑکا منیر احمد ابھی چھوٹا بچہ تھا کہ ایک دن بعض بچوں کے کہنے پر میں نے بعض کھیل اُنہیں دکھائے۔

عزیزم منیر احمد بہت چھوٹا تھا اور کرسی پر سامنے بیٹھا تھا۔ باقی تو ان کھیلوں پر بڑا تعجب کرتے رہے مگر میں نے دیکھا کہ منیر پتھر کی طرح کرسی پر جم کر بیٹھا رہا اور جب تک میں کھیلیں دکھاتا رہا وہ برابر مجھے

گھورتا چلا گیا۔ چار پانچ منٹ بچوں کا دل خوش کرنے کے بعد جب میں نے بچوں سے پوچھا اور وہ سب اپنی حیرت کا اظہار کر چکے تو میں نے منیر سے بھی پوچھا منیر تم نے کیا دیکھا؟

اس پر وہ بے ساختہ کہنے لگا۔ چچا ابا! جان بھی دیو میں جانداں ہاں تہاڈی چلا کیاں نوں۔ یعنی چچا ابا! آپ جانے بھی دیں میں آپ کی چالاکیوں کو خوب جانتا ہوں۔ ہم سب لوگ دیر تک اُس کے اِس فقرہ پر ہنستے رہے۔ اب منیر کو کبھی یہ بات یاد کرائی جاتی ہے تو وہ بڑا شرمندہ ہوتا ہے۔ تو اِس قسم کی کئی کھیلیں ہیں جو ہم کھیلتے رہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنے بچپن میں کئی کھیلیں کھیلیں اور ہمیں بعض کھیل دیکھنے کے لئے بھجواتے رہے اور بعض دفعہ مداریوں کا تماشہ گھر کے دروازہ پر بچوں کے دیکھنے کے لئے اجازت دی۔

پس کھیلوں میں حصہ لینا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اگر بچے کھیلوں کی طرف توجہ نہ کریں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ اُن کی اخلاقی حالت اچھی نہیں ہوگی۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 564 تا 567)

دنیا کوئی حقیقت نہیں رکھتی

خدا تعالیٰ کے نزدیک دین ہی سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے دنیا کے کام جب دین کے مقابل پر آئیں تو اللہ تعالیٰ اُنہیں مٹانے سے دریغ نہیں کرتا۔ یا پھر وہ ان دنیاوی کاموں کو مٹانے سے دریغ کرتا ہے جو دینی کاموں کی تائید میں ہوں۔ یا کسی دینی کام کے مخالف نہ ہوں اور کسی دینی کام کے مقابل پر نہ آئیں۔ ذیل کی روایت روایتاً خواہ کیسی ہی کمزور ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کی اچھی مثال ہے۔

کہتے ہیں کہ جب طوفانِ نوح آیا اور پانی بہت اونچا ہونے لگا تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ پانی کافی اونچا ہو گیا ہے، کافی تباہی آچکی ہے اب اسے بند کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی اَور اونچا ہونے دو۔ پھر اَور اونچا ہوا۔ تو فرشتوں نے عرض کیا کہ اب بند کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں ابھی اور اونچا ہونے دو فلاں پہاڑ کی چوٹی پر ایک درخت کی اوپر کی شاخ پر ایک چڑیا کا بچہ ہے وہ پیاسا ہے جب تک وہ اپنی چونچ سے نہ پی لے طوفان بند نہ کرو۔

تو دنیا اپنی ظاہری شان و شوکت کے باوجود کوئی حقیقت نہیں رکھتی بِالخصوص جب وہ دین کے مقابل پر آئے تو اللہ تعالیٰ اسے تباہ کرنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 586-587)

زہر دے دیا تریاق پسند نہیں

ایک احمدی طالب علم نے مجھے ایک دفعہ لکھا کہ میرے والد صاحب میرے نام اخبار الفضل جاری نہیں کراتے۔

ان کی دو بیویاں تھیں اور پہلی کے ساتھ اُن کے تعلقات کشیدہ تھے۔ مَیں نے خیال کیا کہ یہ بیٹا اُس بیوی سے ہو گا مگر جب مَیں نے ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ ان کی دوسری بیوی سے ہے۔ جب مَیں نے ان سے دریافت کیا کہ وہ اس کے نام الفضل کیوں جاری نہیں کراتے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ مذہب کے بارہ میں اِس کی رائے آزاد رہے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ آپ نے اسے دُنیوی تعلیم کے لئے کالج میں بھیجا ہوا ہے جہاں وہ فلسفہ کی کتابیں اس پر اثر ڈالتی ہیں جو وہ پڑھتا ہے۔ جہاں اُس کے استاد اور دوست اثر ڈالتے ہیں۔ آپ کا یہ خیال ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس کے مذہبی خیالات پر گمراہ کن اثر نہیں ڈالتا؟ آپ نے اس کے لئے زہر کا انتظام تو کر رکھا ہے مگر تریاق آپ کو پسند نہیں۔

وہ جن کا کوئی حق نہ تھا کہ اسے مذہب کے بارہ میں کچھ سکھاتے وہ تو سکھا رہے ہیں مگر آپ جن کا فرض تھا اِس سے غافل ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 592-593)

دل میں ایمان ہو تو تعلیم و تربیت درست ہو جاتی ہے

اپنی نیتوں کو درست کر لو اور تعلیم و تربیت کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ دیکھو قرآن کریم نے کیسی موٹی مثال تربیت کی دی ہے۔

فرعون حضرت موسیٰ کے مقابلہ پر بازیگروں کو لایا۔ ان لوگوں کی تربیت اور اخلاق جس قسم کے ہوتے ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ یہ لوگ ذلیل طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے سب کام ایک دھوکا کی

شکل رکھتے ہیں ہاتھ اِدھر مارا اور چیز اُدھر سے نکال دی۔ ظاہر ایسا کرتے ہیں کہ گویا وہ پیٹ میں سے گولہ نکال رہے ہیں لیکن نکالتے دراصل آستین میں سے ہیں۔ چنانچہ جب ان کو فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ کے لئے بُلایا تو اُنہوں نے پہلے یہی کہا کہ اچھا اگر ہم خوش کریں گے تو آپ کیا دیں گے؟

اس سے بھی اُن لوگوں کی ذہنیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جب حضرت موسیٰؑ کے معجزہ نے ان کو مغلوب کر دیا اور ان پر ظاہر ہو گیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو فوراً ایمان لے آئے۔

یہاں تک تو دلیل کی بات تھی جو انہوں نے مان لی مگر آگے تربیت کا حصہ ہے۔ فرعون نے ان کو دھمکی دی کہ میں تمہیں بہت اذیت دوں گا بلکہ یہاں تک کہا کہ صلیب پر لٹکا دوں گا کیونکہ تم لوگوں نے مجھے ذلیل کرایا ہے۔

تو دیکھو! وہی لوگ جو ایک منٹ پہلے کہہ رہے تھے کہ اچھا مولا خوش کریں گے تو دلاؤ گے کیا؟ وہ فرعون کی اِس دھمکی کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر تو ہمیں پھانسی بھی دے دے گا تو کیا، تو ہماری جان ہی لے سکتا ہے اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے۔ تو یہ تربیت ایمان کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بڑھیا عورت کو ایک پیسہ کا خط اس کا کوئی عزیز لکھتا ہے تو وہ جب تک اسے سات مختلف لوگوں سے پڑھوا کر نہ سن لے اُسے چین نہیں آتا لیکن قرآن کریم جو خدا تعالیٰ کا کلام ہے اس کے پڑھنے کی طرف مسلمانوں کو کوئی توجہ نہیں۔

پس اپنے دلوں میں ایمان پیدا کرو۔ اگر دل میں ایمان پیدا ہو جائے تو تعلیم و تربیت خود بخود درست ہو جاتی ہے۔ پس میری آپ لوگوں کو پہلی اور آخری نصیحت یہی ہے کہ اپنے دلوں میں ایمان پیدا کرو۔ اپنی اور اپنی اولادوں کی تعلیم و تربیت کا خود فکر کرو۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 596-597)

قرآن میں تاثیر ہوئی تو مسلمان ہو جائیں گے

مہاشہ محمد عمر صاحب نے بھی پنجاب یونیورسٹی سے مولوی عالم کی ڈگری کے برابر ڈگری سنسکرت میں حاصل کی ہوئی ہے یہ مادرزاد ہندو ہیں اس لئے ان کا لہجہ وغیرہ بھی ہندوانہ ہے....... غالباً 1922ء کی

بات ہے کہ مہاشہ محمد عمر صاحب ہندو طالب علموں کی ایک پارٹی کے ساتھ مجھے ملنے کے لئے آئے تھے۔ گوروکل کانگڑی کے ایک پروفیسر صاحب یہاں ایک جلسہ پر آئے تھے اور اپنی بہادری دکھانے کے لئے کہ دیکھو! میں کیسی اچھی تقریر کرتا ہوں طالب علموں کی ایک پارٹی کو بھی ساتھ لے آئے۔ اُنہوں نے طلباء کو مجھ سے ملنے کے لئے بھی بھیجا۔ اُس وقت مہاشہ محمد عمر بھی ان کے ساتھ تھے مَیں نے طالب علموں سے کہا پروفیسر صاحب سے کہو کہ آپ اپنے چند طالب علم یہاں بھیج دیں میں خود اُن کو قرآن پڑھاؤں گا۔ اِسی طرح میں چند طالب علم بھیجتا ہوں جن کو وہ وید پڑھائیں۔ خرچ اپنے طالب علموں کا بھی اور اُن کے بھیجے ہوئے طالب علموں کا بھی مَیں ہی دوں گا۔

اگر قرآن کریم میں تاثیر ہو گی تو ان کے بھیجے ہوئے طالب علموں کو میں مسلمان کر لوں گا اور اگر ویدوں میں تاثیر ہو گی تو ہمارے طالب علموں کو وہ ہندو کر سکیں گے اور یہ ہم دونوں کا انعام ہو گا مگر اُنہوں نے اِس تجویز کو نہ مانا۔ مہاشہ محمد عمر صاحب بھی اِس پارٹی میں تھے اُن کے دل پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ چند دنوں کے بعد بھاگ کر یہاں آ گئے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 606-607)

چالاقیاں ہی نقصان پہنچاتی ہیں

کہتے ہیں کوئی شخص کسی درزی کے پاس کپڑا لے کر گیا اور کہنے لگا کہ کیا اِس کپڑے کی دو ٹوپیاں بن جائیں گی؟ اُس نے کہا کہ ہاں دو ٹوپیاں تیار ہو جائیں گی۔ وہ کہنے لگا کیا اس کی تین ٹوپیاں بن سکتی ہیں؟ درزی نے کہا تین بھی بن سکتی ہیں اِس پر وہ کہنے لگا اچھا بتاؤ کیا اس کپڑے کی چار ٹوپیاں بن جائیں گی؟ اس نے کہا کہ ہاں آپ چاہیں تو چار ٹوپیاں بھی بن سکتی ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا اس کی پانچ ٹوپیاں بن سکتی ہیں؟ درزی نے کہا کہ پانچ بھی بن سکتی ہیں۔ اِسی طرح بڑھتے بڑھتے وہ آٹھ تک پہنچا اور درزی نے پھر بھی یہی کہا کہ ہاں اِس کی آٹھ ٹوپیاں بھی بن سکتی ہیں۔ چنانچہ اُس نے کہا بہت اچھا اِس کی آٹھ ٹوپیاں تیار کر دو۔ درزی نے کپڑا رکھ لیا اور وہ شخص چلا گیا۔ جب چند دنوں کے بعد وہ ٹوپیاں لینے کے لئے آیا تو درزی نے چوہے کے سر جیسی آٹھ ٹوپیاں اُس کے سامنے رکھ دیں۔ وہ کہنے لگا ہیں یہ کیا، اتنی چھوٹی چھوٹی ٹوپیاں

بنانے کے لئے کس نے کہا تھا؟ درزی نے کہا اپنا کپڑا ناپ لیجئے اگر اِس میں سے کچھ کم ہو تو آپ مجھے کو سیں ورنہ آپ جتنے کپڑے میں مجھے آٹھ ٹوپیاں بنانے کے لئے کہہ گئے تھے اِتنے کپڑے کی آٹھ ٹوپیاں تیار کر دی گئی ہیں۔ اگر آپ کو اب تکلیف ہوئی ہے تو اِس کے ذمہ دار آپ ہیں میں نہیں۔۔۔۔ درحقیقت جب بھی تقویٰ کو مد نظر نہیں رکھا جائے گا تو اس کا نتیجہ ایسا ہی نکلے گا۔۔۔ جب بھی انسان پوری طرح تقوی سے کام نہ لے گا، وہ ضرور پھنسے گا۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 625-626)

یہ اطاعت نہیں ہے

قصّہ مشہور ہے کہ ایک چوہے نے کسی اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور کئی میل تک چلتا گیا۔ اونٹ بھی خاموشی سے اُس کے پیچھے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے سامنے دریا آگیا۔ اونٹ نے دریا کو دیکھا تو رُک گیا اور اُس نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر چوہا کہنے لگا اب تک تو تم میری اطاعت کرتے آئے تھے یہ کیا ہوا کہ یہاں آکر تم نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا؟

اونٹ کہنے لگا میں تمہاری اطاعت تو نہیں کر رہا تھا میری تو اپنی مرضی اِس طرف آنے کی تھی تم نے یہ سمجھ لیا کہ میں تمہاری اطاعت کر رہا ہوں۔ اب آگے جانے کی میری مرضی نہیں اِس لئے میں تمہارے ساتھ نہیں چلتا۔

اِس قِصّہ میں یہی بتایا گیا ہے کہ کئی اطاعتیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر تو اطاعتیں نظر آتی ہیں مگر درحقیقت اُن میں انسان کی اپنی مرضی اور رضا کا دخل ہوتا ہے۔ جب تک اس کے منشاء کے مطابق کام ہوتا رہتا ہے وہ چلتا چلا جاتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اطاعت کر رہا ہے مگر جونہی اس کی طبیعت کے خلاف کوئی بات آجاتی ہے اُس کا تمام تعاون جاتا رہتا ہے اور وہ مخالفت کرنے لگ جاتا ہے۔ جس سے صاف پتہ لگ جاتا ہے کہ اُس کا تعاون اپنی مرضی کے لئے تھا اطاعت اور فرمانبرداری کا اس میں دخل نہیں تھا۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 655)

آزادانہ زندگی پر خانگی زندگی کو ترجیح

اگر مجبوری نہ ہو تو کون ہے جو یورپ کے فلسفہ کے آگے سر جُھکا سکے۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ یورپ کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی کی فضاء میں جن عورتوں نے پرورش پائی ہوئی ہوتی ہے وہ بھی جب دیکھتی ہیں کہ اُن کے تمام حقوق اُن کو مل گئے ہیں تو یورپ کی آزادانہ فضاء کو ایک لحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتیں۔

تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ ایک ریاست میں سے کوئی مسلمان لوہار ولایت گیا۔ تو وہاں سے وہ ایک انگریز عورت کو بیاہ لایا۔ وہ ہندوستان آکر اُسی طرح پردہ کرتی تھی جس طرح مسلمان عورتیں پردہ کرتی ہیں بلکہ گھر کے کام میں بھی وہ پورا حصہ لیتی۔ چکّی اپنے ہاتھوں سے پیستی اور صبح شام خاوند کو روٹی پکا کر دیتی۔

کچھ عرصہ کے بعد لوگوں میں یہ بات مشہور ہوئی تو کسی شخص نے ریذیڈنٹ کو ایک چٹھی لکھ دی کہ اس اس طرح ریاست میں فلاں لوہار نے ایک انگریز عورت کو قید کر رکھا ہے۔ ریذیڈنٹ نے نواب صاحب کو لکھا کہ فوراً تحقیقات کی جائے اور عورت کو اس سے چھڑایا جائے۔

ریاستوں کے نواب بظاہر تو نواب کہلاتے ہیں مگر ریذیڈنٹ کے مقابلہ میں خادموں کی طرح ہوتے ہیں۔ اُس کے پاس چٹھی پہنچی تو کانپنے لگ گیا کہ اب نہ معلوم میرے ساتھ کیا سلوک ہو۔ چنانچہ اُس نے لوہار کو بلایا اور اُسے خوب ڈانٹا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی ہے اور اُسے کہا کہ وہ فوراً عورت کو رخصت کر دے ورنہ اس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا جائے گا۔

لوہار نے کہا کہ صاحب! مجھے کوئی اعتراض نہیں میں بھیجنے کے لئے تیار ہوں آپ اُس سے بھی تو دریافت فرمالیں کہ آیا وہ واپس جانے کے لئے تیار ہے یا نہیں؟ اس سے پوچھا گیا تو وہ کہنے لگی یہ لوگ ہیں کون جو میرے ذاتی معاملات میں دخل دیتے ہیں۔ مَیں نے جو کچھ کیا اپنی مرضی سے کیا ان کا کیا اختیار ہے کہ مجھے زبردستی واپس بھجوانے کی کوشش کریں۔ اُس سے کہا گیا کہ دیکھو یہ شخص تم سے چکّی پِسواتا ہے، صبح شام کھانا تیار کراتا ہے اور گھر کا تمام کام لیتا ہے، یہ سلوک نہایت ہی نامناسب ہے، پس ایسے شخص کے پاس ایک منٹ بھی نہیں رہنا چاہیئے۔

اس نے کہا چکّی میں اپنی مرضی سے پیستی ہوں، پردہ اپنی مرضی سے کرتی ہوں، کھانا اپنی مرضی سے پکاتی ہوں اِس پر کسی اَور کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ مَیں نے تو جب اِس خاوند کو اپنے لئے پسند کیا تھا اُسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ جو رواج اس کے ملک کا ہو گا وہی میں قبول کروں گی۔ چنانچہ اب مَیں خوشی سے اِس رواج کو قبول کر چکی ہوں کسی شخص کا کوئی حق نہیں کہ وہ اس بارہ میں دخل دے اور مجھے اپنے خاوند سے الگ کرنے کی کوشش کرے۔ آخر نواب صاحب نے مجبور ہو کر ریذیڈنٹ کو لکھا کہ وہ عورت قید نہیں بلکہ آرام سے گھر میں رہتی ہے۔ ہم نے خود اُسے بلا کر تمام حالات دریافت کیے ہیں اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی خوشی اور رضامندی سے اس کے گھر میں رہتی ہے، زبردستی اُسے نہیں رکھا گیا اور اب وہ اس گھر کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر کہا جائے تو زبردستی اِس کو بھجوا دیا جائے۔ گورنمنٹ نے جواب دیا کہ ہمارا یہ منشاء نہ تھا۔ اگر وہ خوشی سے رہتی ہے تو اس کا اختیار ہے۔

تو ایسی مثالیں یورپین عورتوں کی بھی ملتی ہیں کہ جب انہیں تمام حقوق دے دیئے گئے تو انہوں نے یورپ کی آزادانہ زندگی پر خانگی زندگی کو ہزار درجہ زیادہ ترجیح دی اور باوجود لوگوں کے بہکانے اور اکسانے کے وہ اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 676-677)

ہمارے ہاں کوئی بددیانتی نہیں کرتا

ہمارے ہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے چندہ کی وصولی میں اتنی غیر معمولی دیانت پائی جاتی ہے کہ اس زمانہ میں کسی قوم میں بھی ایسی مثال نہیں ملتی۔

مَیں ایک دفعہ شملہ میں تھا کہ ایک بڑے گورنمنٹ افسر نے دعوت کی اور اس میں مجھے بھی مدعو کیا۔ مَیں نے کہا کہ مَیں شامل نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسی دعوتوں میں انگریز افسروں کے ساتھ اُن کی بیویاں بھی آجاتی ہیں اور وہ مصافحہ کرنا چاہتی ہیں اور مَیں نے مصافحہ کرنا نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اُنہیں تکلیف ہوتی ہے مگر اُنہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ آپ ضرور شامل ہوں، ہم آپ کو ایک طرف بٹھا دیں گے۔ چنانچہ مَیں اس دعوت میں شریک ہو گیا۔

مسٹر سٹرک لینڈ کو آپریٹو سوسائٹیز کے ایک انگریز رجسٹرار تھے۔ انہیں جب میرا پتہ لگا تو وہ میرے پاس آبیٹھے اور کہنے لگے کہ ہمارے پاس طاقت بھی ہے حکومت بھی ہے مگر پھر بھی ہمارے ملازموں میں بڑی بددیانتی پائی جاتی ہے۔ آپ کی جماعت بھی چندے وصول کرتی ہے آپ نے اس بددیانتی کو دُور کرنے کا کیا علاج کیا ہوا ہے؟

مَیں نے کہا ہمارے ہاں کوئی بددیانتی نہیں کرتا کیونکہ ان کا ایمان ہے کہ بددیانتی انسان کے ایمان کو ضائع کر دیتی ہے۔ بے شک ہم کسی طاقت یا حکومت کا دباؤ اُن پر نہیں ڈال سکتے مگر ایمان کا دباؤ ایسی چیز ہے کہ جو کام حکومت کے دباؤ سے نہیں ہو سکتا وہ ایمان کے دباؤ سے ہو جاتا ہے اور اصل چیز ایمان ہی ہے۔ یہ اگر دل میں پیدا ہو جائے تو انسان نہ بددیانتی کرتا ہے، نہ چوری کرتا ہے، نہ ڈاکہ ڈالتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چیزیں اس کے ایمان کو ضائع کرنے والی ہیں۔

وہ انگریز افسر اُس وقت چھٹی پر انگلستان جا رہا تھا۔ میری اِن باتوں سے اِس قدر متاثر ہوا کہ کہنے لگا اگر میں واپس آیا تو میں حکومت سے درخواست کروں گا کہ کوآپریٹو سوسائٹیز کے انسپکٹر پہلے چھ ماہ کے لئے امام جماعت احمدیہ کے پاس بھیج دیئے جایا کریں تا کہ وہ ان میں دیانت کی روح پیدا کریں۔ میں نے کہا آپ کو گورنمنٹ اِس کی اجازت نہیں دے گی۔ کہنے لگا میں تو ضرور درخواست کروں گا۔ غرض وہ بہت ہی متاثر ہوا کہ جماعت احمدیہ میں کس قدر دیانت پائی جاتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 700-701)

احمدیت سے باہر دیانتداری کا معیار

سندھ میں ایک اکاؤنٹنٹ تھا جس نے بہت اچھا کام کیا اور بعض دفعہ انعام حاصل کیا۔ بعد میں اُس کی ایک بددیانتی ثابت ہوئی، اُس پر مقدمہ چلا اور وہ قید ہو گیا مگر اس سے پہلے اُس کے اچھے کام پر انعام منظور ہوا۔ مقدمہ کے دوران میں ہی انعام کا بل منظور ہو کر وہاں پہنچا اور چونکہ اُس وقت اِس اکاؤنٹنٹ پر مقدمہ چل رہا تھا اور اُس کی جگہ ایک اور اکاؤنٹنٹ کام کر رہا تھا، اِس لئے اُس دوسرے اکاؤنٹنٹ کو یہ روپے پہنچا دیئے گئے اور اُسے کہہ دیا گیا کہ یہ فلاں کو پہنچا دینا۔

کچھ عرصہ کے بعد چیکنگ میں وہ رقم جو بطور انعام بھجوائی گئی تھی دفتر سے غائب معلوم ہوئی۔ اِس پر نئے اکاؤنٹنٹ سے دریافت کیا گیا تو اُس نے کہا کہ یہ تو اکاؤنٹنٹ کا انعام تھا چونکہ اُس کی جگہ میں کام کر رہا تھا اِس لئے وہ روپے میں نے خرچ کر لئے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ روپے مجھے اپنی ذات پر خرچ نہیں کرنے چاہئے تھے تو مَیں واپس دے دیتا ہوں۔

اِس سے پتہ لگتا ہے کہ دیانتداری کا معیار بعض لوگوں کے نزدیک کتنا گر جاتا ہے کہ دوسرے کی چیز وہ اپنے استعمال میں لے آتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا درست اور صحیح کیا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 136-137)

(الفضل آن لائن 7؍ جنوری 2023ء)

(قسط 12)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

دنیا کو برا کہنے والے بھی دنیا چھوڑنا نہیں چاہتے

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اگر واقعہ میں دنیا کے صدمات اور رنج ہمارے دلوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں تو ان صدمات اور غموں سے آزاد ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کونسا طریق ہو سکتا ہے کہ اسلام اور احمدیت کی راہ میں ہم اپنے نفوس کو قربان کر دیں اور اِس عارضی حیات کو ابدی اور دائمی حیات میں تبدیل کر لیں۔

میرے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور وہ مجھے کہنے لگا دنیا کتنے بڑے غموں اور ابتلاؤں کی جگہ ہے اور خدا نے ہمیں اِس دنیا میں پیدا کر کے کتنی بڑی مصیبت میں ڈال دیا ہے کہ ہر طرف رنج اور بلائیں اور مصیبتیں اور دکھ ہی دکھ ہیں اور عذاب ہی عذاب چاروں طرف نظر آتا ہے۔ کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جو حقیقی سُکھ اور راحت کا موجب ہو اور جب حالت یہ ہے تو خدا نے ہمیں اِس دنیا میں کیوں پیدا کیا؟ میں نے اُسے بار بار سمجھایا کہ تمہارا یہ نظریہ درست نہیں۔ دنیا محض مصائب اور آلام کی جگہ نہیں بلکہ ترقی کا ایک زینہ ہے جو ہمارے سامنے رکھا گیا ہے مگر وہ اتنا بھرا بیٹھا تھا کہ میرے اِس توجہ دلانے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بار بار یہی کہتا چلا گیا کہ آخر خدا کو یہ کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ وہ مجھے اِس دنیا میں بھیجتا۔ مَیں

مانتاہوں کہ دنیامیں کچھ راحت اور آرام کے سامان بھی ہیں مگر اس راحت اور آرام کے باوجود میں اس دنیا کے مصائب سے تنگ ہوں اور میں حیران ہوتاہوں کہ خدا مجھے اِس دنیامیں کیوں لایا۔

جب میں نے اُس کی یہ دماغی کیفیت دیکھی تو میں نے کہامَیں آپ کو اِس تکلیف کے رفع کرنے کا ایک آسان رستہ بتادیتاہوں اُس پر عمل کرنے سے آپ کا یہ غم اور دُکھ فوراً دُور ہو جائے گا۔

میرے سامنے اُس وقت چنار کا ایک درخت کھڑا تھا اور چنار کی لمبی شاخیں ہوتی ہیں میں نے کہا جب آپ دنیا سے ایسے ہی دل برداشتہ ہو چکے ہیں تو گھبراتے کیوں ہیں۔ دُنیا کے غموں سے نجات حاصل کرنے کا آسان ترین طریق یہ ہے کہ آپ اس چنار کے درخت کی شاخ کا چھلکا اُتار کر اپنے گلے میں ڈال لیں اور اس درخت کی کسی موٹی سی ٹہنی سے لٹک کر مر جائیں، دنیا کے تمام دکھوں اور غموں سے آپ فوراً آزاد ہو جائیں گے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ چند پیسوں کا سنکھیا خرید کر کھالیں کیونکہ ممکن ہے آپ کہہ دیں میں غریب آدمی ہوں میرے پاس تو کوئی پیسہ نہیں مَیں سنکھیا کہاں سے خریدوں اور کس طرح دنیا کے مصائب سے نجات حاصل کروں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ آگ میں گر کر اپنے آپ کو ہلاک کر دیں کیونکہ ممکن ہے آپ کہہ دیں میرے پاس اتنی طاقت بھی نہیں کہ مَیں دیاسلائی خریدوں، لکڑیوں کا انبار جلانا تو دُور کی بات ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ جائیں اور کسی دریا میں کود کر دنیا کے دُکھوں سے نجات پا جائیں کیونکہ ممکن ہے آپ کہہ دیں مَیں کمزور آدمی ہوں مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں دریا تک چل کر جاسکوں۔ آپ کے سامنے بالکل قریب پانچ سات قدم کے فاصلہ پر چنار کا درخت کھڑا ہے آپ اس کا چھلکا گلے میں ڈال کر اور اِسی کی موٹی شاخ سے لٹک کر مر جائیں۔ آپ دنیا کے تمام افکار اور تمام ہموم سے جنہوں نے آپ کی زندگی کو تلخ بنا رکھا ہے اور جن کی وجہ سے آپ خدا تعالیٰ کے فعل پر معترض ہو رہے ہیں آزاد ہو جائیں گے اور ہمیشہ کی راحت آپ کو حاصل ہو جائے گی۔

میری یہ بات سن کر اس کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا اور وہ کہنے لگا آپ تو مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ میں نے کہامَیں نے کوئی گالی نہیں دی میں نے تو آپ پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ مَیں

دنیا کے مصائب سے تنگ آ گیا ہوں تو آپ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ دنیا آپ کو بھی پیاری ہے اور آپ بھی نہیں چاہتے کہ اس دنیا سے نجات حاصل کریں۔

اگر حقیقت میں دنیا ایک مصیبت ہوتی، ایک آفت اور ایک بَلاء ہوتی تو آپ ایک منٹ کے لئے بھی اس دنیا میں رہنا برداشت نہ کر سکتے۔ مگر آپ کا اس دنیا میں رہنا اور اس دنیا سے نکلنے کے لئے کوشش نہ کرنا بلکہ اگر اس دنیا سے نکلنے کا آپ کو کوئی راستہ بتایا جائے تو آپ کا اسے اپنی ہتک سمجھنا بتا رہا ہے کہ آپ بھی اس دنیا کو راحت اور آرام کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور گو منہ سے یہی کہتے ہیں کہ خدا نے بڑا ظلم کیا کہ آپ کو اس دنیا میں اُس نے بھیج دیا لیکن حقیقت اِس کے خلاف ہے۔ آپ کا دل محسوس کرتا ہے کہ میری زبان جو کچھ کہہ رہی ہے وہ غلط ہے کیونکہ مَیں اِس ظلم سے بچنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہا حالانکہ میرے سامنے ایسے راستے موجود ہیں جن پر چل کر میں اپنے آپ کو اس ظلم کا مورِد بننے سے محفوظ رکھ سکتا ہوں۔

گزشتہ دنوں جب میں لاہور میں تھا تو ایک ایم۔ اے کا سٹوڈنٹ مجھ سے ملنے کے لئے آیا اور اس نے بھی میرے سامنے اسی بات کو پیش کیا کہ دنیا بڑے مصائب کا مقام ہے اور میں نہیں سمجھ سکا کہ خدا نے ایسے مقام میں ہمیں کیوں بھیج دیا؟

میں نے اُسے یہی قصّہ سنایا اور بتایا کہ میں نے ایک شخص کو جو یہی اعتراض لے کر آیا تھا یہ علاج بتایا تھا مگر وہ اُلٹا ناراض ہو گیا اور کہنے لگا آپ مجھے گالیاں دے رہے ہیں حالانکہ اگر واقع میں دنیا مصائب کا مقام ہے تو وجہ کیا ہے کہ اِس دنیا سے نجات حاصل کرنے کا طریق اختیار نہیں کیا جاتا۔

یہ طالب علم پہلے سے زیادہ ہوشیار تھا۔ کہنے لگا اُس کا ناراض ہونا تو درست نہیں تھا لیکن آپ مجھے بتائیں اگر مَیں خودکشی کر لوں تو کیا آپ مان لیں گے کہ یہ دنیا مصائب و آلام کی جگہ ہے؟

میں نے کہا صرف تمہاری خودکشی سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا میں بعض لوگ پاگل بھی ہوتے ہیں اور عقل مند اُن کے پیچھے چلا نہیں کرتے۔ اکثریت ہی ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ عقل سے کام لے رہی ہے۔ پس اگر دنیا کی اکثریت خودکشی کر لے تو پھر بے شک مَیں مان لوں گا کہ دنیا میں غم ہی غم ہے، دکھ ہی دُکھ ہے، تکلیف ہی تکلیف ہے اور رنج ہی رنج ہے لیکن اگر اکثریت دنیا میں

رہنے پر خوش ہے، اگر اکثریت دنیا میں رہنا اپنے لئے کسی عذاب کا موجب نہیں سمجھتی تو استثنائی طور پر اگر کوئی شخص اپنی دماغی خرابی کی وجہ سے دنیا کو مصیبت کی جگہ سمجھتا ہے اور اِس خیال کے غالب آجانے کی وجہ سے وہ خودکشی بھی کر لیتا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے جس مقصد کے لئے خودکشی کی تھی وہ صحیح اور درست تھا۔ ہاں اگر ساٹھ فی صدی لوگ خودکشی کر لیں تو پھر بے شک میں مان لوں گا کہ دنیا مصیبت کی جگہ ہے کیونکہ اکثریت نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اِس دنیا میں رہنا پسند نہیں کرتی۔

غرض دنیا اگر ہمیں تکلیف کی چیز نظر آتی ہے تو پھر آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان دے دینا ہمارے لئے بالکل آسان ہو جاتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 9 تا 12)

خدا کا سچا عاشق جان ہتھیلی پر رکھتا ہے

جب بھی کسی شخص کے دل میں خدا تعالیٰ کا سچا عشق ہو گا وہ اپنی جان کو ہر وقت ہتھیلی پر لے کر پھرتا رہے گا اور موقع ملنے پر خدا تعالیٰ کے سامنے اپنی اس حقیر قربانی کو پیش کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا۔

احد کی جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں چونکہ اس جنگ کی ابتداء میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہو چکی تھی اور اس امر کا کوئی خیال نہیں تھا کہ کفّار پہاڑ کے پیچھے سے دوبارہ حملہ کر دیں گے اس لئے اکثر صحابہؓ اس خیال سے کہ وہ میدان تو اب جیت چکے ہیں اِدھر اُدھر پھیل گئے تھے۔ صرف چند صحابہؓ ایسے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرد گرد موجود تھے۔ اسی دوران میں دشمن نے شدید حملہ کیا اور اس نے اپنے حملے کا تمام زور اس جگہ پر صَرف کر دیا جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔ تیروں کی بوچھاڑ کی وجہ سے یکے بعد دیگرے صحابہؓ زخمی ہو ہو کر گرنے شروع ہوئے یہاں تک کہ آخر میں زخموں سے نڈھال ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک گڑھے میں گر گئے اور لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ خبر سنی تو وہ ایک ٹیلے پر بیٹھ کر رونے لگ گئے۔

اِسی دَوران میں حضرت انسؓ بن مالک کے چچا وہاں سے گزرے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ فتح کے بعد پھر شکست کی ایک صورت پیدا ہو چکی ہے۔ انہوں نے جب حضرت عمرؓ کو سر نیچے ڈال کر روتے ہوئے دیکھا تو حیرت سے کہا عمرؓ! یہ بھلا کونسا رونے کا مقام ہے۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری عقل ماری گئی ہے، یہ خوشی کا وقت ہے، یہ اُچھلنے اور کودنے کی گھڑیاں ہیں کہ اسلام کو فتح حاصل ہوئی مگر تم ہو کہ سب سے الگ بیٹھ کر عورتوں کی طرح رو رہے ہو۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا مالکؓ! معلوم ہوتا ہے تمہیں پتہ نہیں کہ کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا پتہ کیوں نہیں اسلام کو فتح حاصل ہوئی ہے اور کفّار شکست کھا گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو پہلا واقعہ ہے تمہیں معلوم نہیں بعد میں کیا ہوا۔ اِس فتح کے بعد جب مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول تھے تو کفّار نے میدان خالی پا کر پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ صرف چند آدمی رسول کریم ﷺ کے اِرد گرد تھے اُنہوں نے خوب مقابلہ کیا مگر وہ مارے گئے اور آخر یہ نتیجہ ہوا کہ رسول کریم ﷺ بھی ان کے حملہ سے شہید ہو گئے۔

جب مالکؓ نے یہ بات سنی تو اُس وقت ان کے ہاتھ میں ایک کھجور تھی۔ پانچ دس کھجوریں اُنہیں کہیں سے ملی تھیں اور وہ بھوک کی شدت میں اُن کو کھا رہے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے اُن سے یہ بات کہی تو اُس وقت آخری کھجور اُن کے ہاتھ میں تھی۔ اُنہوں نے اُس کھجور کو اُٹھایا اور کہا میری جنت اور میرے محبوب رسول کریم ﷺ کے درمیان سوائے اِس کھجور کے اور روک ہی کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔

عمرؓ! اگر یہ بات ہے تو پھر بھی رونے کا کوئی مقام نہیں جہاں ہمارا پیارا گیا ہے وہیں ہمیں بھی جانا چاہئے۔ یہ کہہ کر انہوں نے کھجور اپنے ہاتھ سے پھینک دی، تلوار اُٹھائی اور اکیلے ہی دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور اس شدت سے لڑائی کی کہ کفّار کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا مگر آخر ایک آدمی لشکر کا کہاں مقابلہ کر سکتا تھا، دشمن نے اُن کو شہید کر دیا۔

جب جنگ کے بعد شہید ہونے والے صحابہؓ کی نعشیں اکٹھی کی گئیں تو اُن میں مالکؓ کی لاش کا کہیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ آخر سارے مُردے گنے گئے تو معلوم ہوا کہ ایک لاش ایسی ہے جس کے ستّر ٹکڑے ہو

چکے ہیں اور وہ پہچانی نہیں جاتی تھی کہ کس کی لاش ہے۔ تب مالکؓ کی بہن آگے بڑھیں اور اُنہوں نے ایک اُنگلی کے نشان سے اُنہیں پہچان لیا اور کہا یہ میرے بھائی مالکؓ کی لاش ہے۔

تو اگر واقع میں ہم محبت کی حقیقت کو سمجھیں، اگر ہم قطعی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ یہ دنیا کفر کی دنیا ہے، یہ ابتلاؤں کی دنیا ہے، یہ آزمائش کی دنیا ہے تو خدا کے لئے موت کو قبول کرنا ہمارے لئے بالکل آسان ہو جاتا ہے اور بڑی سے بڑی قربانی بھی ہماری نگاہوں میں ہیچ ہو جاتی ہے۔ اُس وقت یہ خیال ایک مومن کے دل میں نہیں آتا اور نہیں آنا چاہئے کہ میری قربانیوں کا کیا نتیجہ نکلا کیونکہ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ہماری قربانیوں کا کوئی نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں۔ ہمارے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہونا چاہئے کہ ہم نے اسلام کے اعلاء اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اُس کی رضا کے حصول کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 12 تا 14)

والہانہ محبت اور عقیدت کے آگے کوئی روک نہیں ٹھہرتی

مجھے ایک نہایت ہی پیارا واقعہ بار بار یاد آیا کرتا ہے۔ معلوم نہیں وہ آدمی جس کا ذکر کیا جاتا ہے متقی بھی تھا یا نہیں، مگر بہر حال اُس نے قربانی کا ایک شاندار نمونہ دکھایا۔ اور نمونہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر جگہ کام دے سکتا ہے۔ دنیا کا نمونہ دین میں کام آجاتا ہے اور دین کا نمونہ دنیا میں کام آجاتا ہے۔

یونان کی جب جنگ ہوئی تو پہاڑ کی چوٹی پر دشمن کا ایک قلعہ تھا جس کو فتح کرنا ترکوں کے لئے بڑا مشکل ہو گیا۔ آخر اُس قلعہ کو سر کرنے کا کام ایک کرنیل کے سپرد کیا گیا۔ وہ اپنی فوج سے انتہاء درجہ کی محبت اور پیار کا سلوک کرنے والا تھا اور سپاہی بھی اُس سے ایسی محبت رکھتے تھے کہ اُس کے پسینے کی جگہ خون بہانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ وہ کرنیل اپنے سپاہیوں کو لے کر اُس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے آگے بڑھا مگر چونکہ وہ قلعہ چوٹی پر تھا اور فوج کو نیچے سے اوپر کی طرف چڑھنا پڑتا تھا اِس لئے جب فوج کے سپاہی قلعہ کو سر کرنے کے لئے پہاڑ پر چڑھنے لگتے تو اوپر سے دشمن گولیوں کا مینہ برسانا شروع کر دیتا۔ ان کا نیچے ہونے کی وجہ سے نشانہ ٹھیک نہیں بیٹھتا تھا لیکن دشمن کی تمام گولیاں بوجہ اوپر ہونے کے عین نشانہ پر

لگتیں۔ پھر وہ چوٹی ایسی تھی جو بالکل سیدھی تھی اور جس پر سپاہیوں کو گھٹنوں کے بل چڑھنا پڑتا تھا۔ غرض ان کی تو یہ حالت تھی کہ یہ بڑی آہستگی سے گھٹنوں کے بل اوپر کی طرف چڑھتے مگر دشمن آسانی سے ان کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنالیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یکے بعد دیگرے سپاہی ہلاک ہونے لگ گئے مگر انہوں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری جو زندہ رہے وہ گرتے اور گر کر پھر سنبھلتے اور چڑھنے کی کوشش کرتے یہاں تک کہ اس کوشش میں کئی سپاہیوں کے ناخن تک اُتر گئے اور اُن کے گھٹنے بالکل لہولہان ہو گئے۔

اُس وقت سپاہیوں نے اپنے افسر سے کہا کہ ہمیں اجازت دیں کہ اِس وقت اپنے بُوٹ اُتار دیں مگر اس افسر نے کہا بُوٹ اُتارنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیونکہ بُوٹ اُتارنا فوج کے قانون کے خلاف ہے آخر سپاہی اسی حالت میں اوپر کی طرف چڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔ سینکڑوں مر گئے اور جو باقی بچے وہ اپنی کوشش میں مشغول رہے، یہاں تک کہ وہ نصف سے زیادہ فاصلہ طے کر گئے۔ جب وہ نصف سے زیادہ فاصلہ طے کر چکے تو یکدم ایک گولی آئی اور اُس کرنیل کے سینہ میں لگی اور گولی لگتے ہی وہ گر پڑا۔

یہ حالت دیکھتے ہی سپاہی اپنے افسر کی طرف دَوڑے کیونکہ وہ بڑی محبت اور شفقت کرنے والا افسر تھا اور ان کے لئے یہ بالکل ناقابلِ برداشت تھا کہ وہ افسر جس پر وہ اپنی جان تک فدا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اُن کے سامنے دم توڑ رہا ہو۔ وہ اُسی وقت اُس کی طرف گئے تا کہ وہ اس کو اٹھا کر کسی محفوظ مقام پر لے جائیں اور اُس کی زندگی کی آخری گھڑیوں کو آرام دہ بنادیں۔

جب وہ سپاہی اُس کے قریب پہنچے اور انہوں نے اپنے افسر کو اٹھانا چاہا تو وہ افسر اُن سے کہنے لگا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم میرے جسم کو ہاتھ مت لگاؤ۔ تم میری لاش کو کتوں اور چیلوں کے لئے چھوڑ دو کہ وہ آئیں اور میرے گوشت کو نوچ نوچ کر کھا جائیں۔ ہاں اگر تم مجھے دفن کرنے کا شوق رکھتے ہو تو پھر میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اِس قلعہ کے اندر دفن کرو اگر تم مجھے اِس قلعہ کے اندر دفن کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تب تو بے شک میرے جسم کو ہاتھ لگا لینا ورنہ کتوں اور چیلوں کے لئے چھوڑ دینا۔

اُن سپاہیوں کو اپنے افسر سے جس قسم کی محبت تھی گو وہ ویسی محبت نہیں ہو سکتی تھی جیسے انبیاء اور ان کے خلفاء کے ساتھ لوگوں کو ہوتی ہے لیکن بہر حال وہ ایک والہانہ محبت تھی۔ اس افسر کے یہ الفاظ اپنی

زبان سے نکالنا تھا کہ اُن کو یہ یاد ہی نہ رہا کہ وہ انسان ہیں یا جانور ہیں یا اوپر سے دشمن گولیوں کا مینہہ برسا رہا ہے۔ وہ چیخیں مارتے ہوئے بے تحاشا آگے کی طرف بڑھے اور دو گھنٹہ کی مجنونانہ جدوجہد کے بعد انہوں نے اس قلعہ کو فتح کر لیا اور اپنے افسر کو نہایت عزت اور احترام کے ساتھ اُس قلعہ کے اندر دفن کیا۔

تو جس جگہ پر اعلیٰ درجہ کی محبت اور اُلفت ہوتی ہے وہ ادنیٰ درجہ کی محبتوں کو بالکل مٹا دیتی ہے اور انسان ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے پوری بشاشت اور صدقِ نیت سے تیار ہو جاتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 15 تا 17)

رنج والم کی گھڑیوں میں صبر کرنا ایمان کی علامت ہے

جیسا کہ اُس کی سنت ہے مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئی قسم کی آزمائشیں بھی آتی ہیں اور خدا تعالیٰ اُن آزمائشوں کے ذریعہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ مومن کتنے پانی میں ہیں، وہ مجھ پر کتنا یقین رکھتے ہیں اور کتنی محبت اور اخلاص میرے ساتھ رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فطرتِ انسانی اپنے پیاروں سے جُدا ہونے پر غم محسوس کرتی ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ رنج والم کی گھڑیوں میں اپنے آقا کی رضا پر راضی رہنا اور اپنے آپ کو ہنسی خوشی اُس کی طرف سے آئی ہوئی تلخ قاش کے کھانے پر آمادہ کر لینا یہ بھی ایک بہت بڑے ایمان کی علامت ہوتی ہے۔

مثنوی رومی والوں نے حضرت لقمانؑ کا ایک قصّہ لکھا ہے کہ انہیں بچپن میں ہی ڈاکوؤں نے پکڑ کر فروخت کر دیا تھا۔ جس شخص کے پاس وہ تھے چونکہ ہمیشہ دیانتداری اور محنت کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے وہ اُن سے بہت محبت رکھتا تھا ایک دفعہ ان کے آقا کے پاس کسی نے بے موسم کا خربوزہ تحفۃً بھجوا دیا۔ اس خربوزہ کی ظاہری شکل بہت اچھی تھی اور خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اندر سے بہت میٹھا ہو گا۔ حضرت لقمان چونکہ اپنے آقا کے بہت محبوب تھے اِس لئے اُس نے خربوزہ کی قاش کاٹ کر سب سے پہلے حضرت لقمان کو کھانے کے لئے دی۔ انہوں نے قاش لی اور ایسے مزے لے لے کر کھایا کہ آقا کو یہ خیال گزرا کہ یہ خربوزہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ لقمان اسے بڑے مزے سے کھا رہا ہے۔ چنانچہ ایک کے بعد دوسری قاش اُس نے کاٹی اور وہ بھی حضرت لقمان کو دے دی۔ انہوں نے پھر اسے اسی شوق اور اسی

لطف کے ساتھ کھایا جس شوق اور لطف کے ساتھ انہوں نے پہلی قاش کھائی تھی۔ یہ دیکھ کر اس نے تیسری قاش بھی حضرت لقمان کو دے دی اور پھر اِس خیال سے کہ میں بھی تو چکھوں کہ یہ کیسا خربوزہ ہے ایک قاش کاٹ کر اپنے منہ میں ڈال لی۔ اُس قاش کا منہ میں ڈالنا تھا کہ اُسے سخت متلی معلوم ہوئی کیونکہ وہ سخت بدمزہ اور کڑوی قاش تھی، اِتنی کڑوی اور اتنی بدبودار کہ اس کے کھانے سے قےَ آتی تھی۔ یہ دیکھ کر آقا لقمان کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کہا کہ لقمان! تُو نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔ میں تو بار بار خربوزہ کی قاشیں تجھے اس لئے دیتا رہا کہ میں نے سمجھا یہ بڑی میٹھی قاشیں ہیں اور تُو خود بھی ان قاشوں کو ایسے مزے لے لے کر کھاتا رہا کہ جس کی وجہ سے مجھے اس دھوکے کا لگ جانا بالکل طبعی امر تھا مگر جب میں نے ایک قاش اپنے منہ میں ڈالی تو اِتنی بدمزہ نکلی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ تم تو میرے عزیز اور پیارے ہو مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ میں دھوکا کی وجہ سے تمہیں بار بار دُکھ دیتا رہا اور یکے بعد دیگرے ایسی قاشیں کِھلاتا رہا جو سخت کڑوی اور بدمزہ تھیں۔

حضرت لقمان کہنے لگے میرے آقا! آپ کے ہاتھ سے کتنی ہی میٹھی قاشیں میں نے آج تک کھائی ہیں۔ پھر اگر اسی ہاتھ سے ایک کڑوی قاش میری طرف آگئی تو مجھ سے زیادہ بے مہر اور بے مروّت اور کون ہو سکتا تھا اگر میں اس کڑوی قاش کو ردّ کر دیتا اور آپ کا شکوہ کرنے لگ جاتا کہ آپ نے مجھے کیوں کڑوی قاش دی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر اس قدر احسان ہوتا ہے، اِس قدر احسان ہوتا ہے کہ اس کے بعد اگر وہ اپنے بندے سے کسی قربانی کا مطالبہ کرے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی حقیقی بندہ اس قربانی کو اپنے لئے تکلیف کا موجب سمجھے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اس قربانی کو بھی احسان سمجھتا ہے۔ یہ خیال اپنے دل میں نہیں لاتا کہ خدا نے مجھے دکھ میں ڈال دیا ہے۔ باقی رہا کسی مصیبت کے پہنچنے پر طبعی رنج سو اس کے اظہار سے شریعت نے منع نہیں کیا۔

رسول کریم ﷺ کا ایک نواسہ فوت ہو گیا۔ اُس کی آخری گھڑیوں میں رسول کریم ﷺ بھی موجود تھے۔ آپ کی آنکھوں میں اُس کی تکلیف کی حالت دیکھ کر آنسو ڈبڈبا آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن

عوفؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اُنہوں نے آپ کی آنکھ سے آنسوؤں کو بہتے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ بھی روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، دل غمگین ہے مگر میں اپنی زبان سے وہی کچھ کہتا ہوں جس کو میرا رب پسند کرتا ہے۔ تو کسی رنج کے پہنچنے پر فطرت انسانی کا طبعی تقاضا بالکل اور چیز ہے۔ بے شک اُس وقت رستا ہوا دل خون کے قطرات ٹپکاتا ہے مگر وہ خون کسی قربانی میں روک نہیں بن سکتا، وہ رنج خدا تعالیٰ کے کلمہ کے اِعلاء اور اُس کے دین کی اشاعت کی کوششوں میں قطعاً حائل نہیں ہو سکتا بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جب انسان اپنے رنج کو بھول کر خدا تعالیٰ کے دین کے کام میں مصروف ہو جاتا ہے تو وہ خدا کو اور بھی پیارا معلوم ہونے لگتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 17 تا 19)

جب تک اطاعت کی یہ روح زندہ ہے دنیا مر نہیں سکتی

بے شک دنیا میں مشکلات اور تکالیف آتی ہیں اور آتی چلی جائیں گی مگر جو سچا مومن ہوتا ہے وہ ان مشکلات اور تکالیف کی پرواہ کئے بغیر اپنے رب کی طرف محبت اور جوش سے بڑھتا چلا جاتا ہے اور جب خدا کی آواز اُس کے کانوں میں پڑتی ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ ٹھہرو اور مجھے صبر کرنے دو، ٹھہرو اور مجھے اپنے گھر کی مصیبتوں سے تھوڑی دیر کے لئے نپٹنے دو، ٹھہرو اور مجھے اپنے بچوں اور عزیزوں کے کاموں کی طرف تھوڑی دیر کے لئے متوجہ ہونے دو بلکہ وہ خواہ کیسے ہی رنج میں ہو، کیسی ہی مصیبت میں ہو، کیسے ہی دکھ میں ہو جب خدا تعالیٰ کی آواز اس کے کان میں پڑتی ہے وہ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے اس کی طرف دَوڑ پڑتا ہے کہ اے میرے رب! میں حاضر ہوں۔ اے میرے رب! میں حاضر ہوں۔

احزاب کی جنگ میں جب دشمن بڑا طاقتور تھا اور مسلمانوں کی حالت نہایت غربت اور بے کسی کی تھی، شدید سردی کا موسم تھا اور غریب مسلمانوں کے پاس اپنا تن ڈھانکنے کے لئے بھی کپڑا نہیں تھا ایک رات اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو خبر دی کہ اے محمد! ﷺ ہم نے تیرے دشمن کو بھگا دیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اس الہام کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ کو آواز دی اور فرمایا کہ کوئی ہے؟ ایک صحابیؓ کہتے ہیں جب رسول کریم ﷺ نے یہ آواز دی اُس وقت مَیں جاگ رہا تھا مگر میری زبان یخ ہو رہی تھی

اور میرا جسم بھی یخ ہو رہا تھا کیونکہ میرے پاس کپڑے کافی نہ تھے اور موسم نہایت شدید سرد تھا، چنانچہ باوجود اس کے کہ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آواز کان میں پڑ رہی تھی، ہم جو آپ پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اُس وقت ہماری زبان سے کوئی بات تک نہیں نکلتی تھی۔ میں نے چاہا کہ بولوں اور رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بات کا جواب دوں مگر میری زبان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں جواب دے سکتا لیکن ایک اور صحابیؓ بول اُٹھا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔

آپ نے اس کے جواب کو سنا مگر خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہ کوئی ہے؟ تب پھر وہی صحابی کہتے ہیں کہ میں اُس وقت بھی جاگ رہا تھا مگر مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ بول سکتا، سردی کی شدت نے میری قوتِ گویائی کو سلب کر دیا اور باوجود انتہائی خواہش رکھنے کے کہ مَیں رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بات کا جواب دوں حسرت اور افسوس کے ساتھ خاموش رہا کیونکہ میری زبان نے میرے دل کے جذبات کا ساتھ نہ دیا۔ اِس پر پھر وہی صحابی جنہوں نے پہلے کہا تھا کہ یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں بول پڑے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔

رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تم نہیں کوئی اور بولے مگر کسی اور صحابی کو اُس وقت بولنے کی ہمت نہ پڑی۔ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پھر خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آپ نے سہ بارہ فرمایا کہ کوئی ہے؟ اس پر بھی دوسرے صحابہؓ بول نہ سکے مگر وہ صحابی جنہوں نے دو دفعہ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بات کا جواب دیا تھا اِس دفعہ بھی بول اُٹھے کہ یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔

رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسکرائے اور آپ نے فرمایا باہر جاؤ اور دیکھو کہ دشمن کا کیا حال ہے؟ وہ گئے اور واپس آ کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! میدان بالکل خالی پڑا ہے اور دشمن کا کوئی خیمہ وہاں نظر نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا میں نے اسی لئے تم کو باہر بھجوایا تھا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ دشمن کو بھگا دیا گیا ہے۔

تو دیکھو! یہ عشق کی کیفیت ہوتی ہے کہ باوجود اس کے کہ شدید سردی تھی، باوجود اس کے کہ سردی کی وجہ سے زبان تک یخ ہو رہی تھی، باوجود اس کے کہ تن پر کپڑے بھی کافی نہیں تھے پھر بھی وہ صحابیؓ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آواز پر "یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں" کہنے کی توفیق پا رہا تھا۔

یہی روح ہے جو مُردوں کو زندہ کرتی ہے، یہی روح ہے جو اللہ تعالیٰ کی بادشاہت زمین پر قائم کرتی ہے، یہی روح ہے جو انبیاء کی جماعتوں کو احیاء بخشتی ہے، یہی روح ہے جو قوموں کو ابدی زندگی عطا کرتی ہے۔ جب تک یہ روح زندہ رہے دنیا مر نہیں سکتی اور جس دن یہ روح مر گئی اس دن کے بعد دنیا زندہ نہیں رہ سکتی۔

مومن کے دل میں ایک جوش ہوتا ہے، ایک جنون ہوتا ہے، ایک تڑپ ہوتی ہے کہ میں ساری دنیا کو خدا تعالیٰ کے آستانہ کی طرف کھینچ لاؤں اور اس جوش اور جنون کی حالت میں جب بھی خدا کی آواز اس کے کان میں آتی ہے کہ کوئی ہے جو میری آواز کو سنے؟ تو وہ لَبَّیکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیکَ کہتے ہوئے اس کی طرف دوڑ پڑتا ہے۔

اِسی کام کے لئے خدا تعالیٰ نے آپ کو کھڑا کیا ہے، اِسی کام کے لئے محمد ﷺ آئے، اسی کام کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور اِسی کام کے لئے میرے کمزور کندھوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بوجھ رکھا گیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آسمان یا زمین سے خدا تعالیٰ اُن لوگوں کو کھڑا کر دے گا جو میری آواز پر لَبَّیکَ کہنے والے ہوں گے اور جو اپنی جان اور اپنی عزت اور اپنی دولت اور اپنا وطن اور اپنی ہر چیز اس راستہ میں خوشی سے قربان کر دیں گے کیونکہ وہ مجھ کمزور اور ناتواں انسان کی آواز نہیں سنیں گے بلکہ اس آواز کے پیچھے انہیں خدا کی آواز بلند ہوتی نظر آئے گی۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 20 تا 22)

(الفضل آن لائن 14 / جنوری 2023ء)

(قسط 13)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

وقف زندگی کی مدد کرو خدا برکت دے گا

ایک بچہ کو دین کے لئے وقف کرنے میں کوئی مشکل نہیں۔ دوسروں کو کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے تمہیں اعلیٰ تعلیم دلوائی یا دوسرے اچھے کاموں پر لگایا اب یہ گویا ایک ٹیکس تمہارے ذمہ ہے کہ اپنے اس بھائی کو خرچ دیتے رہو اِس طرح اُن کے اپنے رزق میں بھی برکت ہو گی۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور دھرنا مار کر بیٹھ گئے حتّٰی کہ مسجد سے نکلنا بھی بند کر دیا۔ اُن کا ایک اَور بھائی تھا جس کے کام میں یہ پہلے مدد دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اُن کا بھائی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! میرا بھائی تو اب میرے لئے گویا ایک چٹّی ہے دوچار ماہ بعد آتا ہوں تو اُسے کچھ خرچ دے جاتا ہوں اور یہ پہلے کام میں جو مجھے مدد دیتا تھا اُس سے محروم ہوں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی رزق اس کے طفیل دیتا ہے۔

میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم کو جب حضرت خلیفہ اوّل نے دینی علوم کی تعلیم دینی شروع کی تو ایک دن حضرت نانا جان مرحوم نے کہا کہ میرے دل پر یہ بوجھ ہے کہ یہ کھائے گا کیا؟ اسے کوئی فن بھی سکھا

دیا جائے۔اِس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایااِس کے بڑے بھائی کو اللہ تعالیٰ اِسی کے لئے تو رزق دے گا تا وہ اِس کی خدمت کرے اور دین کی خدمت کے ثواب میں شریک ہو۔

تو دین کے لئے بیٹوں کو وقف کرنا اہم ذمہ واری ہے۔۔۔۔۔ پس میں بار بار جماعت کو توجہ دلا چکا ہوں اور اب پھر توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے بچوں کو دین کے لئے وقف کرو۔ اگر کسی کے زیادہ بچے ہیں تو وہ ایک کو وقف کرے اور اُس کے بھائیوں کے ذمہ لگائے کہ اسے خرچ دیتے رہیں اور انہیں کہے کہ یہ دین کا کام کرتا ہے اِس لئے تمہارا فرض ہے کہ اپنی آمد کا اتنا حصّہ اِس کو دیتے رہو اور یا پھر وہ اپنی جائیداد کا کچھ حصّہ اُس کے لئے وقف کر سکتا ہے۔

وصیّت تو زیادہ سے زیادہ تیسرے حصّہ کی جائز ہے اور یہ اسی لئے ہے کہ تا انسان چاہے تو دوسرے کاموں کے لئے بھی وقف کر سکے۔ پس چاہئے کہ جائیداد کا کچھ حصّہ اِس رنگ میں وقف کر دیا جائے کہ جو تبلیغ کرے گا یہ اُسے ملے گا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 36-37)

اشاعت دین کے لئے قربانیاں

ہم سے پہلے جو قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں انہوں نے دین کے لئے ایسی عظیم الشان قربانیاں کی ہیں کہ اُن کے واقعات پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ وہ واقعات ایسے ہیں کہ آج بھی ہمارے لئے اپنے اندر بیسیوں سبق پنہاں رکھتے ہیں اور ہمیں اِس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ خدا کے لئے قربانی کرنے والے دنیا میں کبھی ضائع نہیں کئے جاتے۔

حضرت بدھ علیہ السلام کے حالات جو بدھ مذہب کی کتابوں میں آج تک لکھے ہوئے نظر آتے ہیں ایسے پاکیزہ اور اتنے اعلیٰ درجہ کے ہیں کہ اگر انسان کے دل میں تعصّب کا مادہ نہ ہو تو وہ اُن واقعات کو پڑھ کر بغیر کسی تردّد اور ہچکچاہٹ کے کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص یقیناً نبی تھا۔ حضرت بدھ علیہ السلام نے جب شہزادگی کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی عبادت اور مذہب کی تبلیغ میں اپنے تمام اوقات کو صَرف کرنا شروع کر دیا تو

اُن کا معمول تھا کہ جب انہیں بھوک لگتی وہ لوگوں کے گھروں سے بھیک مانگ لیتے بلکہ اب تک بدھ مذہب کے بھکشو اِسی طریق پر کاربند ہیں۔

بدھ مذہب کے مبلّغین کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اپنی روزی کمانے کے لئے کوئی ہُنر یا پیشہ اختیار کریں۔ اُنہیں یہی حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں نکل جاؤ اور تبلیغ کرو اور جب تمہیں بھوک لگے تو لوگوں سے بھیک مانگ لو۔ اگر وہ تمہیں کھانا دیں تو کھالو اور اگر نہ دیں تو اُن کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں چلے جاؤ اور وہاں کے رہنے والوں سے کھانا مانگو۔

خود حضرت بدھ علیہ السلام بھی لوگوں سے بھیک مانگ کر گزارہ کیا کرتے تھے جس کا اُن کے باپ کو سخت قلق تھا۔ ایک دفعہ وہ اِسی طرح تبلیغ کرتے کرتے اپنے علاقہ میں آئے تو اُن کا باپ اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا بیٹا! تم نے تو میرا ناک کاٹ دیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضور کا ناک کس طرح کاٹ دیا ہے؟ باپ نے کہا تم بھیک مانگتے ہو اور بھیک مانگ کر گزارہ کرتے ہو۔

حضرت بدھؑ نے کہا مہاراج! میں وہی کام کرتا ہوں جو میرے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ باپ نے یہ بات سنی تو وہ کہنے لگا نہ میں نے کبھی لوگوں سے بھیک مانگی ہے نہ تمہارے دادا نے لوگوں سے کبھی مانگی تھی۔ بدھؑ نے کہا مہاراج! یہ بات سچ ہے مگر میرے باپ دادا وہ سابق انبیاء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اُنہیں خدا کے نام کو پھیلانے کے لئے لوگوں سے بھیک مانگنے میں کوئی عار نہیں تھا اور یہی وہ کام ہے جو مَیں کر رہا ہوں۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے حواریوں کو یہی نصیحت کی کہ ”نہ سونا اپنے کمر بند میں رکھنا نہ چاندی نہ پیسے۔ راستہ کے لئے نہ جھولی لینا نہ دو دو کُرتے۔ نہ جوتیاں نہ لاٹھی کیونکہ مزدور اپنی خوراک کا حقدار ہے۔ اور جس شہر یا گاؤں میں داخل ہو دریافت کرو کہ اس میں کون لائق ہے۔ اور جب تک وہاں سے روانہ نہ ہو اُسی کے ہاں رہو۔ اور گھر میں داخل ہوتے وقت اُسے دعائے خیر دو۔ اور اگر وہ گھر لائق ہو تو تمہارا اسلام اُسے پہنچے۔ اور اگر لائق نہ ہو تو تمہارا اسلام تم پر پھر آئے۔ اور اگر کوئی تمہیں قبول نہ کرے اور تمہاری باتیں نہ سنے تو اُس گھر یا اُس شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ دو۔“

اِس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ جب تم تبلیغ کے لئے جاؤ تو تمہیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ اپنی جیب میں پیسہ رکھو یا کھانے کا فکر کرو۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم یہ دعا کرتے رہو کہ:

"اے خدا! ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے۔"

چنانچہ جس شہر یا گاؤں میں جاؤ، وہاں کے رہنے والوں سے اپنے لئے روٹی مانگو۔ اگر وہ دے دیں تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کھالو اور اگر وہ انکار کریں تو اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ کر وہاں سے نکل جاؤ اور اپنی زبان پر شکوہ کا کوئی حرف مت لاؤ۔

اگر اس طرح کام کرنے والے ہمیں بھی میسر آ جائیں تو پھر پانچ ہزار مبلّغوں کا بھی سوال نہیں، دو لاکھ مبلّغ اِس وقت ہمیں اپنی جماعت میں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے اندر وہی روح پیدا کریں جو پہلے لوگوں نے پیدا کی۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 52 تا 54)

مخالفانہ لٹریچر مستقبل کے لئے محفوظ کرلو

میں متواتر بیس سال سے جماعت کو توجہ دلا رہا ہوں کہ مخالفوں کا لٹریچر غائب کیا جا رہا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو اکٹھا کر کے اپنی لائبریریوں میں محفوظ کر لیں۔ اگر ہم نے اس لٹریچر کو مہیّا نہ کیا تو کچھ دنوں کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں لوگ ان کا ذکر پڑھیں گے اور انہیں دنیا میں وہ لٹریچر نظر نہیں آئے گا جو ہمارے خلاف شائع ہوا تو وہ سمجھیں گے کہ **نعوذ باللہ** حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلط لکھا ہے۔ اس بارہ میں مَیں نے مخالفوں کی ذہنیتیں یہاں تک گری ہوئی دیکھی ہیں کہ گزشتہ دنوں جب میں لاہور میں تھا ایک دن میڈیکل کالج کے کچھ طالب علم مجھے ملنے کے لئے آئے۔ اُن میں سوائے ایک لڑکے کے باقی سب لڑکیاں تھیں۔ لڑکا فورمن کرسچن کالج کا تھا اور لڑکیاں سب میڈیکل کالج میں پڑھتی تھیں۔ ان کے آنے سے پہلے جب میں نماز پڑھا

رہا تھا، نماز کا آخری سجدہ تھا کہ یکدم مجھے الہام ہوا ’’عظمت کے بھوکے ہیں۔‘‘ اس سے پہلے بھی کوئی فقرہ تھا جو مجھے بھول گیا مگر وہ اسی قسم کا تھا۔ ؏

شہرت کے طالب ہیں۔ عظمت کے بھوکے ہیں۔

میں حیران ہوا کہ نہ معلوم کون شخص آج مجھ سے ملنے والا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میڈیکل کالج کے چند طالب علم آئے اور انہوں نے مجھ سے ملاقات کا وقت لیا۔ گفتگو کے دوران میں اُنہوں نے کہا کہ مرزا صاحب کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟

میں نے انہیں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ یہ اصلاحات فرمائی ہیں، ان اصلاحات کے بغیر اسلام کبھی زندہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر میں نے اُنہیں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسیح ناصریؑ کی وفات کا مسئلہ پیش کیا حالانکہ سب مسلمان یہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔

میری یہ بات سُن کر وہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ کہنے لگیں آپ عجیب بات کہتے ہیں، دنیا میں کون مسلمان ہے جو حیاتِ مسیح کا قائل ہو۔ سب مانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ مر چکے ہیں۔ اب جو شخص تمام مسلّمات کے خلاف اِس طرح کہہ دے اُسے کیا جواب دیا جا سکتا ہے۔ میں نے اُن کو کہا کہ آپ اپنے والدین کو خط لکھیں اور دریافت کریں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ درست ہے یا نہیں؟ آپ کے والدین تو ہمیشہ ہم سے اِسی بات پر جھگڑتے رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور تم اُنہیں وفات یافتہ تسلیم کرتی ہو۔ پرانی کتابیں موجود ہیں جن میں لوگوں نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت مسیحؑ زندہ ہیں۔ اِس پر وہ کہنے لگیں وہ کتابیں آپ کی اپنی لکھی ہوئی ہوں گی ہماری کتابوں میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

جس قوم میں اس قسم کی ڈھٹائی پیدا ہو جائے اُس کے لئے اپنا لٹریچر بدل لینا کون سی بڑی بات ہے۔ گو وہ اس لٹریچر کے متعلق بھی جو ہم اکٹھا کریں غالباً یہی کہہ دیں گے کہ یہ تم نے خود چھپوا لیا ہو گا۔ مگر بہر حال سب سے مضبوط حجت تو وہ لٹریچر ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری بات ناسخ و منسوخ کے متعلق میں نے پیش کی اور کہا کہ شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے بعض پارے بالکل غائب ہیں۔ میری یہ بات سنتے ہی وہ کہنے لگے آپ تو شیعوں پر اتّہام لگاتے ہیں، وہ قرآن کریم کو بالکل مکمل مانتے ہیں۔ میں نے اُن کو پھر وضاحت سے سمجھایا تو اُن میں سے بعض نے اِتنی دلیری سے جھوٹ بولا کہ میں حیران ہو گیا۔ اُنہوں نے کہا ہمارے بعض رشتہ دار خود شیعہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ شیعوں کا یہی عقیدہ ہے کہ قرآن بالکل محفوظ ہے۔ اِس سے بڑھ کر ڈھٹائی اور کیا ہو سکتی ہے۔

پھر عیسائیوں کے متعلق میں نے کہا کہ وہ حضرت مسیح ناصریؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیت کے اِس بنیادی مسئلہ کو بیخ و بُن سے اُکھیڑ دیا ہے۔ اِسے سنتے ہی وہ لڑکا جو فورمن کرسچن کالج میں پڑھتا تھا بولا کہ توبہ توبہ یہ عیسائیوں پر بڑا اتّہام ہے۔ میں عیسائی کالج میں پڑھتا ہوں ہمارے پروفیسر نے کبھی یہ نہیں کہا۔

جب اِس قسم کی ڈھیٹ قوم سے ہمارا مقابلہ ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن کے لٹریچر کو محفوظ رکھیں۔ اگر یہ لٹریچر محفوظ نہیں ہو گا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آنے والی نسلوں کو اعتراض کا موقع ملے گا اور وہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ باتیں کیوں لکھیں۔ مثلاً حضرت مسیح موعودؑ نے بظاہر نظر بعض سخت الفاظ لکھے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے گالیاں دی ہیں۔ اب جب تک ہمارے پاس وہ لٹریچر نہ ہو جس میں دشمنوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو گالیاں دی ہیں، وہ اشتہارات نہ ہوں جن میں انہوں نے گالیاں دی ہیں، وہ ٹریکٹ نہ ہوں جن میں انہوں نے گالیاں دی ہیں تو تھوڑے دنوں کے بعد یہی لوگ یہ کہنا شروع کر دیں گے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے **نعوذ باللہ** سخت کلامی کی۔

پس ہمارے علماء اور مبلّغین کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کا لٹریچر جمع کریں اور اُسے لائبریریوں میں محفوظ کر دیں۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 61 تا 63)

تفسیر کبیر کی تاثیر

تفسیر کبیر کی پچھلی جلد تین ہزار چھپی تھی جس میں سے 23 سَو کتاب جماعت نے خریدی اور سات سَو غیروں نے خریدی۔

اب یہ حالت ہے کہ وہی کتاب جو چھ چھ روپے کو فروخت کی گئی تھی قادیان میں اِس کی ایک ایک جلد پچیس پچیس روپے پر بھی فروخت ہوئی ہے؛ بلکہ پرسوں ہی میرے پاس عراق سے ایک خط آیا جسے پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔

وہاں ایک احمدی ڈاکٹر ہیں انہوں نے کہا کہ مجھ سے تفسیر کبیر ایک غیر احمدی ڈاکٹر نے پڑھنے کے لئے لی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن کا تبادلہ ہو گیا اور مَیں نے اپنی کتاب واپس لے لی۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ ایک اَور احمدی کے پاس یہ کتاب ہے۔ چنانچہ وہ غیر احمدی ڈاکٹر اُس کے پاس گئے اور ایک سَو روپیہ میں انہوں نے یہ کتاب اُس سے خرید لی۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 122)

کام اخلاص کے نقطۂ نگاہ سے ہی ہوتا ہے

مجھے حفاظت کے محکمہ کو دیکھ کر ہمیشہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کا ایک لطیفہ یاد آیا کرتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جموں میں ایک بڑا رئیس تھا جس نے پندرہ بیس ہزار روپیہ خرچ کر کے ولایت سے ایک ترکی گھوڑا منگوایا اور سائیس کو تاکید کر دی کہ اِس کا خیال رکھنا۔ اُس وقت جموں میں تنخواہیں بہت کم ہوا کرتی تھیں۔ سائیس کی تنخواہ صرف پانچ چھ روپے ہوا کرتی تھی اور گو وہ سستا سماں تھا مگر پھر بھی پانچ چھ روپے میں مشکل سے گزارہ ہوا کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد رئیس نے دیکھا کہ گھوڑا دُبلا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ یہ دیکھ کر اسے سخت فکر ہوا اور اُس نے سمجھا یہ نالائق آدمی ہے گھوڑے کی نگرانی صحیح طور پر نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے پہلے سائیس کے اوپر ایک اَور نگران مقرر کر دیا۔ اس پر گھوڑا اور زیادہ دُبلا ہونے لگ گیا۔ رئیس نے یہ دیکھ کر دوسرا نگران مقرر کر دیا مگر وہ موٹا ہونے کی بجائے پہلے سے بھی دُبلا ہو گیا۔ آخر اس نے سب پر ایک اور نگران مقرر کر دیا مگر گھوڑا موٹا نہ ہوا۔

یہ دیکھ کر اُس نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے پاس شکایت کی کہ مَیں نے اتنا قیمتی گھوڑا منگوایا تھا اور چار آدمی بھی مقرر کئے مگر گھوڑا ہے کہ دُبلا ہی ہوتا جا رہا ہے، معلوم نہیں کیا وجہ ہے؟

حضرت خلیفہ اوّل نے بڑے نگران کو بلایا اور کہا کہ بتاؤ گھوڑا کیوں دُبلا ہو رہا ہے؟ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ گھوڑے کے لئے پانچ سیر دانہ مقرر ہے اور چونکہ ہماری تنخواہ بہت تھوڑی ہے۔ اس لئے پہلے سائیس کو جب پانچ سیر دانہ گھوڑے کے لئے دیا جاتا تو وہ اُس میں سے سَوا سیر خود رکھ لیتا اور باقی دانہ گھوڑے کو کِھلا دیتا۔ اِس پر لازماً گھوڑے نے دُبلا ہونا تھا کیونکہ اسے غذا کم ملتی تھی۔ اس پر دوسرا سائیس آیا تو اُس سے پوچھا کہ یہ دُبلا کیوں ہو رہا ہے؟ اُس نے بتایا کہ بات یہ ہے کہ سَوا سیر دانہ میں فروخت کر لیا کرتا ہوں۔ وہ کہنے لگا تو اچھا سَوا سیر پھر میرے لئے بھی رکھ لیا کرنا، اب اسے اَور زیادہ تھوڑی غذا ملنے لگ گئی اور وہ پہلے سے بھی دُبلا ہو گیا۔ رئیس نے ایک تیسرا سائیس مقرر کر دیا۔ وہ آیا تو اُس نے بھی وجہ دریافت کر کے کہا کہ سَوا سیر میرا حصّہ بھی رکھا لیا کرنا۔ اب صرف سَوا سیر دانہ گھوڑے کے لئے رہ گیا۔ اتنے میں مجھے مقرر کر دیا گیا مَیں نے پوچھا کہ کیا جھگڑا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ قصّہ ہے۔ مَیں نے کہا کہ اب گو صرف سَوا سیر دانہ رہ گیا ہے مگر میں اپنا حق نہیں چھوڑ سکتا، مَیں تو بہر حال اپنا حصّہ لے کر رہوں گا۔ گھوڑا خواہ مرے یا جیئے۔

اِس طرح مَیں دیکھتا ہوں جب ایک محافظ تھا تو وہ میرے آگے پیچھے زیادہ رہا کرتا تھا، جب دو ہوئے تو اُن کا آگے پیچھے رہنا کم ہو گیا، چار ہوئے تو اُن میں سے اکثر غائب رہنے لگ گئے، اب آٹھ ہو جائیں گے تو غالباً کوئی بھی نہیں رہے گا۔ درحقیقت غلطی یہ ہے کہ کسی اصول کے ماتحت کام نہیں کیا جاتا۔ اگر ایک شخص زیادہ اخلاص کا اظہار کرتا تھا اور وہ چوبیس گھنٹے پہرے کے لئے تیار رہتا تھا تو بجائے اس کے کہ اِس کو ڈانٹا جاتا اور اس کو کام سے علیحدہ کیا جاتا اُس کی قدر کرنی چاہئے تھی مگر اخلاص کی قدر کرنے کی بجائے آدمیوں کی تعداد پر کام کا انحصار رکھ لیا گیا ہے حالانکہ خواہ تم آٹھ پہرے دار کر دو یا سولہ، بیس کر دو یا چالیس، کام ہمیشہ اخلاص کے نقطہ نگاہ سے ہی ہوگا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 133-134)

قانون شکنی کی روح کچل دو

ایک دفعہ کسی بزرگ کا گھوڑا چلنے سے اَڑا۔ انہوں نے فرمایا مَیں نے ضرور خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کی ہو گی جس پر گھوڑے نے میری نافرمانی کی۔

جانے دو نیکی اور ایمان کو مگر کیا یہ درست نہیں کہ جو ماں باپ بچوں کے سامنے لڑتے ہیں، بچے اُن سے لڑتے رہتے ہیں؟ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔

جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں نے قانون شکنی کی اور اُسے بُرا نہیں سمجھا گیا تو وہ بھی اس طریق کو اختیار کر کے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اِس وجہ سے قانون شکنی کی روح کو ہی کچل دینا چاہئے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 152)

حجت بازی کی کوئی قانونی حد بندی نہیں

جب انسان بحث میں پڑتا ہے تو ایسی ایسی باتیں نکال لیتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔

قصہ مشہور ہے کہ ایک سخت گیر آقا تھا اور وہ اپنے نوکروں سے ایسا سخت سلوک کرتا تھا کہ وہ تنگ آ کر ملازمت ترک کر دیتے۔ جب وہ ملازمت چھوڑتے تو وہ ان کی تنخواہیں ضبط کر لیتا اور کہتا کہ چونکہ تم نے میری کامل اطاعت نہیں کی اس لئے گزشتہ تنخواہیں ادا نہیں کی جا سکتیں۔

ایک دفعہ اُس کے پاس ملازمت کے لئے ایک شخص آیا جو بہت ہوشیار تھا، اس نے آتے ہی کہا کہ مجھے آپ کی فرمانبرداری سے قطعاً انکار نہیں۔ میں ہر معاملہ میں آپ کی اطاعت کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن دیکھئے میری عقل ناقص ہے، مجھے کیا پتہ کہ کون سا کام مجھے کرنا چاہئے اور کون سا کام مجھے نہیں کرنا چاہئے۔ آپ میرے فرائض کی ایک فہرست بنا دیجئے تا کہ مجھے اپنے کام یاد رہیں اور مجھ سے کسی قسم کی غفلت سرزد نہ ہو۔ اُس کے آقا نے ایک فہرست بنائی اور تمام کام جو اس کے ذہن میں آ سکتے تھے وہ اُس نے درج کر دیئے اور کہا کہ گھوڑوں کو دانہ ڈالنا، اُن کو پانی پلانا، اُن کو باہر پھرانا یہ سب تمہارے کام ہیں۔ اِسی طرح تمہارا یہ بھی کام ہے کہ جب میں تھک کر آؤں تو تم مجھے دباؤ، جب میں سفر پر جاؤں تو تمہیں

میرے ساتھ جانا ہو گا، کھانا پکانا بھی تمہارے ذمہ ہو گا۔ اس طرح ایک ایک کر کے اس نے مختلف کام گنائے اور کہا کہ یہ سب کام تمہارے فرائض میں شامل ہیں۔ نوکر نے کہا مجھے منظور ہیں۔ چنانچہ اُس نے کام شروع کر دیا۔

ایک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں باہر جا رہا تھا کہ نوکر نے گھوڑے کو چھیڑنا شروع کر دیا گھوڑا بھاگ پڑا اور چونکہ آقا گھوڑے کی سواری کا عادی نہ تھا جب گھوڑا بھاگا تو وہ گر گیا اور اُس کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا اُس نے نوکر کو آوازیں دینا شروع کر دیں کہ جلدی آنا اور مجھے بچانا۔ نوکر نے یہ سنا تو اُس نے جَھٹ جیب میں سے شرائط کا کاغذ نکال لیا اور کہنے لگا حضور اِس میں تو یہ کام میرے ذمہ نہیں لگایا گیا۔ دیکھ لیں سرکار اِس میں شرط یہ لکھی نہیں۔

اب بھلا کون سا آقا ایسا ہو سکتا تھا جو یہ بھی لکھ دیتا کہ اگر میں گھوڑے سے گر جاؤں اور رکاب میں میرا پاؤں پھنس جائے تو تمہارا فرض ہو گا کہ میری مدد کے لئے آؤ۔ غرض توجیہات میں جب کوئی انسان پڑ جاتا ہے تو پھر اس کے لئے کوئی حد بندی نہیں ہو سکتی۔

حضرت خلیفہ اول یا میر ناصر نواب صاحب مرحوم (مجھے اچھی طرح یاد نہیں) سنایا کرتے تھے کہ مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کے پاس ایک دفعہ کچھ آدمی ایک شخص کو مباحثہ کے لئے لائے اور کہا کہ ہم آپ سے تقلید اور عدمِ تقلید کے مسئلہ پر مباحثہ کرنا چاہتے ہیں۔

مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی مباحث آدمی نہیں تھے ایک بزرگ انسان تھے جب اُن سے کہا گیا کہ آپ سے تبادلہ خیالات کے لئے فلاں مولوی صاحب آئے ہیں تو اُنہوں نے اپنا سر اُٹھایا اور کہا ہاں اگر نیت بخیر باشد اگر نیت صالح کے ساتھ بات کرنا چاہتے ہیں تو بے شک کر لیں۔ وہ مولوی صاحب بھی اپنے دل میں تقویٰ رکھتے تھے تھوڑی دیر اُنہوں نے غور کیا اور پھر کہا یہ بحث تو محض پارٹی بازی کے نتیجہ میں تھی اور یہ کہہ کر خاموشی کے ساتھ اُٹھے اور چلے گئے۔

تو نیت بخیر باشد کے ساتھ تو سارے کام چل جاتے ہیں اور پتہ بھی نہیں لگتا کہ قواعد کی ضرورت کیا ہے لیکن جہاں حُجت بازی ہوتی ہے وہاں کوئی قانون حد بندی نہیں کر سکتا وہاں یہی سوال آ جائے گا کہ

"دیکھ لیں سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں۔"

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 185-186)

ہمیشہ مشورہ لیتے رہا کرو

مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ مشورہ لے کر کام کرتا ہے صرف ذاتی غور و فکر پر ہی انحصار نہیں رکھتا۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ جب کام کرو تو لوگوں سے مشورہ لے لیا کرو۔ دراصل فطرت انسانی اس قسم کی ہے کہ بعض دفعہ ایک بچہ کے منہ سے بھی ایسی بات نکل آتی ہے جو بڑے آدمی کو نہیں سوجھتی۔ اِسی وجہ سے اسلام نے اس امر پر خاص طور پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے دماغ پر ایسا بھروسہ نہ کرے کہ وہ دوسروں سے مشورہ لینے کی ضرورت ہی نہ سمجھے اُسے چاہئے کہ اپنے ہم جلیسوں اور ارد گرد بیٹھنے والوں سے ہمیشہ مشورہ لیتا رہا کرے۔

میں نے دیکھا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بعض دفعہ مجلس میں کوئی بات کرتے یا گھر میں کوئی بات کرتے تو ملازمہ یا ایک چھوٹا لڑکا بھی جو اُس وقت موجود ہوتا اپنی رائے دینے لگ جاتا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے روکنے کی بجائے یہی کہتے کہ رائے دے لو۔

یہ روح ہے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور جو شخص اِس کو دباتا ہے وہ اسلامی اصول کے خلاف چلتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 188)

جہاں محبت ہو وہاں لڑائی نہیں ہوتی

اگر صلح اور آشتی سے جس طرح میاں بیوی میں محبت ہوتی ہے کام ہوں تو کوئی جھگڑا پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسی صورت میں "من تُو شُدم تُو من شُدی من تن شُدم تُو جاں شُدی" والا معاملہ ہو جاتا ہے اور یہی روح ہر زندہ اور بڑھنے والی جماعت کے اندر کام کیا کرتی ہے۔

مجھے یاد ہے قادیان میں مولوی عبد الکریم صاحب اور پیر افتخار احمد صاحب دونوں قریب قریب مکانات میں رہتے تھے مولوی عبد الکریم صاحب جو شیلی طبیعت رکھتے تھے اور پیر صاحب کی طبیعت بہت

نرم تھی۔ پیر صاحب کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو اکثر ریں ریں کرتے رہتے اور پیر صاحب انہیں سارا دن تھپکاتے اور بہلاتے رہتے۔

اتفاق کی بات ہے کہ شہر میں تو پیر صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب ایک دوسرے کے ہمسائے تھے ہی، جب زلزلہ کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باغ میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی یہ دونوں پاس پاس رہنے لگ گئے۔

ایک دن پیر صاحب مسجد میں آئے تو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بڑے جوش سے کہنے لگے پیر صاحب! میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس طرح کام کرتے ہیں۔ بچہ ریں ریں کر رہا ہوتا ہے آپ اُسے کندھے سے لگائے پھر رہے ہوتے ہیں اور پھر ساتھ ہی کام بھی کرتے چلے جاتے ہیں، میرا بچہ ہو تو اُسے دو تھپڑ رسید کر دوں۔

پیر صاحب سن کر بڑے اطمینان سے کہنے لگے مولوی صاحب! بچے میرے ریں ریں کرتے ہیں، انہیں تھپکاتا مَیں ہوں آپ کو خواہ مخواہ کیوں تکلیف ہوتی ہے، میری سمجھ میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی۔

اب دیکھو! دونوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ پیر افتخار احمد صاحب کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ مولوی عبدالکریم صاحب کو میرے بچوں کے رونے سے کیوں تکلیف ہوتی ہے اور مولوی عبدالکریم صاحب کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ پیر صاحب کام کس طرح کرتے۔ ہیں میرے جیسا آدمی تو انہیں فوراً دو تھپڑ رسید کر دے۔

تو جب آپس میں اتحاد ہو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اختلاف کس طرح ہو سکتا ہے اور جب اختلاف واقع ہو جائے تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سب قانون موجود ہیں مگر اختلاف مٹتا کیوں نہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 194-195)

(الفضل آن لائن 21/ جنوری 2023ء)

(قسط 14)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

خیالات و افکار بگڑیں تو انسان وہم میں مبتلا ہوتا ہے

اگر ہم خیالات پر چلیں تقویٰ اور صلاحیت کی روح اُڑ جائے تو انسان کا واہمہ اسے کہیں کا کہیں لے جاتا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ اپنے ایک عزیز کے متعلق سنایا کرتے تھے کہ انہیں ایک دفعہ پیٹ میں تکلیف ہوئی اور وہ میرے پاس مشورہ کے لئے آئے۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ ذرا لیٹ جائیں تا کہ مَیں ٹٹول کر اندازہ لگا سکوں کہ درد کس مقام پر ہے۔ وہ لیٹ گئے اور میں نے اُنگلیوں سے اُن کے پیٹ کو دبایا یہ دیکھنے کے لئے کہ اُن کے جگر کی کیا کیفیت ہے، معدہ اور امعاء کا کیا حال ہے مگر ابھی میں نے دبایا ہی تھا کہ وہ ہاہا کر کے شور مچاتے ہوئے اُٹھ بیٹھے اور کود کر پرے چلے گئے۔ میں نے کہا کیا ہوا میں تو پیٹ دیکھنے لگا تھا اور آپ شور مچا کر بھاگ پڑے وہ کہنے لگے مولوی صاحب! آپ نے تو غضب کر دیا۔ آپ کا دماغ بہت مضبوط ہے اور آپ کی توجہ میں بھی بڑی طاقت ہے اگر میرے پیٹ کو دباتے وقت آپ کی توجہ اِس طرف مرکوز ہو جاتی کہ انگلیاں پیٹ میں گھس گئی ہیں تو کیسا غضب ہوتا۔ میرا پیٹ پھٹ جاتا اور انتڑیاں باہر نکل آتیں۔

اب دیکھو! انسان کا وہم اُسے کہاں سے کہاں لے جاتا ہے اُن کا وہم اس طرف چلا گیا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ چونکہ مضبوط دماغ کے آدمی ہیں اور ان کی توجہ بڑی زبردست ہے اگر پیٹ دباتے وقت ان کا خیال ادھر چلا گیا کہ میری انگلیاں پیٹ میں گھس گئی ہیں تو واقع میں ان کی انگلیاں پیٹ میں گھس جائیں گی اور میرا پیٹ پھٹ جائے گا، چنانچہ وہ فوراً شور مچاتے ہوئے الگ ہو گئے۔

تو انسانی خیالات اور افکار جب مقررہ حدود سے نکل جاتے ہیں تو اُس وقت وہ وہمیوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور اس کے کسی کام میں بھی برکت نہیں رہتی۔ وہ چیز جسے عام طور پر دُنیا میں عقلِ عامہ کہا جاتا ہے شریعت میں وہ اپنی خصوصیت کے لحاظ سے تقویٰ کہلاتی ہے جب دُنیاوی معاملات میں وہ چیز جاتی رہے جسے عقلِ عامہ کہتے ہیں یا شرعی امور میں انسان تقویٰ کے دائرہ سے نکل جائے تو کوئی قانون اُسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

پس انسان کو ہمیشہ اپنے کاموں کی بنیاد تقویٰ پر رکھنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ وہ اسے صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 197-198)

بغداد کی تباہی

پرانے زمانہ کا ایک واقعہ مشہور ہے جس پر حضرت خلیفہ اولؓ بڑا زور دیا کرتے تھے اور بار بار اِس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مَیں تو سمجھتا ہوں شاید وہ کہانی ہی ہو مگر کہانیاں بھی بہت بڑے نکات کی طرف انسانی دماغ کو متوجہ کر دیا کرتی ہیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ بغداد کی تباہی کا موجب ایک بہت ہی چھوٹی سی بات تھی۔ ایک دفعہ دو بدمعاش بازار میں سے گزرے تو اُنہوں نے دیکھا کہ ایک دکان پر کباب بک رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ کباب کھانے کو بہت دل چاہتا ہے مگر جیب میں کوئی پیسہ نہیں، کوئی ایسی ترکیب نکالیں جس سے مفت کباب کھا سکیں۔ دوسرے نے کہا اس میں کون سی مشکل بات ہے آؤ ہم آپس میں لڑ پڑیں۔ میں تمہیں مارنے لگ جاتا ہوں تم مجھے مارنے لگ جاؤ۔ شور سن کر لوگ اکٹھے ہو جائیں گے، کچھ

میری طرف مائل ہو جائیں گے اور کچھ تمہاری طرف۔ جب اس طرح بہت سے لوگ آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے تو ہم چپکے سے کھسک کر کباب والے کی دکان پر چلے جائیں گے اور کباب کھالیں گے۔

چنانچہ اِس تجویز کے مطابق اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم میں سے ایک شیعہ بن جائے اور دوسرا سُنّی اور آپس میں لڑ پڑیں۔ اِس سکیم کے مطابق وہ کباب والے کی دکان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اُنہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ ایک نے دوسرے کا گلا پکڑ لیا کہ تم ابو بکرؓ اور عمرؓ کے متعلق یہ بات کرتے ہو۔ دوسرے نے کہا ہیں! تم پنج تن کے متعلق ایسی بات کہتے ہو۔ جب دونوں آپس میں لڑنے لگے تو کچھ سُنّی آئے جنہوں نے سنی کی تائید شروع کر دی، کچھ شیعہ آگئے جنہوں نے شیعہ کی تائید شروع کر دی اور آپس میں گالی گلوچ ہونے لگی۔ گالی گلوچ سے بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی تک نَوبت پہنچی۔ کباب والے نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ بھی دوڑتا ہوا آیا اور اِس لڑائی میں شامل ہو گیا۔

جب اُنہوں نے دیکھا کہ کباب کی دکان خالی ہے تو وہ دونوں وہاں سے کھسکے اور اُنہوں نے آکر کباب کھانے شروع کر دیئے۔ باقی لوگ تو پنج تن اور خلفاء کے لئے لڑتے رہے اور یہ اِدھر کباب اُڑاتے رہے۔ اِسی دَوران میں ایک آدمی قتل ہو گیا اور اتفاق ایسا ہوا کہ جو شخص لڑائی میں مارا گیا وہ سُنّی تھا۔ بغداد میں سُنّیوں کا زور تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ہمارا ایک سُنّی بھائی شیعوں نے مار ڈالا ہے تو اُنہوں نے شیعوں کو مارنا شروع کر دیا۔ وزیر اعظم شیعہ تھا۔ اسے یہ خبر سن کر سخت دکھ ہوا اور اس نے ہلاکو خاں کو لکھا کہ آپ بغداد پر حملہ کریں، ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ ہلاکو خاں نے حملہ کر دیا اور ایسی خطرناک جنگ ہوئی کہ 18 لاکھ مسلمان ایک ہفتہ کے اندر اندر بغداد میں مارا گیا۔

اب دیکھو! بغداد پر کتنی بڑی تباہی آئی مگر بات کیا تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ دو آدمیوں نے کہا کہ ہم نے کباب کھانے ہیں، آؤ! کوئی ایسی تدبیر کریں جس سے ہم مفت کباب کھا سکیں۔

تو بہت چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جن سے دلوں میں بُغض پیدا ہوتا ہے اور وہ بُغض پھر خاندانوں میں سرایت کر جاتا ہے۔ خاندانوں کا بُغض محلوں میں، محلوں کا بُغض شہروں میں، شہروں کا بُغض علاقوں میں اور علاقوں کا بُغض ساری دُنیا میں پھیل جاتا ہے اور کروڑوں کروڑ لوگ اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔

یہ حالت اپنی ابتدائی شکل میں اس قدر غیر محسوس ہوتی ہے کہ بعض دفعہ کام کرنے والا بھی نہیں جانتا کہ میری اس حرکت کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ وہ ایک بات کو معمولی سمجھ کر کر بیٹھتا ہے مگر اس کا نتیجہ نہایت خطرناک نکلتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 199-200)

جھوٹے آدمی کا اعتبار نہیں رہتا

میں نے بار بار کہا ہے اور مجھے بار بار کہنے کی ضرورت ہے کہ جب ایک چیز متواتر کسی انسان کے سامنے آتی ہے تو وہ اُس کی اہمیت سے غافل ہو جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں قصہ مشہور ہے کہ ایک بچہ نے جو جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا۔ ایک دفعہ مذاق کے طور پر شور مچا دیا کہ شیر آیا، شیر آیا دَوڑنا!! یہ آواز سُن کر گاؤں کے لوگ لاٹھیاں اپنے ہاتھ میں لے کر دَوڑ پڑے مگر جب وہاں پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ لڑکے نے اُن سے مذاق کیا تھا، شیر کوئی نہیں تھا وہ لڑکے کو بُرا بھلا کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔

مگر چند دنوں کے بعد واقعہ میں شیر آگیا اور اُس نے اپنی مدد کے لئے گاؤں والوں کو آواز دی تو کوئی شخص بھی اُس کی آواز پر نہ پہنچا اور شیر اُس لڑکے کو پھاڑ کر کھا گیا۔

یہ مثال اِس غرض کے لئے بیان کی جاتی ہے کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہئے کیونکہ جھوٹے آدمی کا اعتبار اُٹھ جاتا ہے۔ اس نے پہلی دفعہ جھوٹ بولا تو اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری دفعہ جب وہ واقعہ میں سچ بول رہا تھا، لوگوں نے یہی سمجھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 203)

بار بار مرکز آنے کی کوشش کرو

ہماری جماعت کے دوستوں کو مرکز میں آنے کی رفتار بہت تیز کر دینی چاہئے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دوستوں کی یہاں آنے کی رفتار بہت کم ہے، اتنی کم کہ وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگ اپنے اوقات اِدھر اُدھر گزارنا زیادہ پسند کرتے ہیں مگر مرکز میں آنے کی اہمیت کو وہ محسوس نہیں

کرتے حالانکہ دُنیا میں آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے اُس کے لحاظ سے ہماری جماعت کا مرکز سے ایسا ہی تعلق ہونا چاہئے جیسے ایک جانور رسّہ سے بندھا ہوا ہوتا ہے یا جیسے ایک گھوڑا کِیلے سے بندھا ہوا ہو تو جب وہ دور جاتا ہے، رسّہ اس کے گلے میں پھنسنے لگتا ہے اور وہ پھر اپنے کِیلے کی طرف آنے پر مجبور ہوتا ہے۔

یہی حال ہر احمدی کا ہونا چاہئے اور اُسے بار بار مرکز میں آنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ جو اہم تغیرات دُنیا میں ہونے والے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ جماعت زیادہ سے زیادہ اخلاص میں اور قربانی میں اور ایثار میں مضبوط ہو۔ ایسا نہ ہوا تو وقت پر بہت لوگ کچے دھاگے ثابت ہوں گے اور سلسلہ کو تقویت پہنچانے کی بجائے دوسروں کو گرانے اور ان کے قدم کو بھی متزلزل کرنے کا موجب ہوں گے۔

رسول کریم ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو نَو مسلموں میں سے بعض رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا یارسول اللہ! اب جو طائف والوں سے جنگ ہونے والی ہے اس میں ہمیں بھی شامل ہونے کا موقع عنایت فرمائیں۔ پرانے صحابہؓ اپنے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے بہادر ہیں حالانکہ جب آپ سے لڑائی تھی اُس وقت خدا ہمارے سامنے تھا اور ہم خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ پس اگر ہم آپ کے مقابلہ میں بھاگے۔ تو ہم کسی انسان کے ڈر سے نہیں بھاگے بلکہ خدا تعالیٰ کی طاقت کو دیکھ کر بھاگے اس لئے ہماری بہادری کا گزشتہ لڑائیوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، ہماری جرأت اور ہماری بہادری کا آپ اُس جنگ سے قیاس کر سکیں گے جو ثقیف اور ہوازن والوں سے ہونے والی ہے اس لئے آپ ہمیں بھی شامل ہونے کی اجازت عطا فرمائیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہت اچھا اجازت ہے دس ہزار مسلمانوں کا اور دو ہزار نو مسلموں کا لشکر تھا جو دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔

طائف کے قبائل بہت ہوشیار تھے چونکہ اسلامی لشکر نے تنگ راستوں میں سے گزرنا تھا اس لئے اُنہوں نے پانچ سَو تیر انداز ایک طرف اور پانچ سَو تیر انداز دوسری طرف کھڑے کر دیئے اُن کا اپنا لشکر کل چار ہزار کا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ ہم اتنے تھوڑے لشکر سے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اُنہوں نے اس کا علاج یہ سوچا کہ اپنے تیر انداز راستہ کے دونوں طرف کھڑے کر دیئے تاکہ راستہ میں ہی وہ اسلامی لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیں اور اُسے آگے بڑھنے سے روک دیں۔

جب فوج اس تنگ درّہ میں پہنچی تو ایک ہزار تیر اندازوں نے اونچی جگہ سے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ جب ایک ہزار تیر متواتر گرنا شروع ہوا اور کچھ آدمیوں کو، کچھ گھوڑوں کو اور کچھ اونٹوں کو لگے تو وہ نَو مسلم جو اکڑتے ہوئے اسلامی لشکر کے آگے آگے جا رہے تھے اُنہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمان جو پیچھے چلے آرہے تھے وہ بھی اپنی حفاظت نہ کر سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ بارہ ہزار کا بارہ ہزار لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، صرف رسول کریم ﷺ اور آپ کے گرد 12 آدمی رہ گئے۔

تب ابوسفیان بن الحارث آگے بڑھے اور اُنہوں نے رسول کریم ﷺ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا یارسول اللہ! آپ کیا کرتے ہیں، اِس وقت واپس لوٹیے، ہم لشکر اسلامی کو اپنے ساتھ لے کر کفار پر پھر حملہ کریں گے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو۔ پھر آپ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دشمن کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھنا شروع کر دیا کہ ؎

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبُ

میں جھوٹا نہیں کہ میدان چھوڑ دوں۔ مَیں نبی ہوں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ اُس وقت صحابہؓ کے دل تم سمجھ سکتے ہو کہ کس طرح اچھل رہے اور دھڑک رہے ہوں گے مگر ان کے لئے سوائے اِس کے کیا چارہ تھا کہ آگے سے ہٹ جائیں اور رسول کریم ﷺ کے ارادہ میں حائل نہ ہوں۔ اُس وقت رسول کریم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے کہا کہ اِدھر آؤ اور اونچی آواز سے مسلمانوں کو آواز دو۔

چونکہ یہ شکست مکہ والوں کی بیوقوفی سے ہوئی تھی اِس لئے مکہ والوں کے فعل پر ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ عباس! بلند آواز سے کہو کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔

اُس وقت مہاجرین کا نام آپ نے نہیں لیا کیونکہ مہاجرین مکہ والوں کے رشتہ دار تھے اور رسول کریم ﷺ مکہ والوں پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمانا چاہتے تھے۔

ایک انصاری کہتے ہیں اُس وقت ہماری حالت یہ تھی کہ ہم اپنے گھوڑوں کو پیچھے لَوٹاتے اور پورے زور سے اُن کی باگیں کھینچتے تھے یہاں تک کہ ہمارے ہاتھ زخمی ہو جاتے اور جانوروں کی گردن اُن کی پیٹھ

سے جا لگتی تھی مگر جب لگام ذرا ڈھیلی ہوتی اور ہم اُنہیں ایڑی مار کر پیچھے کی طرف واپس لانا چاہتے تو وہ پھر آگے کو بھاگ پڑتے۔

جب اِس حالت میں ہمارے کانوں میں یہ آواز آئی کہ اے انصار! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے تو اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ عباس کی آواز بلند ہو رہی ہے بلکہ ہمیں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سب لوگ مر چکے ہیں قیامت کا دن ہے اور اسرافیل کی آواز لوگوں کے کانوں میں آرہی ہے۔ ہم نے ایک دفعہ پھر اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو واپس لوٹانے کے لئے اپنا پورا زور صَرف کیا جو سواریاں مُڑ گئیں مُڑ گئیں اور جو نہ مڑیں ان میں سے بعض کے سوار کود پڑے اور پیدل دوڑتے ہوئے رسول کریم ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور بعض نے اپنی میانوں میں سے تلواریں نکال کر سواریوں کی گردنیں کاٹ دیں اور خود لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے رسول کریم ﷺ کی طرف دَوڑ پڑے۔

اِس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح کمزور لوگ طاقتوروں کو بھی گھبراہٹ میں مبتلا کر دینے کا موجب بن جاتے ہیں۔ پس یہ دن ایسے نہیں ہیں کہ ہمارے اندر کوئی کمزور طبقہ ہو کیونکہ اگر کمزور طبقہ ہم میں موجود ہوا، تو وہ بہادروں کو بھی گرا دینے کا موجب بن جائے گا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 216 تا 219)

افراد جماعت کی قربانیاں اور قادیان کی ترقی

وہ زمانہ جب کہ احمدیت کا نام لینے والا دنیا میں بہت کم، شاذ و نادر کے طور پر کوئی شخص نظر آتا تھا اور جبکہ قادیان میں، اُس قادیان میں جس میں خدا نے ہمیں بعد میں غیر معمولی طاقت اور شوکت عطا فرمائی صرف چند افراد احمدی کہلانے والے تھے جو بسا اوقات اپنی کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف کو بھی انتہا درجہ کی بلا اور مصیبت سمجھتے تھے۔

مجھے یاد ہے میاں صدرالدین صاحب جو ابتداء میں گدھوں پر مٹی لاد کر بھرتی ڈالا کرتے تھے اور جنہوں نے بعد میں آٹے کی تجارت شروع کر دی اُن کے متعلق ایک دفعہ اطلاع ملی کہ وہ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ کسی مخالف نے کوئی شرارت کی۔ میں نے اُن کو بلایا اور چاہا کہ اگر یہ اطلاع درست ہو تو

اُس شرارت کا تدارک کیا جائے۔ جب وہ آئے اور میں نے اُن سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اُنہوں نے سمجھا کہ شاید میں یہ سُن کر ڈر گیا ہوں کہ اب لوگ ہماری مخالفت کرنے لگ گئے ہیں اور اُنہوں نے بجائے میرے سوال کا جواب دینے کے مجھے تسلی دینی شروع کر دی اور کہنے لگے بے شک ایک شخص نے کچھ شرارت کی تھی مگر یہ مصیبت اُن مصیبتوں کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہے جو ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں برداشت کی ہیں۔ جب اُنہوں نے یہ بات کی تو قدرتی طور پر میری توجہ اِس طرف مبذول ہوئی کہ میں بھی سُنوں کہ وہ کیا مشکلات تھیں جو اُن کو پیش آئیں اور میں نے اُن سے کہا مجھے بھی اُس زمانہ کا کوئی واقعہ سنائیں۔

وہ کہنے لگے ایک دفعہ میں ڈھاب میں سے مٹی کھود رہا تھا کہ کسی نے مرزا نظام الدین صاحب کو جا کر اطلاع دے دی کہ ڈھاب میں سے مٹی کھودی جا رہی ہے۔ مرزا نظام الدین صاحب بڑے جوش کی حالت میں وہاں پہنچ گئے۔ میں نے اُنہیں دیکھا تو ایک زاویہ جو مٹی کھودنے کی وجہ سے ڈھاب میں بن چکا تھا اُس کے پیچھے چُھپ گیا اور میں نے کہا اے خدا! جیسے تیرے رسول پر غارِ ثور میں ایک مصیبت کا وقت آیا تھا وہی مصیبت کا وقت اب مجھ پر آگیا ہے تُو میری حفاظت فرما اور مجھے اِس تکلیف سے نجات دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری ایسی حفاظت فرمائی کہ مرزا نظام الدین صاحب اندھے ہو گئے اُنہیں نظر ہی نہ آیا۔ وہ گالیاں دیتے ہوئے واپس چلے گئے اور میں خدا کا شکر کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔

اب دیکھو یہ کتنی چھوٹی سی چیز تھی جو اپنے زمانہ کے لحاظ سے اُنہیں بڑی نظر آئی اتنی بڑی کہ مرزا نظام الدین صاحب کے ایک دو تھپڑوں کو اُنہوں نے غارِ ثور کے واقعہ کے مشابہہ قرار دیا۔ مگر یہ حالت کیوں پیدا ہوئی؟ اس لئے کہ قادیان میں احمدیوں کی حیثیت اِتنی حقیر سمجھی جاتی تھی کہ ہر شخص خواہ وہ کیسی ہی ادنیٰ حیثیت رکھنے والا ہو اُن کے کچلے جانے اور دُنیا سے ان کے مٹائے جانے کے متعلق کامل یقین رکھتا تھا۔

مجھے یاد ہے احمدی اپنے گھروں کے لئے مٹی کھودتے تو لوگ اُن کے خلاف شور مچا دیتے حالانکہ وہ مٹی اپنی چھتوں کی لپائی کے لئے یا ایسی ہی اَور اغراض کے لئے کھود رہے ہوتے تھے۔ مگر وہ مقام جہاں

احمدیوں کو اپنے مکانوں کی چھتوں پر لپائی کرنے کے لئے بھی مٹی کھودنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی آج اُسی مقام اور اُسی جگہ پر وہ بلند و بالا اور عظیم الشان عمارتیں کھڑی ہیں جو احمدیت کے عظیم الشان کارہائے نمایاں پر دلالت کرتی ہیں اور لاکھوں لوگ اِس جماعت سے وابستہ ہیں۔

اب غور کرو کہ کجا تو وہ حال تھا کہ قادیان میں صرف چند آدمی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے اور وہ بھی معمولی معمولی لوگوں کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے اور کجا یہ حالت ہے کہ ہمارے کارناموں کو دیکھ دیکھ کر دشمن کا دل اک یقین اور وثوق سے زیادہ سے زیادہ لبریز ہوتا چلا جا رہا ہے کہ یہ ایک طاقتور اور منظم جماعت ہے اور غیر ممالک میں بھی یہی احساس پایا جاتا ہے۔

ابھی چند دن ہوئے انگلستان کے ایک اخبار میں شائع ہوا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ جماعت احمدیہ بہت بڑی مال دار جماعت ہے مگر اب ہمیں یہ نئی بات معلوم ہوئی ہے کہ اصل میں اس جماعت کی ترقی روپیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس جماعت کے افراد کی قربانی کی وجہ سے ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 231-232)

تفسیر کبیر نے سینے میں تلاطم پیدا کر دیا

میں نے گزشتہ سفر میں دیکھا کہ ملتان یا منٹگمری کے سٹیشن پر ایک شخص عین اُس وقت میری ملاقات کے لئے پہنچا جب کہ ریل چل پڑی تھی مگر وہ پھر بھی ریل کے ساتھ ساتھ دَوڑتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ میں نے کسی دوست سے لے کر آپ کی تفسیر پڑھی ہے جس نے میرے سینے میں ایک تلاطم پیدا کر دیا ہے مگر مجھ میں خریدنے کی استطاعت نہیں۔

اُس کے اندر اِتنا جوش تھا کہ ریل کے ساتھ ساتھ دَوڑتا آیا یہاں تک کہ پلیٹ فارم بھی ختم ہو گیا مگر میں نے دیکھا کہ وہ پھر بھی دَوڑ رہا تھا اور باوجود یہ کہ ریل کے شور میں اُس کی آواز دَب رہی تھی اُس کے ہونٹ ہلتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 275)

جو خدا کا ہو خدا اسے تنہا نہیں چھوڑتا

پرانے بزرگوں کے واقعات میں ہمیں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ایک بزرگ تھے وہ مجلس میں بیٹھے تھے ایک شخص اُن کے پاس آیا اُنہوں نے 31روپے 10 آنے اُس سے بطور قرض لئے تھے اور اُس قرض کی ادائیگی میں دیر ہوگئی تھی مجلس میں آکر اُس شخص نے تقاضا کیا کہ میرا قرض مجھے ادا کیا جائے مجھے اس وقت روپے کی سخت ضرورت ہے، اُنہوں نے کہا ٹھیک ہے میں نے قرض لیا ہوا ہے اور میں ان شاء اللّٰہ جلدی ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔

اُس نے کہا میں ان شاء اللّٰہ، ان شاء اللّٰہ نہیں جانتا میں اُٹھوں گا نہیں جب تک آپ مجھے روپیہ نہ دے دیں اور پھر اُس نے بدگوئی شروع کردی کہ یہ بزرگ بنا پھرتا ہے لیکن ایسا بے ایمان اور بددیانت ہے کہ روپیہ لیتا ہے اور پھر ادا کرنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

وہ چپ کر کے بیٹھے رہے آخر غلطی اُنہی کی تھی اُنہوں نے قرض لیا تھا اس کو واپس کرنے کا بھی فکر کرنا چاہیے تھا مگر ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک شخص آیا اور اُس نے کہا فلاں رئیس نے یہ رقم آپ کو تحفہ کے طور پر بھجوائی ہے اُنہوں نے گِنی تو 25۔26روپے تھی اُنہوں نے وہ رقم لپیٹ کر اُسے واپس کردی اور کہا کہ یہ میری نہیں ہوگی کسی اَور کی ہوگی۔اُس نے لیتے ہی کہا اوہو! مجھ سے غلطی ہوگئی آپ کی رقم تو اس جیب میں ہے اور جب اُس نے وہ رقم نکالی تو وہ آنوں سمیت اُتنی ہی تھی جتنی وہ شخص مانگتا تھا۔

اب دیکھو! جب اُن کے پاس ایک غلط رقم پہنچی تو وہ اُنہوں نے رکھ نہیں لی وہ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو میرے متعلق غیرت ہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اب جبکہ مجھے مجلس میں ذلیل کیا گیا ہے خدا میرے متعلق اپنی غیرت ضرور دکھائے گا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ میرا قرضہ 31روپے 10 آنے ہے اس لئے جب اُن کو 26روپے ملے اُنہوں نے وہ رقم واپس کردی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ میری رقم نہیں ہوسکتی اگر میری رقم ہوتی تو 31روپے 10 آنے ہوتی جس کی مجھے ضرورت تھی۔

جب اُنہوں نے 26روپے واپس کئے تو اُنہیں 31روپے 10 آنے بھی مل گئے اور وہ جو ان کو ٹھگ اور بددیانت کہہ رہا تھا اُس کو بھی خدا نے ان کی بزرگی کا نشان دکھادیا۔اگر 26روپے وہ رکھ لیتے تو شاید

قرض خواہ 26 روپے لے کر چلا جاتا مگر ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ یہ ایک اتفاقی معاملہ ہے مگر اُنہوں نے 26 روپے واپس کئے اور جب واپس کئے تو اُنہیں 31 روپے 10 آنے مل گئے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 326-327)

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو نوازتا رہتا ہے

میرے ساتھ کئی ایسے واقعات گزرے ہیں بعض دفعہ مذاق میں مَیں نے ایک بات کہی ہے تو خدا نے اُس مذاق کی بات کو بھی پورا کر دیا ہے۔

بھائی عبد الرحیم صاحب جو آجکل پشاور رہتے ہیں وہ اور میں ایک دفعہ سارا دن شکار کے لئے پھرتے رہے مگر کوئی جانور نہ ملا واپسی پر ہم کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مجھے ایک مذاق سُوجھا لوگ تو کہتے ہیں کہ خواجہ خضر پانی میں رہتے ہیں مگر میرا یہ عقیدہ ہے کہ خضر ایک فرشتہ ہے اور شاید پرانے بزرگوں کے خیال میں وہ دریاؤں کا فرشتہ ہی ہو۔

بہر حال میں نے کہا خواجہ خضر! ہم سارا دن یہاں پھرتے رہے ہیں مگر ہمیں کوئی شکار نہیں ملا اب میں چاہتا ہوں کہ تم ہماری دعوت کرو۔

بھائی عبد الرحیم صاحب چونکہ میرے اُستاد تھے اُنہوں نے یہ سنا تو کہا یہ آپ نے کیا کہا ہے کہ خواجہ خضر ہماری دعوت کرو مگر اُنہوں نے ابھی یہ بات کہی ہی تھی کہ یکدم پانی کی ایک لہر اُٹھی اور ایک بہت بڑی مچھلی ہماری کشتی میں آ گری میں نے کہا لو! خواجہ خضر نے ہماری دعوت کر دی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی نعمتوں سے ہمیشہ سرفراز کرتا ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 327-328)

نیک کو کچھ غم نہیں

مَیں دوستوں کو ایک واقعہ سُنا دیتا ہوں بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ پکڑے نہیں جاتے۔ کوئی بزرگ تھے لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ بزرگ سیدھے سادے ہیں۔ ایک شخص ان کے پاس گیا اور اُن سے کہا آپ کی جو زمین ہے اُسے کاشت کروایا جائے اور جو آمد آئے وہ ہم دونوں میں تقسیم ہو جایا کرے۔

اُس بزرگ نے کہا بہت اچھا اُس بزرگ نے کہا میں تیار ہوں لیکن پہلے یہ فیصلہ ہو جائے کہ اس آمد کو کس طرح تقسیم کیا جائے تا اختلاف کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ اُس شخص نے کہا فصل کا وزن کرنا تو بہت مشکل ہوتا ہے۔ (اُس کا خیال تھا کہ اُس بزرگ سے مفت میں کام لے لے) میری تجویز ہے کہ جو فصل ہم بوئیں وہی تقسیم ہو جائے۔

چنانچہ اُس شخص نے تجویز پیش کی کہ جو فصل بھی ہم بوئیں اُس کا اوپر کا نصف میرا اور نیچے کا نصف آپ کا ہو۔ اُس کا خیال تھا کہ ہم گندم بوئیں گے اور اس طرح غلہ میرا ہو گا اور بُھوسہ اس بزرگ کو ملے گا۔ وہ بزرگ سیدھے سادے نہیں تھے بلکہ عقلمند بھی تھے انہوں نے گاجریں اور مولیاں بُودیں اور پتے اُس شخص کے حوالے کر دیئے اور گاجریں اور مولیاں خود رکھ لیں۔ اُس شخص نے سمجھا کہ اس دفعہ مجھ سے دھوکا ہو گیا اگلی دفعہ سہی۔

چنانچہ اُس نے بزرگ سے کہا ایک دفعہ اور فصل بوئیں اور دونوں شراکت کریں۔ اس دفعہ آپ اوپر کا حصہ لیں اور میں نیچے والا حصہ لوں گا۔ اُس بزرگ نے اب کے گندم بو دی اور غلہ آپ رکھ لیا اور نیچے کا حصہ یعنی بھوسہ اُس شخص کے حوالہ کر دیا۔

اُس شخص نے خیال کیا کہ یہ بزرگ اب بھی قابو نہیں آیا چلو ایک دفعہ اور شراکت کریں اور کوئی فصل بوئیں اُس بوڑھے نے کہا بہت اچھا اُس شخص نے کہا اس دفعہ نیچے اور اوپر کا حصہ میں لوں گا اور آپ کو بیچ کا حصہ دوں گا۔ اُس بزرگ نے اس دفعہ مکیء بو دی اور نیچے اور اوپر کا حصہ اُس شخص کے حوالے کر دیا اور خود درمیان کا حصہ لے لیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 363-364)

(الفضل آن لائن 28/ جنوری 2023ء)

(قسط15)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

دینی کام دینی روح کے ساتھ ہوتے ہیں۔ سہارے کی احتیاج کامیابی سے روکتی ہے

ہر شخص چاہتا ہے کہ دوسرا تو کام کرے مگر میں نہ کروں اور یہ کوئی صحیح طریق نہیں۔ اصلاح تب ہوتی ہے جب انسان پہلے خود اپنی اصلاح کرے۔

رسول کریم ﷺ جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے جس میں صلح حدیبیہ ہوئی اُس وقت ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جو اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے دراصل خواب میں دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے اور احرام باندھے ہوئے ہیں۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ چلو ہم عمرہ کر آئیں (کیونکہ حج کا وقت نہ تھا) صحابہ کو بھی شوق تھا، اُنہوں نے دنبے، بکریاں اور اُونٹ قربانی کے لئے اپنے ساتھ لئے اور سج سجا کر بارات کی طرح مکہ کی طرف چل پڑے۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو کفار نے اُنہیں روک لیا، اُنہوں نے بہتیرا سمجھایا کہ ہم خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں، ہم میانوں سے تلواریں نہیں نکالیں گے بلکہ متواضع شہریوں کی طرح عمرہ کر کے چلے جائیں گے مگر اُنہوں نے کہا، خواہ کچھ ہو ہم تو اس کی اجازت نہیں دے

سکتے۔ آخر دنیا کو کیا پتہ ہے کہ تم عبادت کے لئے آئے تھے، لوگ تو کہیں گے کہ عرب ڈر گئے اور اُنہوں نے مسلمانوں کو مکہ میں آنے کی اجازت دے دی، اگلے سال بے شک عمرہ کر لینا، ہم سال بھر ڈھنڈورا پیٹتے رہیں گے کہ ہم نے خود مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دی ہے اس طرح ہمارا رُعب قائم رہے گا، اس وقت ہم عمرہ کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس پر بڑا شور ہوا۔ مگر رسول کریم ﷺ نے اُن کی بات مان لی اور آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانیاں یہیں کر لو۔

اس بارہ میں اختلاف ہے، فقہاء میں سے بعض کہتے ہیں کہ جس مقام پر اُنہوں نے ڈیرے ڈالے تھے وہ حرم میں شامل تھا اور چونکہ وہ مقام حرم میں شامل تھے اس لئے اُن کے لئے قربانیاں کرنا جائز تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مقام تو حرم میں شامل نہیں تھا مگر شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ جب انسان حج یا عمرہ کے لئے جائے اور رستہ میں روکا جائے تو جس جگہ روکا جائے وہیں قربانی کر دے۔ بہر حال کوئی وجہ ہو، رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قربانیاں کر دو، صحابہ نے یہ بات سنی مگر وہ قربانیاں کرنے کے لئے نہ اُٹھے، آپ نے ایک دفعہ کہا، دو دفعہ کہا، تین دفعہ کہا، مگر وہ خاموش رہے اُن کو دکھ تھا کہ آج اُن کی ناکیں کٹ گئیں، دو دو سَو تین تین سَو میل تک رہنے والے قبائل انہیں طعنہ دیں گے کہ تم نے کر لیا عمرہ! اُنہیں غم تھا کہ ہم دنیا کو کیا منہ دکھائیں گے اور اُن کے سامنے اپنی عزت کس طرح قائم رکھ سکیں گے۔ وہ اتنے دکھ میں تھے کہ باوجود اس کے کہ رسول کریم ﷺ نے بار بار فرمایا جاؤ اور قربانیاں کرو، جاؤ اور قربانیاں کرو، وہ قربانیاں کرنے کے لئے نہ اُٹھے۔

آپ ﷺ کو اس سے شدید ترین صدمہ پہنچا کہ اتنی بڑی قربانی کرنے والی قوم جو میرے ایک اشارہ پر اپنی جانیں قربان کر دیا کرتی تھی آج اپنے حواس اس طرح کھو بیٹھی ہے کہ میں ایک حکم دیتا ہوں اور وہ اُس کی تعمیل نہیں کرتی، آپ اُسی حالت میں حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور فرمایا کہ حفصہ آج تمہاری قوم پر بڑی آفت آئی ہے۔ رسول کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب عربوں میں نشوز کی کوئی بات دیکھتے تو آپ یہ نہ فرماتے کہ میری قوم نے ایسا کیا بلکہ مخاطب سے ذکر کرتے ہوئے کہتے کہ آج تیری قوم نے ایسا کیا، یہی انداز رسول کریم ﷺ نے اُس وقت اختیار کیا۔

حضرت حفصہؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہوا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، آج اس اس طرح ہوا ہے، اُنہوں نے کہا یا رسول اللہ! جانے بھی دیجئے، اُن کو تو آپ سے اتنی محبت اور عشق ہے کہ اُس کی دنیا میں کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔

اس وقت عمرہ سے روکے جانے کا اُن کو اتنا شدید صدمہ ہوا ہے کہ اُن کے حواس پراگندہ ہو گئے ہیں وہ بڑی بڑی اُمیدیں لے کر آئے تھے مگر آج اُن کی اُمیدیں سب رائیگاں چلی گئیں۔ اس لئے ان کے دماغ پر ایک پردہ سا پڑ گیا ہے ورنہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھیں کہ خدا کا رسول ہمیں ایک حکم دیتا ہے اور پھر وہ اس کی تعمیل نہ کریں؟

اُنہوں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ چپ کر کے جایئے اور اپنی قربانی ذبح کرنی شروع کر دیجئے پھر دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے، رسول کریم ﷺ نے نیزہ لیا اور آپ خاموشی سے قربانی کے پاس گئے اور اُس کی گردن پر نیزہ مار کر گرا دیا۔

بات وہی تھی جو حضرت حفصہؓ نے کہی تھی، صحابہ رسول کریم ﷺ کے کام کے شیدائی اور عاشق زار تھے۔ جونہی اُنہوں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ نے اکیلے اپنی اونٹنی کو گرا لیا ہے، یکدم اُن کو ہوش آیا اور ایک صحابی کا بیان ہے کہ اُس کے بعد ہم اس طرح اپنی قربانیوں کی طرف دوڑے کہ اگر کوئی شخص ہمارے رستہ میں آتا تو ہمارا جی چاہتا تھا کہ ہم اُس کو قتل کر دیں۔

تو جب انسان خود عمل کر لیتا ہے تو دوسرے بھی اُس کے نمونے کو دیکھ کر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر تم اس امید میں رہے کہ پہلے اسلامی احکام پر یہ عمل کرے یا وہ عمل کرے تب میں عمل کروں گا تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ہمارا خدا اگر ہم سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے اور ہمارے بچے اور ہمارے عزیز ہمارا ساتھ نہیں دیتے تو کیا ہوا، خدا کے کئی نبی ایسے گزرے ہیں جن کے رشتہ داروں نے اُنہیں نہیں مانا۔ ابو لہب رسول کریم ﷺ کا چچا تھا مگر وہ آپ کا شدید ترین معاند تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے باپ، جو دراصل آپ کے چچا تھے، اُنہوں نے تو اس قدر دکھ دیا کہ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔

پس ہوا کیا اگر کوئی شخص تمہارا ساتھی نہیں بنتا، جب کوئی شخص اپنے دائیں اور بائیں نگاہ دوڑاتا ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ اُس کا ایمان کمزور ہے مومن اپنے ایمان کے مظاہرہ کے لئے کسی ساتھ کا محتاج نہیں ہوتا۔ جس شخص کے دل میں کسی سہارے کی احتیاج محسوس ہوتی ہو اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ اپنے کام میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

دینی کام دینی روح کے ساتھ ہوتے ہیں، جو شخص خدا کے کام کے لئے کھڑا ہوتا ہے وہ دائیں بائیں نہیں دیکھتا اُس کے بیوی بچے اُس کے ساتھ ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے اور اگر نہ ہوں تو وہ سمجھتا ہے کہ خدا سے بڑھ کر میرا مطلوب اور کوئی نہیں۔ میرا کام یہی ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا چلا جاؤں خواہ کوئی اور شخص میرا ساتھ دیتا ہے یا نہیں دیتا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 338 تا 341)

قربانیوں کا پھل کبھی رائیگاں نہیں جاتا

مثل مشہور ہے کہ ایک بڈھا ایک ایسا درخت لگا رہا تھا جس کا پھل دس سال کے بعد ہونا تھا وہ ابھی درخت لگا ہی رہا تھا کہ بادشاہ قریب سے گزرا اور اُس نے بڈھے کو وہ درخت لگاتے دیکھ کر کہا، میاں بڈھے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے، تم 70، 80 سال کی عمر کو پہنچ چکے ہو اور درخت وہ لگا رہے ہو جو پھل اُس وقت دے گا جب تم مر چکے ہو گے۔

بوڑھے نے کہا آپ نے یہ کیا بات کہی ہے اگر ہمارے باپ دادا بھی یہی سوچتے تو آپ اور ہم کہاں سے پھل کھاتے، اُنہوں نے درخت لگائے اور ہم نے پھل کھائے۔ اب ہم درخت لگائیں گے اور ہماری آئندہ نسلیں پھل کھائیں گی۔ بادشاہ نے یہ بات سنی تو بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "زہ" یعنی کیا ہی اچھی بات کہی ہے اور بادشاہ کا حکم تھا کہ جب میں کسی کی بات پر "زہ" کہوں تو اُسے فوراً تین ہزار دینار انعام کے طور پر دے دیا جایا کرے۔ جب بادشاہ نے "زہ" کہا تو وزیر نے فوراً ایک تھیلی تین ہزار دینار کی بڈھے کے سامنے رکھ دی۔ بڈھا اُس تھیلی کو دیکھ کر کہنے لگا بادشاہ سلامت! آپ تو کہتے تھے کہ تُو اس درخت کا پھل کس طرح کھائے گا، دیکھئے لوگ درخت لگاتے ہیں تو کئی کئی سال کے بعد اُس کا پھل کھاتے ہیں مگر میں نے

تو درخت لگاتے لگاتے اُس کا پھل کھالیا، بادشاہ نے کہا "زہ" اس پر وزیر نے جَھٹ دوسری تھیلی بڈھے کے سامنے رکھ دی۔

بڈھا ہوشیار آدمی تھا اُس نے دوسری تھیلی دیکھی تو پھر بادشاہ کی طرف متوجہ ہوا اور اُس نے کہا، بادشاہ سلامت آپ تو کہتے تھے کہ تُو اس درخت کا پھل کس طرح کھائے گا، دیکھئے اور لوگ تو جب درخت بڑا ہو اور پھل دینے لگے تو سال میں صرف ایک دفعہ اس کا پھل کھاتے ہیں مگر میں نے تو ایک گھنٹہ میں اس کا دو دفعہ پھل کھالیا۔ بادشاہ نے کہا "زہ" اور وزیر نے جَھٹ تیسری تھیلی بھی بڈھے کے سامنے رکھ دی۔ اُس پر بادشاہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا جلدی یہاں سے چلو ورنہ بڈھا تو ہمیں لوٹ لے گا۔

یہ ہے تو ایک لطیفہ لیکن اس میں ایک بہت بڑی حقیقت مخفی ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر قربانی کا پھل قربانی کرنے والا ہی کھائے دیکھو ابراہیمؑ نے کتنی بڑی قربانی کی مگر کیا اُس کا پھل ابراہیمؑ نے کھایا، کیا اُس کا پھل اسماعیلؑ نے کھایا، کیا اُس کا پھل اسماعیلؑ کے بیٹے نے کھایا، کیا اُس کے بیٹے کے بیٹے نے اُس کا پھل کھایا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سالوں کے بعد سال گزرتے چلے گئے، نسلوں کے بعد نسلیں پیدا ہوئیں اور فنا ہوئیں مگر اُنہوں نے ابراہیمؑ کی قربانی سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔

آخر ایک مدت دراز کے بعد معمولی مدت نہیں بلکہ 2400 سال کے بعد جب کہ ابرہیمؑ کی اولاد ایمان کو بھول چکی تھی، جب وہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی خصوصیتوں کو فراموش کر چکی تھی، ابراہیمؑ نے وہ پھل نہیں کھایا اسماعیلؑ نے وہ پھل نہیں کھایا، اگر پھل کھایا تو ابو جہل کے بیٹے نے کھایا، ولید کے بیٹے نے کھایا، عاص کے بیٹے نے کھایا۔

اسی طرح ابراہیمؑ سے ہوتے ہوتے ہزاروں ہزار نہیں لاکھوں لاکھ انسانوں نے کھایا، ولید جیسا شدید دشمن جو رات اور دن اسلام کے خلاف منصوبے کرتا رہتا تھا اُس کے بیٹے خالد نے اسلام قبول کر کے دنیا میں ایسی عزت حاصل کی کہ آج دنیا کے کناروں تک اُس کا نام عزت اور احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے، غرض ولید کے بیٹے نے بھی وہ پھل کھایا، عاص کے بیٹے نے بھی وہ پھل کھالیا یہاں تک کہ وہ شدید دشمن جس کی ساری زندگی رسول کریم ﷺ کی تکذیب میں لگی ہوئی تھی اور جس کی ساری کوششیں

اسلام کی تخریب کے لئے خرچ ہوتی تھیں اُس نے بھی وہ پھل کھایا اور ایسا کھایا کہ رسول کریم ﷺ کو خواب میں نظر آیا کہ فرشتے جنت کے انگور کا ایک خوشہ لائے ہیں اور آپ پوچھتے ہیں یہ جنتی انگور کا خوشہ تم کس کے لئے لائے ہو، اُنہوں نے جواب دیا ابو جہل کے لئے، آپ فرماتے ہیں میں یہ سن کر کہ ابو جہل کے لئے جنت کے انگوروں کا خوشہ آرہا ہے، کانپا اور میری آنکھ کھل گئی۔ جب ابو جہل کا بیٹا عکرمہؓ مسلمان ہوا تب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا خواب پورا ہو گیا۔ ابو جہل کے لئے جو خوشہ آیا تھا وہ عکرمہؓ نے کھالیا۔

اس میں وہی حقیقت بیان کی گئی ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے رسول کریم ﷺ نے دیکھا کہ جنت سے ابو جہل کے لئے انگور کا خوشہ لایا گیا ہے اور جنت سے کیا مراد تھی، اس جنت سے یقیناً محمدی باغ مراد تھا اور یہی محمدی باغ تھا جس کا پھل ابو جہل نے کھایا مگر خود ابراہیمؑ نے اس کا پھل نہیں کھایا، خود اسماعیلؑ نے جس کی ساری زندگی قربانیوں میں گزری اس کا پھل نہیں کھایا۔

پس کیوں خیال کرتے ہو کہ تمہاری قربانیوں کا آج نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں۔ اگر تمہاری نسل کسی وقت بھی تمہاری قربانیوں سے فائدہ اُٹھالے، اگر تمہارے ہمسائے کی نسل کسی وقت بھی تمہاری قربانیوں سے فائدہ اُٹھالے بلکہ ہمسائے کی نسل کو جانے دو، اگر تمہاری قربانیوں سے کسی وقت تمہارے دشمن کی نسل فائدہ اُٹھالے تو یقیناً تمہاری قربانیوں کا پھل تمہیں مل گیا کیونکہ خواہ وہ تمہارا دشمن تھا وہ خدا کا بندہ تھا۔ تم کیوں اُس کو دشمن کی نسل کی نگاہ سے دیکھتے ہو تم کیوں اُس کو پوتے یا پڑپوتے کی نسل کی نگاہ سے دیکھتے ہو تم اس نقطہ نگاہ سے دیکھو کہ وہ خدا کا ایک پیدا کردہ بندہ ہے۔

پس قربانیوں سے تم اس لئے مت ڈرو کہ تم آج اُس کا پھل نہیں کھا سکو گے۔ تم قربانیاں کرو اور کرتے چلے جائے۔

ہم بچپن میں ایک کہانی سنا کرتے تھے جس میں یہ ایک فقرہ آتا تھا کہ ''نیکی کر اور دریا میں ڈال'' ہزاروں ہزار نیکیاں دنیا میں ایسی نظر آتی ہیں جو نیکیوں کی سرتاج ہوتی ہیں بظاہر انسان اُن نیکیوں میں حصہ لیتا ہے جو چھوٹی کی نیکیاں کہلاتی ہیں مگر اُن کے نتیجے میں نہ انسان کی جیب میں کوئی پیسہ آتا ہے نہ اُس کی

بہنوں کے کان میں یا ناک میں کوئی زیور پڑتا ہے نہ اُس کے لڑکے کے تن کو کپڑے میسر آتے ہیں، وہ دریا میں پھینکی جاتی ہیں، وہ بظاہر ضائع اور برباد نظر آتی ہیں حالانکہ وہ اُن نیکیوں سے ہزارہا گنا بڑی ہوتی ہیں جو تن کو ڈھانپتی اور پیٹ کو بھرتی ہیں۔

پس اگر تم ایسا کرو گے تو دنیا کی طبائع تمہاری طرف خود بخود کھنچی چلی آئیں گی اور تم جنت اور دوزخ کو اپنے بالکل قریب دیکھو گے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے جنت اور دوزخ کو اپنے قریب دیکھا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 346 تا 349)

قربِ الٰہی کے لئے ’’مَیں‘‘ قربان کرنا ضروری ہے

خدا کو پانے کے لئے مال کی، جان کی، ارادوں کی، علم کی، وقت کی قربانی کافی نہیں۔ خدا تعالیٰ اِس احساس کی کہ مَیں ہوں قربانی چاہتا ہے۔ جب تک کوئی انسان اس مَیں کو مٹا نہیں دیتا اس وقت تک خدا اسے قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ مشرک ہوتا ہے۔

ایسا انسان باوجود لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا نعرہ لگانے کے اس میں شُبہ نہیں اپنے آپ کو ایک الگ وجود تصور کرتا ہے۔ جب وہ کہتا ہے میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا قائل ہوں تو وہ خود اپنے اس دعوے کو ردّ کرتا ہے کیونکہ اگر مَیں ہے تو پھر وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ نہیں کہہ سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے تو مَیں کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے تم اپنے نفس کو مٹا دو۔ تمہاری مرضی نہ ہو بلکہ میری مرضی ہو۔ صرف مَیں رہوں اور میرا کوئی شریک نہ ہو حتّٰی کہ تم بھی نہ ہو۔ لوگ مال و جان قربان کرتے ہیں مگر اِس میں اِن کی مرضی اور خواہش ساتھ ہوگی اور جب تک کوئی مَیں قربان نہیں کرتا اُس کی قربانی کی خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 215-216)

تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک لڑائی کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے ایک شخص کفار پر حملہ آور ہوا اور اُس نے ایسی بے جگری کے ساتھ لڑائی کی اور اس طرح کفار کو تہہِ تیغ کرنا شروع کیا کہ مسلمان اُس کو دیکھ دیکھ کر بے اختیار کہتے کہ خدا! اس شخص کو جزائے خیر دے، یہ اسلام کی کتنی بڑی خدمت سرانجام

دے رہا ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی نے اِس دُنیا کے پردہ پر کوئی دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ جب رسول کریم ﷺ نے یہ بات فرمائی تو صحابہؓ سخت حیران ہوئے کہ اتنی بڑی قربانی کرنے والے اور آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والے کے متعلق رسول کریم ﷺ نے یہ کس طرح فرمادیا کہ اگر کسی نے اس دُنیا کے پردہ پر کوئی دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اسے دیکھ لے۔

ایک صحابی کہتے ہیں میں نے کئی لوگوں کو اس قسم کی باتیں کرتے سُنا کہ رسول کریم ﷺ نے یہ کیا فرمادیا اور میں نے سمجھا کہ ممکن ہے اس سے بعض لوگوں کو ٹھوکر لگے۔ چنانچہ میں نے قسم کھائی کہ میں اس شخص کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک میں اس کا انجام نہ دیکھ لوں۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں میں اُس کے ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے زخمی ہوا اور اُسے لوگوں نے اُٹھا کر ایک طرف لِٹا دیا۔ وہ درد کی شدت کی وجہ سے کراہتا تھا اور چیخیں مارتا تھا۔ صحابہؓ اُس کے پاس پہنچتے اور کہتے اَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ تجھے جنت کی خوشخبری ہو۔ اِس پر وہ اُنہیں جواب میں کہتا۔ اَبْشِرُوْنِیْ بِالنَّارِ۔ مجھے جنت کی نہیں دوزخ کی خبر دو اور پھر اُس نے بتایا کہ میں آج اسلام کی خاطر نہیں لڑا بلکہ اِس لئے لڑا تھا کہ میرا ان لوگوں کے ساتھ کوئی پرانا بُغض تھا۔ آخر وہ صحابی کہتے ہیں اُس نے زمین میں اپنا نیزہ گاڑا اور پیٹ کا دباؤ ڈال کر خودکشی کرلی۔ جب وہ مر گیا تو وہ صحابی رسول کریم ﷺ کی مجلس میں پہنچے اور اُنہوں نے بلند آواز سے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے بھی جواب میں فرمایا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ مَیں اُس کا رسول ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ اُس نے کہا یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فلاں شخص کے متعلق یہ بات کہی تھی، اِس پر بعض صحابہؓ کے دل میں شُبہ پیدا ہوا کہ اتنے بڑے نیک انسان کے متعلق رسول کریم ﷺ نے یہ کیا کہہ دیا۔ مگر میں نے کہا خدا کے رسول کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی اور میں نے قسم کھائی کہ میں اسے چھوڑوں گا نہیں جب تک میں اِس کا انجام نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ رہا اور آخر وہ خودکشی کرکے مر گیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 391-392)

چونکہ خود کشی کرنے والا خدا تعالیٰ پر بدظنی کرتا ہے اِس لئے خدا کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اِس طرح معلوم ہو گیا کہ فِی الواقعہ وہ شخص دوزخی تھا۔۔۔۔ اب دیکھو ایک شخص باوجود مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمنوں سے لڑتا ہے اور ایسے ایسے مقام پر حملہ کرتا ہے جہاں عام مسلمان بھی نہ کرتے مگر اُس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دوزخ میں جاتا ہے۔ اِس لئے کہ اس نے جان کی قربانی تو کی لیکن ''مَیں'' کی قربانی نہ کی تھی۔ اُس نے جان کی قربانی اپنی انانیّت کے لئے کی تھی۔

(خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 217)

بہادر موت سے نہیں ڈرتا

ہم نے دیکھا ہے۔ پٹھانوں کو بڑا وحشی سمجھا جاتا ہے لیکن اُن میں یہی خوبی ہے کہ وہ مرنے سے نہیں ڈرتے، مرتے جاتے ہیں اور آگے بڑھتے جاتے ہیں۔

مجھے ایک کرنل نے سنایا کہ کشمیر میں ایک بڑا سخت مورچہ تھا۔ مہاراجہ کشمیر کا اس کے متعلق یہ اعلان تھا کہ وہ مورچہ چھ مہینے تک فتح نہیں ہو سکتا۔ یہ اُن کی ایک خاندانی جگہ تھی جسے اُنہوں نے بڑا مضبوط بنایا ہوا تھا۔ اُس نے بتایا کہ ہمیں حکم ہوا کہ پٹھانوں کو آگے بھیجو۔ اُس وقت کابل کی طرف سے پاوندے آئے ہوئے تھے۔ فوجی افسر نے اُنہیں اپنے ساتھ لیا اور نقشوں سے بتانا شروع کیا کہ فلاں جگہ سے رستہ گزرتا ہے فلاں جگہ نالا ہے، فلاں رستہ بڑا خطرناک ہے کیونکہ وہاں دشمن نے مائنز بچھائی ہوئی ہیں۔ پہلے اس طرف سے جانا، پھر پہاڑی کے اُس طرف چلے جانا، پھر اس نالے کو عبور کرنا، وہ گھبرائیں کہ یہ اپنی بات کو ختم کیوں نہیں کرتا اور یہ بتاتا کیوں نہیں کہ ہم نے کرنا کیا ہے۔ جب وہ بات کر چکا تو اُنہوں نے کہا کہ تم صرف اتنا بتا کہ ہم نے کرنا کیا ہے؟ اُس نے کہا فلاں قلعہ پر قبضہ کرنا ہے۔ اُنہوں نے کہا بس اتنی بات تھی۔ تم نے خواہ مخواہ ہمارا اتنا وقت ضائع کیا۔

اِس کے بعد وہ سیدھے اُس قلعہ کی طرف چل پڑے۔ پندرہ بیس گز گئے تھے کہ دشمن کو علم ہو گیا اور اُس نے فائرنگ شروع کر دی۔ اُن کے چالیس پچاس آدمی وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اِس پر اُنہوں نے ان لاشوں کی اوٹ میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ پھر کچھ مرے تو اُنہوں نے اُن کی لاشوں کو آگے رکھ لیا۔

اِس طرح وہ اپنی لاشوں کو پناہ بناتے ہوئے ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور جس قلعہ کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ چھ مہینے تک فتح نہیں ہو سکتا اُس قلعہ پر شام کے وقت ہمارا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

اُس کرنل نے بتایا کہ وہ اتنی دلیری کے ساتھ آگے بڑھے کہ ہمیں دیکھ کر حیرت آتی تھی۔ ہم اُن سے کہتے کہ دشمن سے چُھپو اور وہ ناچنے لگ جاتے اور کہتے کہ ہم تو حملہ سے پہلے ناچا کرتے ہیں۔

یہ دُنیوی چیزیں ہیں جو ایمان کے نہ ہوتے ہوئے بھی مختلف قوموں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر یہ پہلی چیزیں ہی ہمارے اندر نہیں پائی جاتیں تو اگلی خوبیاں ہم میں کہاں ہو سکتی ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 394-395)

عمل کے بغیر خالی دعویٰ بیکار ہے

کہتے ہیں کوئی بزدل تھا اُسے خیال ہو گیا کہ میں بڑا بہادر ہوں اور اُس نے تجویز کیا کہ وہ اپنے جسم پر کوئی بہادری کی علامت گدوائے آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بازو پر شیر کی شکل گدوائے گا۔

وہ گودنے والے کے پاس گیا اور اُسے کہا میرے بازو پر شیر گود دو۔ گودنے والے نے اپنے سامان لیا اور گودنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس نے سُوئی جو ماری تو چونکہ وہ بزدل تھا درد کی اُس سے برداشت نہ ہو سکی اور اُس نے گودنے والے سے پوچھا تم شیر کا کون سا حصہ گود رہے ہو؟ اُس نے کہا میں دایاں کان گودنے لگا ہوں۔ اُس نے کہا اگر شیر کا دایاں کان نہ ہو تو کیا شیر رہتا ہے یا نہیں؟ گودنے والے نے کہا شیر تو رہتا ہے۔ اُس نے کہا اچھا دایاں کان چھوڑ دو اور آگے چلو۔ اسی طرح ہر عضو کے متعلق اُس نے یہی کہنا شروع کر دیا آخر گودنے والا سُوئی چھوڑ کر بیٹھ گیا، اُس نے پوچھا بیٹھ کیوں گئے ہو؟ اُس نے کہا شیر کا دایاں کان نہ ہو تب بھی وہ شیر رہتا ہے اور اگر بایاں کان نہ ہو تب بھی شیر رہتا ہے لیکن جتنے اعضاء تم نے چُھڑوائے ہیں اُن کے بعد تو شیر ہی نہیں رہتا۔

غرض بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں خوشی سے تو نہیں لیکن مجبوراً نظر انداز کیا جاسکتا ہے مگر بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں مجبوراً بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 398)

اپنے حق کی خود بھی حفاظت کرو

تورات میں آتا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بڑے بیٹے عیسُو نے اپنا حق اپنے چھوٹے بھائی یعقوب علیہ السلام کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ پرانے زمانہ میں بڑے بیٹے کو حقوقِ برتری حاصل ہوتے تھے۔ یہود کا یہ خیال تھا کہ بڑا بیٹا ہی نبی بن سکتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ کو یہ احساس تھا کہ بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے عیسُو نبوت کا درجہ لے جائے گا اس لئے وہ اِس ٹوہ میں رہتی تھی کہ کسی طرح یہ حق اپنے بیٹے یعقوب کو لے کر دے۔ ایک دن یعقوب نے مسور کی دال پکائی عیسُو کا دال کھانے کو جی چاہا اُس نے یعقوب کو بلا کر کہا مجھے دال کِھلا یعقوب نے کہا مجھے اپنا پلوٹھا ہونے کا حق دے دے تب میں تجھے دال دوں گا۔ عیسُو کا بچپن بھی تھا اور یہودیوں کے نزدیک اُس کا معیارِ اخلاق بھی اعلیٰ نہیں تھا اُس نے کہا دال تو نقد بہ نقد مل رہی ہے نبوت پتہ نہیں کب ملے اِس لئے اُس نے نبوت کا حق یعقوب کو دے دیا۔ اِس پر یعقوب نے اُسے مسور کی دال دی اور اُس نے کھائی۔ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام بیمار ہو گئے تو آپ نے اپنے بڑے بیٹے عیسُو کو کہا عیسُو آؤ میں تمہیں دعا دوں کہ خدا تعالیٰ تمہیں میرا وارثِ روحانی بنائے اور تمہیں نبوت کا رتبہ حاصل ہو۔ عیسُو شکار کے لئے جنگل میں چلا گیا تا دعا لینے سے پہلے اپنے باپ کے لئے لذیذ کھانا تیار کرے۔

یعقوب کی والدہ سن رہی تھی اُس نے یعقوب کو بلایا اور انہیں ایک دنبہ ذبح کر دیا اور اُس کی کھال انہیں پہنا دی یعقوب اپنے باپ اسحٰق کے پاس گئے اور عیسُو کی آواز میں کہا اے باپ! تُو مجھے دل سے دعا دے اسحٰق نے گوشت کھا کر کہا بیٹا! قریب آؤ۔ جب وہ قریب آیا تو اسحٰق نے اُس کے بدن کو ٹٹولا۔ اسحٰق نے دیکھا کہ آواز تو یعقوب والی ہے مگر بدن عیسُو والا نہیں عیسُو کے بدن پر بال تھے اور یعقوب کے بدن پر بال نہ تھے اس لئے یعقوب کی والدہ نے انہیں دنبے کی کھال پہنا دی تھی حضرت اسحٰق علیہ السلام نے یعقوب کو دعا دے دی کہ خدا تعالیٰ انہیں اُن کا روحانی وارث بنائے اور نبوت کا درجہ عطا کرے۔

تب عیسُو شکار لے کر آیا اور کھانا پکا کر باپ کے پاس لے گیا اور کہا اے باپ مجھے برکت دے۔ اسحٰق نے کہا تیرا بھائی یعقوب آیا تھا اور دھوکا سے وہ تیری برکت لے گیا ہے۔ عیسُو نے کہا یعقوب پہلے بھی میرا حق لے گیا تھا اور اب بھی اُس نے میرے حق کو دھوکا سے حاصل کر لیا ہے۔

اس واقعہ میں یہی بتایا گیا ہے کہ اپنے حقوق کی حفاظت کرنا اور اُن کی خاطر قربانی کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ بعض بیوقوف اپنے بڑے بڑے حقوق کو تھوڑے سے لالچ کی خاطر ضائع کر دیتے ہیں۔ جیسے عیسُو نے مسور کی دال کی خاطر اپنا نبوت کا حق چھوڑ دیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 430 تا 432)

(الفضل آن لائن 4/ فروری 2023ء صفحہ 4-5 و 7)

(قسط16)

دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

شکر ہے دھرم بھرشٹ نہیں ہوا

ایک صاحب کی بیوی مجھ سے ملنے کے لئے آئیں، گھر والوں نے مجھے بتایا کہ ایک عورت آئی ہے اور وہ ہمارے خاندان کو خوب جانتی ہے، وہ کہتی ہے کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں، وہ فلاں کی لڑکی ہے اور فلاں سے بیاہی ہوئی ہے۔ میں نے کہا اُس کے باپ کو تو میں جانتا ہوں، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحابی تھا، مگر جس شخص کے ساتھ اس کی شادی بتائی جاتی ہے وہ تو غیر احمدی ہے، یہ بات کیا ہے؟

بہر حال میں نے اُسے بلایا اور کہا، نیک بخت! تو یہاں کہاں؟ تیرا باپ تو صحابی تھا اور تُو ایک غیر احمدی سے بیاہی ہوئی ہے۔ اُس نے کہا اِنہوں نے میرے باپ کو کہا تھا کہ میں احمدی ہو جاؤں گا اِس وقت میری غیرت برداشت نہیں کرتی کہ لوگ مجھے یہ کہیں کہ میں نے ایک لڑکی کی وجہ سے احمدیت قبول کی ہے۔ اس پر میرے باپ نے رشتہ دے دیا مگر پھر یہ احمدی نہیں ہوئے۔ میں نے کہا کیا یہاں کی جماعت کے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں؟ اُس نے کہا سب کو پتہ ہے مگر کسی نے مرکز کو یہ حالات بتائے نہیں۔

تھوڑے دنوں کے بعد ہی اُس کا خاوند مجھ سے ملنے کے لئے آ گیا اور اُس نے ایک ایسی بات کہی جس سے مجھے ایک پرانے برہمن کی کہاوت یاد آ گئی۔

کہتے ہیں ایک برہمن نے کسی چمارن سے شادی کرلی، ماں باپ کو برا لگا کہ ہمارے لڑکے کا دھرم بھرشٹ ہو گیا ہے اور اُنہوں نے اپنے لڑکے کا بائیکاٹ کر دیا، مگر ماں باپ آخر ماں باپ ہوتے ہیں، وہ رات دن بے چین رہتے کہ ہمارے لڑکے کو کیا ہو گیا ہے۔ آخر ایک دن اُنہوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ آیا واقع میں ہمارا لڑکا دین سے نکل گیا ہے، یا ابھی اُس کے دل میں کچھ ایمان باقی ہے۔ اُنہوں نے لڑکے کا وہ گلاس جس میں وہ پانی پیا کرتا تھا اُس چمارن کے ہاں سے منگوا لیا، اور پھر اپنے لڑکے کو گھر بلا کر اُسے اچار سے روٹی کھلا دی۔

اچار کھانے کے بعد اُسے خوب پیاس لگی مگر چونکہ وہ اُسے اپنے گلاس میں پانی نہیں دے سکتے تھے، اُنہوں نے کہا جاؤ اور اپنے گھر سے جا کر پانی پیو، وہ گھر گیا اور بیوی سے کہنے لگا کہ پیاس سے میرا برا حال ہے جلدی کرو اور پانی لاؤ۔ وہ اُٹھی اور گلاس تلاش کرنے لگی مگر وہاں گلاس کہاں تھا، وہ تو اُس کے ماں باپ لے آئے تھے۔ اس نے خاوند سے کہا کہ گلاس تو ملتا نہیں آپ کہیں تو میں اپنے گلاس میں پانی لے آؤں ؟ اُس نے کہا نہیں میں تمہارے گلاس میں پانی پینے کے لئے تیار نہیں۔ غرض وہ پیاس کی شدت سے تڑپتا چلا گیا اور اُس کی کیفیت خراب سے خراب تر ہونے لگی، جب وہ موت کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اپنی بیوی سے کہنے لگا، نیک بخت ! اپنے منہ میں پانی بھر کے میرے منہ میں آکر کُلّی کر دے چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا، اپنے منہ میں پانی ڈالا اور پھر اُس کے منہ میں آکر کُلّی کر دی۔ اُس کے ماں باپ بھی چُھپ کر یہ نظارہ دیکھ رہے تھے، جب اُنہوں نے اپنے بیٹے کا یہ نمونہ دیکھا تو وہ خوشی سے دَوڑتے ہوئے آئے اور اپنے لڑکے کو دُعائیں دیتے ہوئے کہنے لگے، شکر ہے ہمارے بیٹے کا دھرم بھرشٹ نہیں ہوا۔

وہ چمارن سے شادی کر چکا تھا، اُس سے محبت اور پیار کرتا تھا مگر اُس کے برتن میں پانی پینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اِسی قسم کی بات اُس کے خاوند نے کی کہنے لگا احمدی لڑکیاں بڑی کٹّر ہوتی ہیں، میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ میرے ساتھ نماز پڑھ تو وہ نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔

یہ بھی ویسی ہی بات ہے شادی ہو چکی ہے، بچے جن رہی ہے مگر نمازیں الگ الگ پڑھی جاتی ہیں تا کہ ایمان میں کوئی نقص واقع نہ ہو۔

یہ صورت جو قلوب کی نظر آتی ہے اس کی اصلاح اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک جماعت میں یہ احساس پیدا نہ ہو کہ جب بھی کسی مقام پر کوئی ایسا واقعہ ہو افرادِ جماعت کا فرض ہے کہ وہ فوراً مرکز کو صحیح حالات سے باخبر کریں تا کہ مناسب کارروائی کے بعد ان واقعات کی روک تھام کی جا سکے۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 416-417)

اپنے ہی نام درخواست اور خود ہی منظور کر لی

مجھے یاد ہے ایک دفعہ گورداسپور میں ایک نیم پاگل انگریز ڈپٹی کمشنر آ گیا وہ بعد میں گورداسپور سے محض اس لئے تبدیل کیا گیا کہ میرے ساتھ لڑ پڑا تھا اور وزیر ہند مسٹر مانٹیگو نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا یہ پہلی سزا ہے جو ایک ہندوستانی سے لڑائی کرنے کی وجہ سے ایک انگریز کو دی گئی اور اُسے ڈی گریڈ کیا گیا۔ وہ نیم پاگل سا تھا۔

ایک دن سیشن جج کے ہاں اُس کی دعوت تھی وہ وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لاری آئی جس پر پٹرول رکھا ہوا تھا۔ سیشن جج نے وہ پٹرول اُتروا کر اپنی کوٹھی میں رکھوا لیا۔ اُن دنوں قانون کے مطابق وہ لائسنس کے بغیر کچھ پٹرول تو رکھ سکتا تھا مگر اُس کا پٹرول زیادہ تھا اور پھر یہ پٹرول لائسنس والی جگہ میں ہی رکھا جا سکتا تھا کسی دوسری جگہ نہیں۔ جب پٹرول آیا تو وہ ڈپٹی کمشنر ہنستے ہوئے کہنے لگا آپ نے اس کا لائسنس لیا ہے؟ وہ کہنے لگا میں نے تو نہیں لیا۔ سیشن جج نے کہا کہ تمہارے ہاں بھی تو پرسوں پٹرول آیا تھا۔ اُس نے کہا ہاں آیا تھا مگر میں نے اُسی وقت ڈی سی کے حضور درخواست دے دی اور اُن کی منظوری حاصل کر لی یعنی خود ہی اپنے نام درخواست لکھی کہ مجھے اتنے گیلن پٹرول رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے اور خود ہی اُس پر لکھ دیا "منظور" پھر کہنے لگا میں تمہارے خلاف باقاعدہ کورٹ میں کیس پیش کروں گا۔

اب یہ ہے تو بظاہر ہنسی کی بات کہ خود ہی اپنے نام درخواست لکھی جائے اور خود ہی اُسے منظور کر لیا جائے لیکن اگر اِسی رنگ میں ذمہ دار عہدیدار اپنے آپ کو سزا دینے کی عادت اختیار کر لیں تو یقیناً اُن کی اصلاح ہو جائے۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 437)

مولوی ہر چیز خرید لے گا سوائے کتاب کے

ہمیں تو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے اس طرح علم کی چاٹ لگائی کہ ایک کتاب کے چار پانچ نسخے منگوا لینا اور فرمانا میاں! یہ کتاب بڑی اچھی ہے ضرور لو اور مطالعہ کرو۔

چنانچہ اسی ابتدائی زمانہ میں تیس چالیس اچھی اچھی کتابیں میرے پاس جمع ہو گئی تھیں۔ ان میں سے بعض تو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے مجھے تحفہ کے طور پر دی تھیں اور بعض میں نے خود خریدی تھیں۔ اِس طرح میرا علم بڑھتا چلا جاتا تھا۔ مگر اب یہ حالت ہے کہ مولوی شاید اپنے آپ کو بد قسمت سمجھے گا اگر وہ کوئی کتاب خرید لے حالانکہ کتاب ہی سب سے زیادہ اُس کے کام آنے والی چیز ہوتی ہے۔ مجھے خوب یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا کی ہر چیز مولوی خرید لے گا مگر وہی چیز جس سے اس کی ترقی وابستہ ہے نہیں خریدے گا۔ یعنی کتاب خریدنے کے لئے وہ کبھی تیار نہیں ہو گا۔ اس کا یہی جی چاہے گا کہ کوئی مجھے تحفہ کے طور پر دے دے حالانکہ یہ وہ چیز ہے جو اس کے کپڑے سے زیادہ، اس کے کھانے سے زیادہ، اس کے پینے سے زیادہ، بلکہ اس کے بیوی بچوں کی ضروریات سے بھی زیادہ اہمیت رکھنے والی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 475-476)

ذہنی وسعت کے لئے کثرت مطالعہ لازمی ہے

میں تو سمجھ ہی نہیں سکتا کہ کیوں ہمارے علماء اپنی ذہنی وسعت کے لئے کوشش نہیں کرتے۔ اور کتابیں تو الگ رہیں مَیں تو جادو کی کتاب ہاتھ آجائے اُسے بھی نہیں چھوڑتا۔ ہتھکنڈوں کی کتاب مل جائے اُسے بھی پڑھ جاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر علم والے سے بات کر لیتا ہوں اگر اَور لوگ بھی اِسی رنگ میں کوشش کریں تو وہ بھی اپنے علم کو بہت بڑھا سکتے ہیں۔ مجھے ایسی مشق ہے کہ میں کتاب کو پڑھتے ہی صحیح اور غلط بات کا فوراً پتہ لگا لیتا ہوں اور اِس طرح تھوڑے سے وقت میں مَیں کتاب کا بہت بڑا حصہ پڑھ لیتا ہوں۔

حضرت خلیفہ اولؓ کو بھی ایسی ہی مشق تھی۔ ہم آپ کو بچپن میں پڑھتے دیکھتے تو حیران ہوا کرتے تھے۔ آپ کا طریق یہ تھا کہ کتاب اُٹھائی اس کے ایک صفحہ پر جستہ جستہ نظر ڈالی اور جھٹ اُلٹ کر

دوسرے صفحہ پر جا پہنچے۔ بس چند سیکنڈ میں ہی اُس پر نظر ڈالی کہ آگے جا پہنچے اور ہم حیران ہوتے تھے کہ آپ اتنی جلدی کس طرح پڑھ لیتے ہیں۔

مگر بڑے ہو کر خود مشق ہوئی تو معلوم ہوا کہ کثرتِ مطالعہ کے نتیجہ میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کتاب پر ایک نظر ڈالتے ہی پتہ لگا لیتا ہے کہ یہ میرے کام کی چیز ہے یا نہیں اور اس طرح دو چار گھنٹہ میں بڑی بھاری کتاب بھی ختم ہو جاتی ہے۔ میرے نزدیک ایک آدمی نہایت آسانی کے ساتھ اگر وہ مطالعہ کے ساتھ دلچسپی رکھتا ہو تو آٹھ نو سَو کتاب بھی ایک سال میں سرسری طور پر پڑھ سکتا ہے اور پچاس، سَو کتاب تو عام لوگ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 478-479)

عقل مند اور پاگل کے فعل میں فرق

بڑی سکیم یا تو کوئی بڑا عقلمند بنایا کرتا ہے اور یا پھر بڑا پاگل بنایا کرتا ہے۔ جیسے لطیفہ مشہور ہے کہ کسی شخص کو اُس کے آقا نے پانچ روپے انعام کے طور پر دیئے۔ اس نے برتن خرید لئے اور اندازے لگانے شروع کر دیئے کہ یہ پانچ روپوں کے برتن اِتنی قیمت پر بیچوں گا اور اِس طرح پانچ روپے آٹھ بن جائیں گے۔ پھر آٹھ روپے کے اَور برتن لوں گا اور فروخت کروں گا اِس طرح بارہ روپے بن جائیں گے۔ بارہ سے چوبیس اور چوبیس سے اڑتالیس بن جائیں گے اور پھر برتنوں کی تجارت اَور زیادہ وسیع کروں گا۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ایک دن لکھ پتی ہو جاؤں گا اور وزیر مجھ سے درخواست کرے گا کہ میری بیٹی سے شادی کر لو۔ میں پہلے تو نخرے کروں گا مگر آخر مان جاؤں گا اور اُسے گھر میں لے آؤں گا مگر جب بیوی گھر میں آئے گی تو میں اُسے پوچھوں گا نہیں۔ تین چار دن کے بعد اُس کی ماں اُسے کہے گی کہ تُو جا اور اپنے خاوند سے معافی مانگ، شاید وہ کسی بات پر ناراض ہو گیا ہو۔ چنانچہ وہ آئے گی اور کہے گی میرے آقا! میں آپ کی خادمہ ہوں مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے کہ آپ مجھ سے بولتے ہی نہیں۔ میں پیر اُٹھا کر اُسے یوں ماروں گا کہ جا دفع ہو جا۔ اِدھر اس نے یہ سوچا اور اُدھر واقعہ میں زور سے پیر مارا جس سے اس کے تمام برتن ٹوٹ گئے۔

تو بڑی نیت یا بڑا عقلمند کیا کرتا ہے یا بڑا پاگل کیا کرتا ہے۔ اس نے بھی سکیم تو بڑی اچھی بنائی تھی اور وہ وزیر کا داماد بلکہ آئندہ بادشاہ بھی بن جاتا بشرطیکہ اُس کے برتن نہ ٹوٹتے۔ تو بڑے ارادے یا احمق کیا کرتا ہے یا بڑا عقلمند کیا کرتا ہے۔

ایک امریکن جب ہمارے مبلّغ سے سنتا ہے کہ ہم نے امریکہ فتح کرنا ہے تو وہ یکدم حیران ہو جاتا ہے اور کہتا ہے اچھا! اتنے بڑے بڑے ارادے ہیں۔ پھر وہ پوچھتا ہے کہ بتائیے آپ کام کس طرح کرتے ہیں وہ کہتا ہے بس اسی طرح کام کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرے پاس آجاتا ہے تو میں اُسے تبلیغ کر دیتا ہوں، اگر کوئی سوال دریافت کرتا ہے تو میں اُس کا جواب دے دیتا ہوں۔ وہ طنزاً کہتا ہے بس میں سمجھ گیا کہ آپ امریکہ کس طرح فتح کریں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ کوئی سکھ کہیں بیٹھا ہوا تھا اور اس کی داڑھی اور مونچھوں کے بال اس طرح بڑھے ہوئے تھے کہ سارا منہ چُھپا ہوا تھا۔ ایک شخص قریب آیا اور کافی دیر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بالوں میں اپنی اُنگلی ڈالی یہ دیکھنے کے لئے کہ اس کا منہ بھی ہے یا نہیں۔ جب اس نے منہ میں انگلی ڈالی تو سکھ سے برداشت نہ ہو سکا اور اُسے گالیاں دینے لگا۔ اس نے کہا سردار صاحب! غصہ نہ کیجئے۔ بس یہی دیکھنا تھا کہ آپ کا منہ بھی ہے یا نہیں۔

وہ بھی جب یہ جواب سنتا ہے تو کہتا ہے بس پتہ لگ گیا کہ آپ امریکہ کو کس طرح فتح کریں گے۔ تو جب بھی کوئی بڑی نیت کی جائے اس کے لئے کوئی بڑی سکیم بھی بنانی چاہئے۔ ورنہ لوگ یہی کہیں گے کہ یہ لوگ پاگل ہیں۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 482-483)

تجارتی غلبہ کے لئے جتھابندی ضروری ہے

دُنیا کی کوئی قوم صرف انفرادی تجارت کے زور سے باقی اقوام پر غالب نہیں آسکتی۔ جب مسلمانوں کی تجارت اپنے عروج پر تھی تو اُس وقت بھی دوسرے لوگوں کا اِن کی تجارت میں حصہ شامل ہوتا تھا۔ یورپ اور امریکہ میں بھی یہی طریق رائج ہے اور اِسی وجہ سے وہ ایک لمبے عرصے سے تجارت پر چھائے

ہوئے ہیں۔ فرد کبھی لمبی تجارت کر ہی نہیں سکتا، آخر ایک نہ ایک دن وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لئے کمپنیاں بنا کر تجارت کرنا ہی تجارت کا کامیاب طریق ہے مگر ہمارا تاجر ہمیشہ عاجل فائدہ کو دیکھتا ہے آجل کو نہیں۔ وہ یہ تو چاہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کو تجارت پر لگا دوں یا اپنے بھائی کو تجارت میں شامل کر لوں مگر وہ یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے ہمسایہ کو بھی اپنی تجارت میں شریک کر لوں۔ میں نے ایک دفعہ بمبئی میں ایک تبلیغی وفد بھیجا۔ میر محمد اسحٰق صاحب بھی اس میں شامل تھے، وہ بڑے ذہین آدمی تھے۔ واپس آئے تو اُنہوں نے کہا کہ میں نے اِس سفر میں ایک ایسی بات دیکھی ہے جس سے میں بڑا متاثر ہوا ہوں۔

اُنہوں نے بتایا کہ میں بمبئی میں بڑے بڑے بوہرہ تاجروں سے ملا ہوں۔ وہ مذہباً شیعہ ہیں مگر تجارت میں ان کو بڑا غلبہ حاصل ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کو جو طاقت حاصل ہے اِس کی کیا وجہ ہے؟ اور وہ کون سا گُر ہے جو تمہاری اس ترقی کا باعث ہے۔

اُنہوں نے کہا ہم نے اپنی جتھا بندی اس رنگ میں کی ہوئی ہے کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مثلاً ہم میں سے ایک شخص کا دیوالہ نکل جائے تو جب ہمیں اُس کا علم ہوتا ہے تو ہم اُسے بلا کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں روپیہ تو دے نہیں سکتے لیکن ہم تمہاری مدد بھی کرنا چاہتے ہیں اس لئے آج سے ہم اپنی تمام دیاسلائیاں تمہیں دے دیتے ہیں یا مٹی کا تیل تمہیں دے دیتے ہیں یا صابن تمہیں دے دیتے ہیں۔ تم یہ چیز لو اور اِس کی تجارت کرو۔ جب ہمارے پاس کوئی گاہک آئے گا تو ہم اُسے تمہارے پاس بھجوا دیا کریں گے۔ چنانچہ کمیٹی بیٹھتی ہے اور فیصلہ کر دیتی ہے کہ آج سے کسی بوہرے نے دیا سلائی یا صابن یا تیل فروخت نہیں کرنا۔

وہ ہول سیل تاجر ہیں، جب ان کے پاس کوئی شخص مال لینے کے لئے آتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہمارے پاس تو مال ختم ہے لیکن ہم نے سنا ہے کہ فلاں تاجر کے پاس مال موجود ہے آپ اس سے لے لیجئے۔ چنانچہ وہ شخص زیادہ گراں قیمت پر مال اس سے خریدنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور چونکہ بڑے بڑے شہروں میں لاکھوں کا مال خریدا جاتا ہے کسی نے پندرہ ہزار کا مال خریدنا ہوتا ہے، کسی نے پچیس ہزار کا اور کسی نے پچاس ہزار کا اِس لئے جب دکانداروں سے پوچھتے ہیں کہ مال ہے تو جواب ملتا ہے کہ مال تو ختم ہے لیکن

فلاں تاجر کے پاس مال سنا جاتا ہے۔ آپ اس کے پاس چلے جایئے وہ ممکن ہے کچھ مہنگا ہی دے۔ کیونکہ مال کسی اور جگہ سے مل نہیں رہا اس پر وہ مجبور ہو کر اس کے پاس آتے ہیں اور سَودا خرید لیتے ہیں۔ اِس طرح چند دن یا چند ہفتوں میں ہی لاکھ دو لاکھ روپیہ وہ کما لیتا ہے اور اِس کے بعد وہ ان کے مال کی قیمت ان کو واپس کر کے باقی روپیہ سے اپنی تجارت شروع کر دیتا ہے۔

غرض چھوٹی چھوٹی چیزیں جیسے سگریٹ ہوئے یا دیا سلائی کی ڈبیاں ہوئیں یا جُرابیں ہوئیں یا بنیانیں ہوئیں، ان کے ذریعہ سے وہ تھوڑے دنوں میں ہی اُس کے اندر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی طاقت پیدا کر دیتے ہیں۔

یہ جتھا بندی کی روح جب بھی کسی قوم میں ہو گی سارے لوگ اُس کے سامنے سر جُھکانے پر مجبور ہوں گے لیکن جب نفس پرستی ہو گی اور دل میں احساس ہو گا کہ ہم نے دوسروں کو اپنے قریب نہیں آنے دینا تو ایسے لوگ ہمیشہ قوم کو گرایا کرتے ہیں۔ اُسے ترقی نہیں دیا کرتے۔ پس مال بڑھانے کا وہ ذریعہ اختیار کرو جس سے قومی رنگ میں تم کو اعزاز حاصل ہو۔ تجارت اور صنعت میں ترقی کرنے کے لئے احمدی صنّاعوں اور تاجروں کی انجمنیں بنا کر ان کے اندر قومی خدمت کا مادہ پیدا کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ورنہ ذاتی اور خاندانی ترقی صرف ایک حد تک جا سکتی ہے اس سے آگے نہیں۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 497 تا 499)

پہلے سودے کا نفع اللہ کی راہ میں

میں نے بوہرا تاجروں میں دیکھا ہے کہ وہ دن میں ایک سَودا ضرور خدا تعالیٰ کے نام پر کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے تاجر بھی کر سکتے ہیں۔ ہندو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں ہم عموماً کپاس ہندوؤں کے پاس بیچتے تھے۔ وہ ہمیشہ ایک سَودا مذہب کے نام پر کیا کرتے تھے اور مجھے کسی دوست نے بتایا کہ اس طرح سات کروڑ روپیہ سالانہ آجاتا ہے اور اس سے ان کے سارے قومی ادارے چلتے ہیں۔ اب ہمارا تاجر اگر نیت کر لے کہ دن میں پہلا سَودا جو میں کروں گا اس کا نفع مذہب کو دوں گا تو کتنی آمد ہو سکتی ہے۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 522)

احمدیہ لٹریچر کی وجہ سے ہدایت اسلام

بعض چیزوں کا فائدہ دیر سے ہوتا ہے۔ پرنس آف ویلز کو جو مَیں نے تبلیغ کی تھی اس کا بڑی دیر سے اثر ہوا ہے۔۔۔ مجھے ان کے ایک ہمسفر نے بتایا کہ وہ لاہور سے سیالکوٹ جارہے تھے کہ رستہ میں انہوں نے آپ کی کتاب تحفہ پرنس آف ویلز کو پڑھا۔ وہ ان کے ایڈی کانگ مقرر تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ کتاب پڑھتے پڑھتے یکدم کھڑے ہو جاتے تھے اور اس کے بعد انہوں نے صراحتاً عیسائیت سے بیزاری کا اظہار کیا۔ میں حیران ہوں کہ کس طرح تحفہ شہزادہ ویلز نے اس پر اثر کیا۔ یہاں تک کہ وہ عیسائیت سے کلی طور پر بیزار ہو گئے۔

سر غلام حسین ہدایت اللہ گورنر سندھ فوت ہو گئے ہیں، وہ مجھ سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں کراچی گیا تو اُنہوں نے مجھے دعوت پر بلایا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا تاہم میں دعوت پر چلا گیا۔ دعوت میں اور لوگ بھی مدعو تھے۔ سر غلام حسین ہدایت اللہ بھاری جسم کے تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ ہوشیار نہیں لیکن اس مجلس میں مجھ پر یہ اثر ہوا کہ وہ نہایت ہوشیار آدمی ہیں۔ ایک آدمی نے اسلام کے متعلق ایک سوال کیا اور میں نے اُس کا جواب دینا شروع کیا۔ اِتنے میں سر غلام حسین ہدایت اللہ نے کُرسی پر بیٹھے بیٹھے خراٹے مارنے شروع کر دیئے۔ میری طبیعت پر یہ بات گراں گزری کہ اِدھر سوال کا میں نے جواب دینا شروع کیا ہے اور اُدھر اُنہوں نے خراٹے مارنے شروع کر دیئے ہیں۔ میں پندرہ سولہ منٹ تک بولتا رہا۔ ابھی وہ شخص کہ جس نے سوال کیا تھا بولا نہیں تھا کہ سر غلام حسین ہدایت اللہ نے آنکھیں کھول لیں اور کہا سچی بات یہ ہے کہ میں اور تو کچھ جانتا نہیں، ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب نہ آتے تو میں عیسائی ہو جاتا۔ انہی کی کتابیں پڑھ کر اور سُن کر میں اسلام پر قائم رہا ہوں۔ معلوم ہوتا تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے وہ لیٹ گئے تھے، ورنہ جاگ رہے تھے۔ اُنہوں نے آنکھیں کھولیں اور فوراً کہنے لگے جو تشریح اسلام کی علماء نے کی ہے، اُسے پڑھ کر کوئی تعلیم یافتہ مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا۔ میں جب کالج میں پڑھتا تھا تو میں نے مرزا صاحب کی بعض کتابیں پڑھیں اور ان کتابوں کا یہ اثر تھا کہ اب تک میں مسلمان ہوں۔

سر غلام حسین ہدایت اللہ بھاری جسم کے تھے، بُڈھے تھے اور صحت بھی کمزور تھی اور بظاہر معلوم ہوتا تھا اب ان کا حافظہ ویسا نہیں جیسا جوانی میں ہو گا مگر پھر بھی انہیں طالب علمی کے وقت کی یہ بات یاد تھی۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں نے سر غلام حسین ہدایت اللہ سے کہا ہو کہ احمدی غلط راستہ پر جا رہے ہیں اور احمدیوں نے کہا ہو کہ جو باتیں ہمارے متعلق کہی جاتی ہیں وہ غلط ہیں۔ تو اُنہوں نے کہا ہو کہ مجھے احمدیت کا لٹریچر دیکھ لینا چاہئے۔ پس بڑے بڑے لوگ تقریریں نہیں سنتے لٹریچر پڑھ لیتے ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 527-528)

مریض کے لئے آرام و سکون ضروری ہے

مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا بیان کردہ ایک قصہ یاد آ گیا۔ آپ جب گھوڑے سے گرے اور سر میں شدید زخم آیا تو دوستوں نے آپ کی عیادت کے لئے آنا شروع کر دیا اور ہر دوست اپنے اخلاص میں چاہتا کہ وہ زخم دیکھے اور اس کے متعلق پوری معلومات حاصل کرے۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ میرے زخم کی حالت تو بندر کے زخم کی سی ہو گئی ہے۔ جب کسی بندر کو زخم ہو جاتا ہے تو قریب قریب کے سارے بندر اُس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ پہلے ایک بندر یہ دیکھنے کے لئے کہ زخم کہاں ہے اور کتنا ہے، آگے بڑھ کر زخم میں پنجہ ڈال دیتا ہے پھر دوسرا بندر آگے آتا ہے اور وہ بھی زخمی بندر سے یہی سلوک کرتا ہے۔ اِسی طرح سارے بندر ایک ایک کر کے آتے ہیں اور اُس کے زخم میں ہاتھ ڈال ڈال کر دیکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زخم کی حالت بجائے درست ہونے کے اور زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ آخر زخمی بندر جنگل میں بھاگ جاتا ہے اور جب تک زخم ٹھیک نہ ہو وہ واپس نہیں آتا۔

آپ فرماتے تھے کہ میرے زخم کی حالت بھی بندر کے زخم کی سی ہو گئی ہے ہر ایک شخص جو تیمار داری کے لئے آتا ہے، اخلاص اور محبت کی وجہ سے کہتا ہے مجھے زخم دکھاؤ۔ اور پھر کہتا ہے یہ کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ اس کی اب کیا حالت ہے؟ کیا علاج کیا گیا ہے؟ غرض رات دن یہی ہوتا رہتا ہے۔

آپ فرماتے اگر کوئی شخص بیمار ہو اور وہ رات دن یہی کہتا رہے کہ میں بیمار ہوں تو وہ اپنے آپ کو بیمار کہتے کہتے مر جائے گا اور اگر وہ کہے کہ میں اچھا ہوں تو سُننے والے اُسے جھوٹ کہیں گے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 550)

اعتراض کرنے والے اعتراض ہی کرتے ہیں

قادیان کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص بہت غریب تھا اُس نے یہ کہنا شروع کیا کہ آپ امیروں کے ہاں دعوتیں کھاتے ہیں غریبوں کے ہاں دعوت نہیں کھاتے۔ اُس شخص کی اپنی یہ حالت تھی کہ میرا خیال یہ تھا کہ اگر وہ سامنے دال روٹی بھی رکھے گا تو اُسے تکلیف ہو گی لیکن ہر دو تین ماہ کے بعد وہ میرے پاس آتا اور کہتا کہ آپ غریبوں کی دعوت نہیں کھاتے۔ آپ میری دعوت قبول کریں۔ میرے گھر آئیں اور وہاں بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ آخر میں نے کہا میں تمہاری دعوت مان لیتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم سالن پکاؤ یا دال یعنی ان دونوں میں سے کچھ پکاؤ مگر ہو ایک ہی چیز اور اس کے ساتھ پُھلکے پکالیں، چاول نہیں پکانے۔ اگر تم نے سالن اور دال دونوں چیزیں پکالیں یا چاول پکالئے تو میں تمہاری دعوت قبول نہیں کروں گا۔ اُس نے کہا مجھے یہ شرط منظور ہے۔ وہ شخص مجھ سے اخلاص رکھتا تھا اُس نے میرا مطلب سمجھ لیا۔ چنانچہ جس دن دعوت تھی اُس نے پتلا سا شوربہ بنالیا اور اُس کے ساتھ پُھلکے تیار کر لئے۔ میں اُس کے گھر گیا اور کھانا کھایا۔ کھانا سے فارغ ہو کر میں اُس کے گھر سے باہر نکلنے لگا تو غالباً سیالکوٹ کے ایک دوست دروازے پر کھڑے تھے۔ اُنہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا ”تُسی ایسے غریباں دی دعوت وی کھالیندے او۔“ میں نے کہا اس شخص کی یہ بات کہ ”تُسی غریباں دی دعوت نہیں کھاندے“ میں نے تین سال سُنی ہے۔ اب تمہاری یہ بات تین سال تک سُن لوں گا۔ اِس پر وہ شخص شرمندہ ہو گیا اور واپس چلا گیا۔

غرض ایک طرف تو وہ امیر شخص تھا جس کو غریب کے ہاں میرا جانا بُرا لگا۔ اور دوسری طرف وہ غریب شخص تھا جو مجھے تین سال تک یہ کہتا رہا کہ آپ غریبوں کی دعوت قبول نہیں کرتے اور آخر مجھے اُس کی دعوت منظور کرنی پڑی۔ تو اعتراض کرنے والے بعض اوقات اعتراض کرتے رہتے ہیں اور حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 553)

(الفضل آن لائن 18 / فروری 2023ء)

(قسط17)

دلچسپ و مفید واقعات وحکایات

خلیفہ ٔوقت کی حفاظت جماعت کا فرض ہے

مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو بعض دوستوں نے لکھنا شروع کر دیا کہ خلیفہ وقت کو نماز کے لئے مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔ اِسی طرح ملاقات کا سلسلہ بھی بند کر دینا چاہئے۔

میں نے کہا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خلیفہ ٔوقت کو کسی منارہ پر باندھ دیا جائے اور جماعت اپنا فرض ادا نہ کرے۔ جب تک خلافت رہے گی خلیفہ مسجد میں نماز پڑھانے ضرور جائے گا، وہ ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رکھے گا، چاہے دشمن اُس پر حملہ کرے یا نہ کرے۔ اِسی طرح وہ اپنے فرائض بھی بجالائے گا آگے جماعت کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ وہاں کوئی مشکوک آدمی تو موجود نہیں۔

رسول کریم ﷺ نے بھی یہودیوں کی دعوت کو منظور کر لیا تھا اور آپ کی شان یہی تھی کہ اس دعوت کو منظور فرمالیتے۔ صحابہؓ کا یہ فرض تھا کہ وہ حفاظت کے پیشِ نظر کھانا چکھ لیتے لیکن اُن سے یہ غلطی سرزد ہو گئی اُنہوں نے کھانا چکھا نہیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ رسول کریم ﷺ نے کھانا کھالیا۔ آپ کو الہاماً پتہ لگ گیا کہ اِس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے اور آپ نے لقمہ منہ سے نکال کر پھینک دیا تھا لیکن غالباً حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ نے فرمایا کہ یہودیوں نے کھانے میں جو زہر کھلایا تھا اُس کا

اثر اُس وقت تو نہیں ہوا لیکن اب جسم میں اُس کا اثر معلوم ہوتا ہے یعنی اُس وقت تو آپ بچ گئے لیکن اس زہر کا اعصاب پر ایسا اثر ہوا کہ بڑھاپے میں جا کر وہ محسوس ہوا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ آتا ہے آپ ایک جنگ سے واپس آ رہے تھے کہ رستہ میں ایک جگہ آرام کرنے کے لئے لشکر ٹھہر گیا۔ صحابہؓ کا خیال تھا کہ چونکہ ہم اب مدینہ کے قریب آ گئے ہیں اس لئے خطرہ باقی نہیں رہا مگر وہ تھکے ہوئے تھے اس لئے علیحدگی میں آرام کرنے کے لئے بکھر گئے اور محمد رسول اللہ ﷺ اکیلے ایک درخت کے نیچے رہ گئے۔ آپ نے اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی اور خود آرام کی خاطر لیٹ گئے۔ لمبے سفر کی تھکاوٹ تھی اِس لئے آپ کو نیند آ گئی۔

ایک کافر جس کا بھائی مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارا گیا تھا اُس نے یہ قسم کھائی تھی کہ چونکہ اُس کے بھائی کو مارنے والے مسلمان ہی ہیں اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے ہیں اِس لئے میں اپنے بھائی کا انتقام لینے کی خاطر محمد رسول اللہ ﷺ کو ماروں گا۔ چنانچہ وہ اس ارادہ سے چوری چُھپے آپ کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔ اس نے اس موقع کو جب صحابہؓ کسی خطرہ کا احساس نہ کرتے ہوئے آرام کی خاطر منتشر ہو گئے تھے اور رسول کریم ﷺ ایک درخت کے سایہ میں اکیلے سوئے ہوئے تھے، غنیمت جانا۔ اُس نے درخت سے تلوار اُتاری اور آپ کو آواز دے کر کہا اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟

اُس وقت باوجود اس کے کہ آپ بے ہتھیار تھے اور بوجہ لیٹے ہوئے ہونے کے حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے، آپ نے نہایت اطمینان اور سکون سے جواب دیا۔ "اللہ"۔ اب اللہ کا لفظ تو سارے لوگ کہتے ہیں۔ فقیر بھی اللہ اللہ کہتے ہیں لیکن ظاہر میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے جب "اللہ" کہا تو خدا تعالیٰ کی ذات آپ کے پیچھے موجود تھی۔ آپ کا یہ لفظ زبان سے نکالنا تھا کہ اُس دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ وہ تلوار آپ نے فوراً اُٹھالی۔

اب وہ شخص جو آپ کے قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا آپ کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا تھا۔ آپ نے معلوم کرنا چاہا کہ آیا میرے منہ سے اللہ کا لفظ سُن کر بھی اسے سمجھ آئی ہے یا نہیں آپ نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اب مجھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ تو اُس نے کہا آپ ہی رحم کریں تو مجھے چھوڑ

سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمہیں بھی کہنا چاہئے تھا کہ اللہ ہی بچا سکتا ہے کیا میرے منہ سے سُننے کے باوجود بھی تمہیں اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔

اب دیکھ لو! خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کی ایک نشان کے طور پر حفاظت تو کر دی لیکن دراصل یہ ذمہ داری صحابہؓ کی تھی۔ خدا تعالیٰ نے کہا میرا کام حفاظت نہیں ہاں موت سے بچانا میرا کام ہے اور موت سے میں بچالوں گا لیکن اُس نے حملہ میں کوئی روک پیدا نہیں کی۔ پس کچھ کام جماعت کو بھی کرنے پڑتے ہیں۔ خلیفہ پر پابندیاں عائد نہیں کی جاسکتیں۔ خلیفہ اپنا کام کرے گا اور جماعت کو اپنا فرض ادا کرنا ہو گا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 555 تا 557)

مغز اور روح کے بغیر عبادت بیکار ہے

خالی حج کوئی چیز نہیں۔ مجھے یاد ہے جب مَیں حج کر کے واپس آ رہا تھا تو جس جہاز پر میں واپس آ رہا تھا اُس کا کپتان انگریز تھا۔ اس نے مجھ سے کہا میں نے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔ آپ کی عمر 23، 24 سال کی ہے۔ (میں اُس وقت خلیفہ نہیں بنا تھا)۔ آپ حج کر کے آئے ہیں، اس لئے اب آپ کو نماز روزے کی ضرورت تو نہیں رہی۔ میں نے کہا حج کا نماز، روزہ ترک کرنے سے کیا تعلق ہے؟ اُس نے کہا مسلمان کہتے ہیں کہ حج کرنے سے نماز، روزہ معاف ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا جب آپ نیا سوٹ پہن لیتے ہیں تو کیا دوسرے سوٹ کی حفاظت ترک کر دیتے ہیں؟ اِس پر وہ ہنس پڑا۔ میں نے کہا حج کیا ہے؟ ایک نیا سوٹ ہے۔ اب کیا اُس نئے سوٹ کی حفاظت کی وجہ سے دوسرے لباس کی حفاظت ترک کر دی جائے گی؟

مجھے خوب یاد ہے کہ جس سال میں نے حج کیا اُس سال سُورت کے ایک تاجر نے بھی حج کیا تھا۔ میں نے دیکھا جب وہ شخص منیٰ کی طرف جا رہا تھا تو وہ اُردو کے نہایت گندے عشقیہ شعر پڑھ رہا تھا۔ اتفاقاً جس جہاز پر میں واپس آ رہا تھا اُس پر وہ تاجر بھی سوار تھا۔ جب اُسے پتہ لگا کہ میں کون ہوں تو اس شخص نے کہا خدایا! یہ جہاز جس میں یہ شخص ہے غرق کیوں نہیں ہو جاتا۔ میں نے سُنا تو کہا اگر یہ جہاز غرق ہو گیا تو تُو کہاں جائے گا؟ وہ شخص دن میں کوئی نماز نہیں پڑھتا تھا لیکن یہ بات اکثر کہتا رہتا تھا کہ خدایا! وہ جہاز جس میں یہ شخص سوار ہے غرق کیوں نہیں ہو جاتا۔

ایک دن میں نے اُس سے سوال کیا کہ کیا آپ حج کر کے آئے ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا میں نے آپ کو پہلی دفعہ اُس وقت دیکھا تھا جب آپ ایک اونٹ پر سوار ہو کر منیٰ کی طرف جارہے تھے۔ یہ وقت دعا کا ہوتا ہے لیکن آپ اُس وقت فحش اور گندے شعر پڑھ رہے تھے۔ اسی طرح آپ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ پھر آپ پر کون سی مصیبت پڑی تھی کہ آپ حج کے لئے گئے اور اتنا روپیہ تباہ کیا؟

اُس نے کہا میں میمن قوم کا ایک فرد ہوں، میرا باپ ایک بڑا تاجر ہے، ہماری دُکان سے ہر روز لوگ دس دس پندرہ پندرہ ہزار روپیہ کا سَودا لے جاتے ہیں، ہمارے ساتھ کی دُکان پر دو بھائی کام کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھائی حج کر کے آیا اور واپس آکر اُس نے دُکان پر ایک بورڈ لگایا۔ جس پر اُس نے اپنے آپ کو حاجی لکھا۔ اب اس بورڈ کو پڑھ کر ہر شخص اُن کی دکان پر جانے لگا جس سے ہماری بکری کم ہو گئی۔ میرے باپ نے کہا تم بھی حج کر آؤ تا کہ ہم بھی اپنی دکان پر حاجی کا بورڈ لگا سکیں نہیں تو ہماری دکان ختم ہو جائے گی، ورنہ مجھے حج سے کیا کام؟

حقیقت یہ ہے کہ مذہب قبول کرنے کے معنے ہی یہ ہوتے ہیں کہ انسان کی حرکات، افکار، اور دماغ سب تبدیل ہو جائیں۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو کسی مذہب کے قبول کرنے سے اُسے کچھ بھی نہیں ملتا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 557-558)

اطاعت یہی ہے پہلے عمل پھر تحقیق

جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے وہ ہر کام کو بغیر یہ سوچنے کے کہ یہ عقل کے معیار پر پورا اُترتا ہے یا نہیں کرتا چلا جاتا ہے۔

ایک دفعہ رسول کریم ﷺ مسجد میں وعظ فرما رہے تھے۔ بعض صحابہ مجلس کے کناروں پر کھڑے تھے، آپ نے اُنہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اُس وقت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ پاس کی گلی میں سے گزر رہے تھے۔ آپ کے کان میں یہ آواز پڑی تو آپ وہیں بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھے مسجد کی طرف اُنہوں نے گھسٹتے ہوئے آنا شروع کر دیا۔ کسی شخص نے آپ سے کہا یہ کیا احمقانہ حرکت ہے کہ تم گلی میں اس طرح بیٹھ کر چل رہے ہو۔ آپ نے فرمایا میرے کان میں رسول کریم ﷺ کی یہ آواز پڑی تھی کہ

بیٹھ جاؤ تو میں بیٹھ گیا۔ اس پر اس شخص نے کہا کیا تمہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ رسول کریم ﷺ نے یہ حکم اُن لوگوں کو دیا ہے جو مسجد میں آپ کے سامنے کھڑے تھے؟ آپ نے فرمایا یہ درست ہے لیکن موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ پتہ نہیں مَیں مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی مر جاؤں اور اِس حکم پر عمل نہ کر سکوں تو خدا تعالیٰ کے سامنے میں کیا جواب دوں گا۔ کیا خدا تعالیٰ کے سامنے میں یہ کہوں گا کہ رسول کریم ﷺ کا ایک حکم میں نے نہیں مانا تھا اس لئے جونہی آواز میرے کان میں پڑی تو میں بیٹھ گیا۔ چاہے یہ بیوقوفی کا کام قرار دے دیا جائے لیکن اگر مسجد میں جانے سے قبل مجھے موت آ گئی تو خدا تعالیٰ کے سامنے میں یہ تو کہہ سکوں گا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کا ہر حکم جو میرے کانوں میں پڑا مانا ہے۔

اِسی طرح جب رسول کریم ﷺ نے شراب کے حرام ہونے کے متعلق اعلان فرمایا تو اُس وقت کچھ صحابہؓ ایک شادی کے موقع پر جمع تھے۔ ایک مٹکا باقی تھا جس کو وہ شروع کرنے ہی والے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز آئی کہ شراب حرام ہو گئی ہے۔

اِس پر اُن میں سے ایک نے کہا سنو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے شراب حرام ہو گئی ہے۔ دوسرے نے کہا باہر نکل کر ذرا تصدیق کر لو لیکن جس صحابیؓ کو اُس نے یہ بات کہی تھی اُس نے ڈنڈا مٹکے پر مارا اور اُسے پھوڑ کر کہا خدا کی قسم! میں پہلے مٹکا توڑوں گا اور پھر تحقیقات کروں گا۔ جب میرے کان میں آواز پڑ گئی تو تحقیقات کا سوال بعد میں پیدا ہو گا، عمل پہلے ہو گا۔

پس صحابہؓ میں یہ روح تھی کہ وہ احکام پر فوری طور پر عمل کرتے تھے اور یہ نہیں سوچتے تھے کہ آیا وہ عقلی معیار پر پورا اُترتے ہیں یا نہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 559-560)

انداز محبت

ایک جج تھے جو احمدی تھے بعد میں اُنہیں ٹھوکر بھی لگی۔ اُنہوں نے جب بیعت کی تو اس کے بعد ایک دفعہ مجھے ملنے کے لئے آئے۔ میں اُنہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ میرا جوڑا پہن کر آ گئے ہیں۔ شلوار، کوٹ اور قمیض سب یوں معلوم ہوتے تھے کہ وہ میرے ہی ہیں۔

میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ ہمیشہ اِسی قسم کا لباس پہنتے ہیں؟ تو اُنہوں نے جواب دیا جب میں نے بیعت کی تو میں نے خیال کیا کہ اب ظاہری طور بھی آپ کا رنگ اختیار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے ایک احمدی سے پوچھا کہ آپ کا لباس کس قسم کا ہوتا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ آپ کا لباس اِس اِس قسم کا ہوتا ہے تو میں نے اِسی قسم کا لباس بنوالیا۔ انسان کی روحانی طور پر بھی اس قسم کی کوشش کی ضرورت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت آتی ہے کہ جب آپ حج کے لئے تشریف لے جاتے تو ایک جگہ پر پہنچ کر آپ رستہ سے ہٹ کر کچھ دُور چلے جاتے اور وہاں کچھ دیر کے لئے اس طرح بیٹھ جاتے جیسے کوئی پیشاب کرنے بیٹھتا ہے۔

ایک صحابیؓ نے دیکھا کہ آپ ہر دفعہ اس جگہ جاتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے بظاہر پیشاب کرنے کی غرض سے وہاں بیٹھ جاتے ہیں اور پھر واپس آجاتے ہیں تو اُنہوں نے دریافت کیا کہ آپ اُس جگہ کیوں جاتے ہیں؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں ہمیشہ اِس بات کو چُھپاتا رہا ہوں اور میری خواہش تھی کہ میرا یہ راز لوگوں کو معلوم نہ ہو لیکن چونکہ آپ نے اب پوچھ لیا ہے اِس لئے بتا دیتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ رسول کریم ﷺ نے اِس جگہ بیٹھ کر پیشاب کیا تھا۔ میں نے چاہا کہ چلو آپ کے اِس کام کی بھی نقل ہو جائے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 560-561)

ماحول پر نظر اور پہرہ دینا مومن کا شیوہ ہے

ایک صحابیؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک رات خطرہ کا الارم ہوا۔ سب لوگ جاگ اُٹھے اور ایک جگہ پر اکٹھے ہو کر یہ تجویز کرنے لگے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں اطلاع دے کر ہدایات لی جائیں۔ اتنے میں ہم نے دیکھا کہ ایک سوار آرہا ہے۔ جب لوگ بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سوار خود رسول کریم ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کوئی فکر کی بات نہیں تم سب گھروں میں واپس چلے جاؤ، اور سو جاؤ۔ کچھ بدوی لوگ اُونٹوں کو لڑا رہے تھے میں نے خیال کیا کہ شاید دشمن آگیا ہے

چنانچہ میں اُس طرف چلا گیا جِدھر سے آواز آرہی تھی تا صحیح خبر لا سکوں۔ یہ ذہنیت تھی جو رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ کے اندر پائی جاتی تھی۔

اس کے مقابلہ میں ہماری جماعت کی یہ حالت ہے کہ چوہدری عبد اللہ خان صاحب نے مجھے بتایا کہ محراب کے سامنے جو لوگ بیٹھے تھے میں نے جب اُن سے بعض باتیں دریافت کیں تو ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ شخص مشکوک حالت میں تھا۔ وہ کمبل اوڑھے ہوئے تھا اور اُس کا منہ کمبل سے ڈھکا ہوا تھا۔ جب وہ سجدہ میں گیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ کوئی چیز اُس کی جیب سے گر رہی ہے لیکن اس شخص کو یہ احساس نہ ہوا کہ اُسے احتیاطی تدبیر کرنی چاہئے۔ اُس نے یہ خیال کیا کہ یہ صدر انجمن احمدیہ کا کام ہے مجھے اس کے کام میں دخل نہیں دینا چاہئے۔

قادیان میں ایک دفعہ اسی قسم کا واقعہ ہوا۔ میں دارالحمد میں تھا کہ میرے ایک لڑکے نے مجھے اطلاع دی کہ ایک نوجوان آیا ہے اور وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ میں باہر آیا لیکن ابھی رستہ میں ہی تھا کہ باہر شور پڑ گیا۔ باہر آکر دریافت کرنے پر مجھے بتایا گیا کہ کوئی نوجوان تھا، اُس کے پاس چُھرا تھا اور وہ حملہ کی نیت سے یہاں آیا تھا۔ اب اُسے پکڑ لیا گیا ہے۔

مجھے عبد الاحد خان پٹھان نے بتایا کہ یہ نوجوان بچوں کے پاس کھڑا تھا اور اُن سے کہہ رہا تھا کہ میں مرزا صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ بات کرتے وقت اُس نے اپنی ٹانگ کو حرکت دی اور یہ حرکت اِس قسم کی تھی کہ جیسے پٹھان اُس وقت کیا کرتے ہیں جب اُنہوں نے چُھرا چُھپایا ہوا ہو۔ میں نے اُسے اس قسم کی حرکت کرتے دیکھا تو میں نے اُسے پکڑ لیا اور ٹٹولنے پر واقع میں اندر سے چُھرا نکل آیا۔ لیکن یہاں وہ نوجوان آتا ہے، مسجد میں آکر بیٹھتا ہے، اس کی ظاہری حالت اُسے مشکوک بتاتی ہے پھر جب نماز پڑھتا ہے تو اُس کی جیب میں سے چاقو نیچے گر جاتا ہے اور وہ اُسے اُٹھا کر جیب میں دوبارہ ڈال لیتا ہے لیکن اُسے کسی نے پکڑا نہیں۔

ایک دفعہ مکہ کے قریب دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت رسول کریم ﷺ مدینے میں ایک خیمہ میں بیٹھے تھے کہ کھٹ کھٹ کی آواز آئی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کون ہے؟ تو اس شخص

نے جواب دیا کہ میں فلاں شخص ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ تو اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ میں نے خیال کیا کہ مکہ والوں نے مسلمانوں سے لڑائی شروع کر دی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار مدینہ پر بھی حملہ کر دیں۔ میں یہاں حاضر ہوا ہوں تا آپ ﷺ کی خدمت میں درخواست کروں کہ مدینہ کی حفاظت کے لئے میری قوم حاضر ہے۔

اب دیکھو مکہ میں لڑائی ہو رہی ہے لیکن صحابہؓ مدینہ میں پہرہ کا انتظام کرنے لگ جاتے ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 561-562)

جب بندہ نہیں بولتا تو خدا بولتا ہے

جب عبد اللہ بن ابی بن سلول نے یہ کہا کہ جو شخص سب سے زیادہ معزز ہے یعنی عبد اللہ بن ابی بن سلول۔ وہ نعوذ باللہ سب سے ادنیٰ اور ذلیل شخص یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو مدینہ سے باہر نکال دے گا تو یہ خبر اس کے بیٹے کو بھی ملی جو اسلام لا چکا تھا۔ وہ رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ میرے باپ نے ایسے الفاظ کہے ہیں اور اس قسم کے الفاظ کی سزا قتل کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا تو اُسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! ﷺ اگر آپ کا یہ ارادہ ہو کہ میرے باپ کو قتل کر دیا جائے تو آپ مجھے حکم دیں کہ میں اُسے قتل کروں۔ اگر کسی اور شخص نے میرے باپ کو قتل کیا تو ممکن ہے کبھی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اُس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے اور میں اس کو کوئی نقصان پہنچا بیٹھوں لیکن رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔

جب وہ شخص مدینہ پہنچا تو رسول کریم ﷺ مدینہ میں داخل ہو چکے تھے، باقی لوگ داخل ہو رہے تھے۔ وہ تلوار کھینچ کر رستہ میں کھڑا ہو گیا اور اپنے باپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا اگر تم نے مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ تم مدینہ میں داخل ہونے سے قبل یہ اعلان کرو کہ مَیں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور رسول کریم ﷺ سب سے زیادہ معزز ہیں اور جب تک تم اِس بات کا اعلان نہیں کرو گے میں تمہیں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابی بن سلول نے اعلان کیا

میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ معزز ہیں۔ یہ الٰہی تصرّف تھا۔ خود عبد اللہ کے بیٹے نے یہ تہیہ کر لیا کہ جب تک میں اپنے باپ کے منہ سے یہ فقرہ نکلوانہ لوں گا میں اُسے چھوڑوں گا نہیں۔

اگر تم بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کر لو تو خواہ دشمن تمہیں نقصان پہنچانے کی کتنی ہی کوشش کرے اللہ تعالیٰ اِس کے ازالہ کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر دے گا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 565-566)

احمدی غَضِّ بصر سے کام لیتے ہیں

ایک دفعہ عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا اور ایک احمدی ڈاکٹر بطور گواہ پیش ہوئے۔ مخالف فریق یہ سمجھتا تھا کہ احمدی غَضِّ بصر سے کام لیتے ہیں اور عورتوں کی طرف نہیں دیکھتے۔

اُس کے مخالف فریق کے وکیل نے احمدی ڈاکٹر پر یہ سوال کیا کہ کیا آپ نے فلاں عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا تھا؟ اُس کے جواب میں اُنہوں نے کہا میں نے اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا حالانکہ وہ کہہ سکتا تھا کہ میں اُس کی آواز کو پہچانتا ہوں، اُس کی چال کو پہچانتا ہوں۔

لیکن غیر احمدی وکیل کو چونکہ یہ پتہ تھا کہ احمدی سچ کی خاطر جھوٹ نہیں بولتا اِس لئے اُس نے یہ تدبیر کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عورت جس پر مقدمہ تھا بری ہو گئی۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 573)

دولت کے درست استعمال کے لئے بھی دعا کرو

اِس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہم دُعائیں کریں جہاں اللہ تعالیٰ ہمیں روپیہ دے وہاں ہمیں اس کے صحیح استعمال کی بھی توفیق عطا فرمائے کیونکہ روپیہ کا غلط استعمال کیا جائے تو وہ ضائع ہو جاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کا ایک دوست بہت امیر تھا۔ جب وہ مرا تو اُس نے لاکھوں روپیہ اپنے پیچھے چھوڑا اور وہ روپیہ اُس کے لڑکے کو ملا۔ خود تو اُس نے بڑی تنگی میں گزارا کیا تھا لیکن اپنے بیٹے کے لئے اُس نے کافی سرمایہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ ایک دن کسی شخص نے آپ سے آکر کہا کہ آپ

اپنے دوست کے بیٹے کو سمجھائیں وہ قیمتی تھان کپڑے کے خرید تا ہے اور اُنہیں سارا دن پھاڑ تا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ بات سُن کر بڑا تعجب ہوا کیونکہ میرے نزدیک یہ پاگلانہ حرکت تھی۔ تاہم میں نے اُسے اپنے پاس بلایا اور کہا میاں! تمہارے متعلق یہ شکایت آئی ہے کہ تم اپنی دولت کو ضائع کر رہے ہو۔ تم قیمتی تھان کپڑے کے خریدتے ہو اور پھر انہیں بیٹھے پھاڑتے رہتے ہو، اس کا کیا فائدہ۔ وہ کہنے لگا مولوی صاحب! نیا کپڑا اپھاڑنے کے نتیجہ میں جو چِر کی آواز آتی ہے وہ مجھے بڑی اچھی لگتی ہے اِس لئے میں سارا دن یہی کام کرتا رہتا ہوں۔

اب دیکھو! اگرچہ اس کے پاس روپیہ بہت تھا لیکن اس نے اُسے ناواجب طور پر ضائع کر دیا۔ اسلامی بادشاہوں کے پاس بھی بہت روپیہ رہا لیکن اُنہوں نے بھی اسے اِسی طرح ضائع کر دیا۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 585)

نامعلوم پھر یہ موقع ملے یا نہ ملے

جرمنی میں ہمبرگ یونیورسٹی کے ایک مشہور پروفیسر ہیں جو مشرقی زبانوں کے ماہر ہیں۔ یونیورسٹی نے انہیں اسلام پر ایک کتاب لکھنے کے لئے بھی مقرر کیا ہے اُنہوں نے ایک جرمن رسالہ میں ایک اہم مضمون لکھا تھا جس پر امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے پریذیڈنٹ نے انہیں مبارکباد دی اور لکھا کہ میں نے اب تک جرمن کے کسی رسالہ میں اتنا قیمتی مضمون نہیں پڑھا۔ وہ پروفیسر جرمنی میں میری آمد کی خبر سُن کر مجھے ملنے کے لئے آ گیا اور کہنے لگا میں نے آپ سے بعض مخفی باتیں کرنی ہیں آپ اپنے سیکرٹری اور دوسرے ساتھیوں کو ذرا کمرہ سے باہر بھیج دیں۔ چنانچہ میں نے اپنے سیکرٹری اور دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ وہ کچھ دیر کے لئے کمرہ سے باہر چلے جائیں۔ جب وہ کمرہ سے باہر چلے گئے تو اُس نے کہا میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اسے فِی الحال مخفی رکھا جائے۔ میں نے کہا بہت اچھا، بیعت کے مخفی رکھنے میں کوئی حرج نہیں چنانچہ اُس نے بیعت کر لی۔ جب نماز کا وقت آیا تو میں اُس کمرہ میں گیا جو نماز کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ وہ پروفیسر بھی مقتدیوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اپنے مبلّغ کو پاس بلایا اور اس سے کہا کہ اِس سے پوچھو کہ تم نے تو اپنی بیعت کو مخفی رکھنے کے لئے

کہا تھا اور اب خود ہی نماز میں شامل ہو گئے ہو، اب تمہاری بیعت مخفی کس طرح رہ سکتی ہے؟ مبلّغ نے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا کہ بے شک میں نے اپنی بیعت مخفی رکھنے کی درخواست کی تھی لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ شاید خدا تعالیٰ انہیں میری خاطر ہی جرمنی میں لایا ہے۔ پھر نہ معلوم یہ موقع نصیب ہو یا نہ ہو۔ اِس لئے میں نے کہا کہ آپ کی اقتداء میں چند نمازیں تو پڑھ لوں۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 592)

اتفاق کی برکت

کہتے ہیں ایک شخص نے موت کے وقت اپنے سب بیٹوں کو بُلایا اور ایک جھاڑو منگوا کر کہا اِس جھاڑو میں سے ایک تنکا نکال کر توڑو۔ اُنہوں نے اُس تنکے کو بڑی آسانی سے توڑ دیا۔ اس کے بعد اُس نے انہیں جھاڑو دیا اور کہا کہ اسے توڑو مگر ان سے نہ ٹوٹا۔ اِس پر اُس نے کہا میرے بیٹو! تم نے دیکھا کہ ایک ایک تنکا ذاتی طور پر کوئی قوت نہیں رکھتا، تم نے اُسے ایک اُنگلی کے دباؤ سے ہی توڑ دیا لیکن جھاڑو کو توڑنا تمہارے لئے مشکل ہو گیا۔

اسی طرح اگر تم متفرق ہو گئے تو دُنیا کی ہر طاقت تمہیں تباہ کر سکتی ہے لیکن اگر تم اکٹھے اور متفق رہے تو تم محفوظ و مصون رہو گے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 600)

مایوسی و پژمردگی

کہتے ہیں کوئی میراثی تھا جو ہمیشہ بیکار رہتا تھا جب اس کی بیکاری سے تنگ آ کر اُس کی بیوی اُسے کوئی کام کرنے کے لئے کہتی تو وہ جواب دیتا کہ بڑی دِقّت تو یہی ہے کہ ان دنوں کوئی کام نہیں ملتا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اُن دنوں اس ملک کے بادشاہ کی کسی اور ملک سے جنگ ہو گئی اور اُس نے ملک میں عام فوجی بھرتی کا اعلان کر دیا۔ میراثی کی بیوی نے کہا گھر میں کھانے کو کچھ نہیں اور تم کوئی کام نہیں کرتے۔ اگر واقعی کوئی کام نہیں ملتا تو یہ سنہری موقع ہے تم فوج میں بھرتی ہو جاؤ اور کماؤ۔ بے شک تنخواہ کم ہے لیکن تاہم کچھ نہ کچھ تو آئے گا اور جو کچھ آئے گا وہ بیکاری سے بہر حال بہتر ہو گا۔

میراثی نے کہا تم بھی عجیب ہو، بیویاں تو اپنے خاوندوں کی خیر خواہ ہوتی ہیں اور تم مجھے فوج میں بھرتی کرا کے مروانا چاہتی ہو۔ اُس کی بیوی نے اُسے سمجھانے کے لئے چکّی میں چند دانے ڈالے اور چکی کو چلایا اِس پر آٹے کے ساتھ بعض سالم دانے بھی نکل آئے۔ چنانچہ اُس نے میراثی سے کہا کہ دیکھو جنہیں خدا تعالیٰ محفوظ رکھنا چاہتا ہے وہ چکی کے پاٹوں کے درمیان سے بھی سالم نکل آتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ تم نے اپنے متعلق یہ خیال کیوں کر لیا کہ تم ضرور مر جاؤ گے۔ جو لوگ فوج میں بھرتی ہوتے ہیں وہ سارے کے سارے تو نہیں مر جاتے۔ اس پر میراثی نے کہا مجھے تو پِسے ہونے دانوں میں ہی سمجھ لے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 617-618)

(الفضل آن لائن 24/ فروری 2023ء)

(قسط18)

دلچسپ و مفید واقعات وحکایات

سب سے بڑا عہدہ دین کی خدمت کا ہے

میرے پاس ایک نوجوان آیا اور اُس نے کہا کہ میں اپنی زندگی وقف کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اُس سے دریافت کیا کہ تمہیں زندگی وقف کرنے کا خیال کس طرح پیدا ہوا اور یہ بھی دریافت کیا کہ تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ اُس نے اپنے نانا کا نام لیا اور کہا کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ اُس نے کہا میں ان کا نواسہ ہوں۔ مَیں نے کہا ان کی تو ایک لڑکی قادیان آیا کرتی تھی۔ اس پر اُس نے کہا کہ وہ میری والدہ تھیں۔ میرے نانا کو تو احمدیت قبول کرنے کی توفیق نہ ملی مگر میری والدہ احمدی ہو گئی تھیں اور ان میں دین کی خدمت کا جذبہ اس قدر پایا جاتا تھا کہ جونہی میں نے ہوش سنبھالی، اُنہوں نے میرے کان میں یہ بات ڈالنی شروع کی کہ میں نے تمہیں دین کی خدمت کے لئے وقف کرنا ہے۔

میں نے بڑے ہو کر تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد مجھے ایک اچھی ملازمت مل گئی۔ لیکن جب کبھی مجھے اپنی والدہ کا خیال آتا اُن کی وہ بات یاد آجاتی کہ میں نے تمہیں دین کی خدمت کے لئے وقف کرنا

ہے۔ چنانچہ اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں اپنی والدہ کی خواہش کو پورا کروں گا۔ میں نے اپنے باپ سے بھی اِس بات کا ذکر کیا ہے۔ اُنہوں نے بھی کہا ہے کہ تم بے شک زندگی وقف کرو، یہ اچھی بات ہے۔

اب آپ لوگ دیکھیں کہ ماں کی بچپن سے کان میں ڈالی ہوئی بات اس نوجوان کو یاد رہ گئی۔ اگر دوسرے دوست بھی اپنے بچوں کے کانوں میں بچپن سے ہی دین کی باتیں ڈالتے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی زندگیاں وقف نہ کریں۔

اِسی طرح مجھے کراچی سے ایک اور نوجوان نے لکھا کہ میں نے وقف کیا کرنا ہے بچپن سے ہی میرے کانوں میں یہ بات ڈالی جاتی رہی ہے کہ تم نے بڑا عُہدہ حاصل کرنا ہے۔ اب میں بچپن سے ہی کان میں پڑی ہوئی بات کس طرح چھوڑ دوں۔

پس یہ ضروری امر ہے کہ ماں باپ اپنی اولادوں کے کانوں میں یہ بات ڈالتے رہیں کہ سب سے بڑا عُہدہ یہی ہے کہ دین کی خدمت کی جائے۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 605-606)

سوشل تقریبات اور دعوت الیٰ اللہ

ہیمبرگ جرمنی میں مَیں نے دیکھا ہے کہ وہاں پارٹیوں میں بہت سادگی برتی جاتی ہے مثلاً چائے کے ساتھ صرف سادہ بسکٹ رکھ دیے جاتے ہیں بلکہ ایک دعوت کے موقع پر تو بسکٹ صرف ایک تھالی میں تھے اور وہ بھی صرف میرے آگے۔ میرے کہنے پر وہ تھالی دوسرے دوستوں کے آگے رکھ دی گئی لیکن مجھے یاد ہے کہ ان میں سے کوئی بسکٹ بھی کھایا نہیں گیا۔ وہاں سوشل تقریب کے موقع پر پیسٹری وغیرہ کا کوئی رواج نہیں بلکہ وہاں ایسے مواقع پر بہت معمولی چیزیں میزوں پر چُنی جاتی ہیں جن میں اخراجات بہت تھوڑے آتے ہیں۔ اِسی طرح آپ لوگ بھی کریں کہ چند دوستوں کو چائے پر بلا لیا اور پھر اس موقع پر مبلّغ سے مختلف سوالات شروع کر دیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں میاں معراج الدین صاحب مرحوم کی یہ عادت تھی کہ وہ مجلس میں آکر خود ہی سوالات شروع کر دیتے اور کہتے حضور لوگ ایک سوال یہ کرتے ہیں، اِس کا کیا جواب ہے؟ اور پھر جب آپ جواب دے دیتے تو ایک اور سوال کر دیتے۔ اسی طرح بعض اوقات دو دو چار چار گھنٹہ تک سوالات و جوابات کا سلسلہ جاری رہتا اور باہر سے آنے والے لوگ بڑے خوش واپس جاتے۔ میاں معراج الدین صاحب مرحوم کا یہ طریق تھا کہ وہ باہر سے آنے والوں سے پوچھتے رہتے تھے کہ مخالف کیا کیا اعتراض کرتے ہیں اور اگر کوئی نیا اعتراض مل جاتا تو وہ مجلس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیتے تا کہ دوسرے لوگ بھی آپ کے جواب سے مستفید ہوں۔

اب یہ دیکھ کر افسوس آتا ہے کہ اِس قسم کے لوگ موجود نہیں۔ لوگ مجلس میں آتے ہیں اور خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ پس تم یہ طریق اختیار کرو اور اس سے فائدہ اُٹھا کر لوگوں کو سلسلہ سے روشناس کرنے کی کوشش کرو۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 608-609)

کامیاب زراعت بھی عقلمندی سے ہوتی ہے

ایک دفعہ مجھے ڈائریکٹر زراعت ڈلہوزی میں ملے۔ ملاقات کے وقت پیداوار کا حساب ہونے لگا۔ اُنہوں نے بتایا کہ زمیندار بہت ہوشیار ہوتے ہیں مجھے دو مربعے ملے تھے اور میں سمجھتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اڑھائی ہزار روپیہ ٹھیکہ پر چڑھ سکیں گے لیکن میرے پاس ایک زمیندار آیا اور اُس نے کہا مجھے اپنے مربعے ٹھیکہ پر دے دیں۔ میں نے وہ دونوں مربعے اُسے ٹھیکہ پر دے دیئے اور اُس نے اس کے عوض سات ہزار روپے پیش کئے۔

میں نے سمجھا کہ میں نے اسے لُوٹ لیا ہے لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ زمیندار مجھے مقاطعہ دینے کے لئے آیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہیں کچھ زیادہ نقصان تو نہیں ہوا؟ اُس نے کہا نقصان، میں نے تو

اٹھارہ ہزار روپیہ کمایا ہے۔ سات ہزار روپیہ آپ کو دے رہا ہوں اور باقی گیارہ ہزار روپیہ بنک میں جمع کرا رہا ہوں اور ابھی ایک فصل باقی ہے۔

پھر اُس نے کہا اصل بات یہ ہے کہ آپ کی زمین کے پاس گورنمنٹ کے دس مربع زمین تھی۔ اُس کو پانچ روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے بھی کوئی نہیں لیتا تھا۔ ہم دونوں بھائی ہوشیار ہیں ہم نے اندازہ لگایا کہ آپ والے دونوں مربعے اچھے ہیں ان سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے چنانچہ ہم نے سات ہزار روپیہ آپ کو پیش کیا اور چھ سَو روپیہ پر گورنمنٹ والے دس مربعے ٹھیکہ پر لئے۔ ہم نے سمجھا کہ ان دس مربعوں کا پانی آپ والے مربعوں کو دیں گے اور ان میں گنّا بوئیں گے چنانچہ ان دس مربعوں کا پانی آپ والے دونوں مربعوں کو ملا تو گنّا کی نہایت شاندار فصل ہوئی اور اب نہ صرف آپ کو زرِ ٹھیکہ تمام کا تمام ادا کر دیا گیا ہے بلکہ گیارہ ہزار روپیہ کی رقم ہم نے بنک میں بھی جمع کرا دی ہے اور ابھی ایک فصل باقی ہے۔ پس ہوشیار زمیندار کافی آمد پیدا کر سکتے ہیں۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 615)

عمل کے بغیر خالی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک امیر کا واقعہ سُنایا کرتے تھے کہ اُسے ایک دفعہ یہ شکایت پیدا ہوئی کہ کھانے کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا تو اُنہوں نے کہا کہ بجٹ بڑھ جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے سٹور کا دروازہ کُھلا رہتا ہے اور کھانے کی اشیاء گیدڑ اور کُتّے وغیرہ کھا جاتے ہیں آپ سٹور کو دروازہ لگوا دیں تو بجٹ کم ہو سکتا ہے چنانچہ اُس نے سٹور کو دروازہ لگوا دیا۔ گیدڑوں نے یہ بات سُنی تو اُنہوں نے رونا شروع کر دیا۔ ایک بوڑھا گیدڑ اُن کے رونے کی آواز سُن کر آیا تو اُس نے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے تم رو کیوں رہے ہو؟ اُنہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور کہا ہم اِسی سٹور سے کھانا کھایا کرتے ہیں اب چونکہ سٹور کا دروازہ بن گیا ہے اس لئے ہمارے گزارے کی کوئی صورت

نہیں رہی، اب تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔ بوڑھے گیدڑ نے کہا تمہاری عقل ماری گئی ہے جس شخص کو بیس سال تک سٹور کو دروازہ لگوانے کا خیال نہیں آیا، اُس کے سٹور کا دروازہ بند کون کرے گا۔

پس اصل بات تو یہ ہے کہ کام کس طرح کرایا جائے ورنہ سکیم پاس کر دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 625)

تجربات سے زراعت میں ترقی کی جاسکتی ہے

سندھ والوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ہندوستانی قسم کے آم نہیں ہوتے۔ ملتان میں ایک خاص قسم کا آم ہوتا ہے۔ مرزا مظفر احمد وہاں ڈی۔ سی مقرر ہوئے تو میں نے ان سے کہا اس کا ایک پیوند حاصل کرو تاکہ اسے سندھ میں اپنی زمینوں میں بویا جائے۔ اُنہوں نے کوشش کی لیکن پیوند نہ مل سکا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر دوسرے لوگ بھی اِسی قسم کو پیدا کرنے لگ گئے تو ہمارا فخر جاتا رہے گا۔ وہاں پادریوں کا ایک ہسپتال ہے اس قبیلہ کے لوگ بِالعموم اسی ہسپتال سے علاج کراتے ہیں۔ ان کے ذریعہ بھی ہم نے پیوند حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن پیوند نہ ملا۔

بعد میں ایسا اتفاق ہوا کہ اس قبیلہ نے ملک عمر علی صاحب سے کسی معاملہ میں سفارش کرائی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کر ان سے تین پودے لے لو۔ ایک اپنے ہاں بوؤ، ایک مجھے دے دو اور ایک میاں بشیر احمد صاحب کو دے دو۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک پیوند حاصل کر کے مجھے بھجوایا میں نے وہ اپنے مالی کو دے دیا اور اس نے اُسے دوسرے درختوں میں لگایا لیکن اُس نے پتہ نہ دیا اور ہمارا تجربہ کامیاب نہ ہوا۔ پھر میں نے انہیں ہدایت دی کہ آم خرید کر لگائیں چنانچہ بارہ آم خرید کیے گئے لیکن قاعدہ یہ ہے کہ پیوند لگانے سے بہترین آم پیدا ہوتا ہے، گٹھلی بونے سے اچھا آم پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ایک دفعہ ایک کتاب میرے مطالعہ میں آئی وہ امداد امام صاحب جو بہار کے رئیس تھے اور علی امام صاحب

کے والد تھے، اُنہوں نے لکھی تھی۔ انہیں باغات لگانے کا بڑا شوق تھا۔ اُنہوں نے اپنے تجربات کی بناء پر اس کتاب میں لکھا تھا کہ اگر کسی گٹھلی کو بویا جائے اور وہ اُگ آئے تو چھ ماہ کے بعد پودے کو دوسری جگہ لگائیں اور پھر ہر تین ماہ کے بعد اُس کی جگہ بدلتے جائیں۔ تو وہ درخت اصل آم کی طرح پھل دینے لگ جائے گا۔ پھر میں نے پڑھا تھا کہ شہد میں ڈبو کر گٹھلی کو لگایا جائے تو آم میٹھا ہوتا ہے۔ میں نے وہ گٹھلیاں لگوائیں اور ان کتابوں کے مطابق تجربہ کیا تو بارہ گٹھلیوں میں سے سات گٹھلیاں اُگیں۔ پھر ان میں سے دو پودے مر گئے، پانچ بچے، ان پودوں کو میں نرسری میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کراتا رہا۔ اب وہ درخت آم دینے لگ گئے ہیں اور وہ آم بالکل اصل آموں کی طرح ہیں۔ پھر اُن آموں کی بڑی شُہرت ہوئی۔ میرا ایک کارکن مچل فارم کے پاس بعض پودے لینے گیا تو اُنہوں نے کہا کہ ناصر آباد کے ”نورالہدی“ آم بہت اچھے ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک درخت مجھے بھی دیں کہ میں اُسے اپنے باغ میں لگاؤں۔

اب دیکھو! پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سندھ میں ہندوستان اور ملتان کے آم پیدا نہیں ہوتے لیکن بعد میں ہم نے تجربہ کیا اور ملتان کا ”نورالہدیٰ“ اور ہندوستان کی بعض اقسام پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

پس تجربہ سے بعض نئی نئی چیزیں بھی پیدا کی جاسکتی ہیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 629-630)

وقف کے لئے اطمنان قلب کافی ہے

مجھے کئی ایک بچوں کے خطوط آتے ہیں کہ وہ دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمارے والدین منع کرتے ہیں، کیا ہم والدین کی نافرمانی کر کے وقف کر سکتے ہیں؟ میں انہیں یہی لکھتا ہوں کہ کیا فوج میں بھرتی کے لئے ماں باپ سے اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بے شک باپ منع کرتا ہے تو کرے تم وقف کر کے سلسلہ کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاؤ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لو۔ آپ کے والد نے آپ کو سیالکوٹ میں ملازم کرا دیا لیکن آپ جلد ہی ملازمت چھوڑ کر آ گئے اور ہم آپ کے ملازمت چھوڑ کر آ جانے کو نیکی سمجھتے ہیں اور آپ کے اِس فعل کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں۔

پھر ماں باپ کی ناپسندیدگی کے باوجود وقف کرنے والے لڑکوں کو قابلِ مذمت کیوں قرار دیں۔ چنانچہ میں ایسے لڑکوں کو یہی جواب دیتا ہوں کہ اگر تمہیں اطمینان قلب حاصل ہے اور تم خدا تعالیٰ کا کام کرنا چاہتے ہو تو والدین کی پرواہ نہ کرو اور دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں پیش کر دو۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 636-637)

سجدوں کی برکت

ناصر آباد میں میری زمینوں پر ایک دوست منشی قدرت اللہ صاحب سنوری مینیجر تھے۔ ایک دفعہ ہم زمین دیکھنے گئے۔ چونکہ سندھ میں صدر انجمن احمدیہ کی زمین تھی اس لئے میرے ساتھ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے اور مرزا بشیر احمد صاحب بھی تھے۔ وہاں اُن دنوں گھوڑے کم ملتے تھے۔ اُنہوں نے میرے لئے تو گھوڑا کسی سے مانگ لیا تھا اور دوسرے ساتھی میرے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

منشی قدرت اللہ صاحب نے باتوں باتوں میں بتایا کہ اُنہیں اِس قدر آمد کی اُمید ہے۔ اِس پر چوہدری صاحب اور مرزا بشیر احمد صاحب نے اِس خیال سے کہ منشی قدرت اللہ صاحب کو ان کی باتوں کا علم ہو کر تکلیف نہ ہو آپس میں انگریزی میں باتیں کرنی شروع کر دیں اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ شخص گپ ہانک رہا ہے، اِتنی فصل کبھی نہیں ہو سکتی۔ ان کا خیال تھا کہ منشی قدرت اللہ صاحب سنوری انگریزی نہیں جانتے مگر دراصل وہ اتنی انگریزی جانتے تھے کہ ان کی باتوں کو خوب سمجھ سکیں مگر وہ خاموشی سے ان کی باتیں سُنتے رہے۔ جب اُنہوں نے باتیں ختم کر لیں تو منشی صاحب کہنے لگے آپ لوگ خواہ کچھ خیال کریں، دیکھ لینا میری فصل اِس سے بھی زیادہ نکلے گی جو مَیں نے بتائی ہے۔ آپ کو کیا علم ہے؟ میں نے ہر کھیت کے

کونوں پر سجدے کئے ہوئے ہیں اور یہ فصل میری محنت کے نتیجہ میں نہیں بلکہ میرے سجدوں کی وجہ سے ہو گی۔ میں نے ہر کونہ پر دو دو رکعت نماز پڑھی ہے اور چار چار سجدے کئے ہیں۔

اِس پر ان دونوں کا رنگ فق ہو گیا کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا انہیں پتہ نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صدر انجمن احمدیہ کو اس سال گھاٹا رہا لیکن منشی قدرت اللہ صاحب نے کئی ہزار روپیہ مجھے بھجوایا۔ میں نے سمجھا کہ یہ صدر انجمن احمدیہ کا روپیہ ہے جو غلطی سے میرے نام آ گیا ہے لیکن دیکھا تو معلوم ہوا یہ میرا ہی روپیہ ہے۔ ساتھ ہی منشی قدرت اللہ صاحب نے لکھا کہ میرا اندازہ ہے کہ اِتنی ہی آمد اَور ہو جائے گی۔ میں نے جو پیداوار ابھی تک اُٹھائی ہے وہ مَیں نے ایک ہندو تاجر کے پاس بھیجی ہے۔ آٹھ ہزار روپیہ مَیں بطور پیشگی لے کر بھیج رہا ہوں اور میں ابھی اَور روپیہ ارسال کروں گا۔

حالانکہ میری زمین صدر انجمن احمدیہ کی نسبت بہت تھوڑی تھی لیکن اُس سال صدر انجمن احمدیہ کو تو گھاٹا رہا لیکن مجھے نفع آیا۔ یہ محض منشی قدرت اللہ صاحب سنوری کے سجدوں کی برکت تھی۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد 3 صفحہ 620-621)

عورت کی درد بھری فریاد کا اثر

جب صلیبی جنگوں کے زمانہ میں عیسائیوں نے مکہ کے قریب مسلمانوں کو شکست دے کر اپنی فوجیں فلسطین میں داخل کر دیں اور فلسطین کا وہ حصہ جو مکہ اور حیفا کے پاس ہے اُس کو فتح کر لیا اور تھوڑا سا حصہ مسلمانوں کے پاس رہ گیا تو اُس وقت ایک قافلہ بغداد سے شام اور فلسطین میں تجارت کے لئے آیا ہوا تھا۔ جب وہ قافلہ شام کی حدود میں سے گزر رہا تھا تو اُنہوں نے ایک عورت کی آواز سُنی جو چِلّا چِلّا کر کہہ رہی تھی یَا لَلْاَ میرَ المومنین! جس کے معنے یہ ہیں کہ اے امیر المومنین! میری فریاد کو پہنچیو۔ وہ کوئی عورت تھی جس کو عیسائی پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ پاس ہی مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ عیسائی بعض اوقات

اُن بستیوں پر ڈاکہ مارتے تھے اور مسلمانوں کو پکڑ لیتے تھے۔ چنانچہ عیسائی لوگ اُس عورت کو پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ اُس بیچاری کو پتہ نہیں تھا کہ آجکل امیر المومنین کی کوئی طاقت نہیں ہے، بغداد کے قلعہ سے باہر اُسے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

مگر اس کی پُرانی شہرت ابھی باقی تھی اُس کی وجہ سے اُس نے یہ آواز دی کہ اے امیر المومنین! میری فریاد کو پہنچیو۔ قافلہ والے پاس سے گزر گئے اور کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ وہ آپس میں یہ باتیں کرنے لگے کہ عجیب بے وقوف عورت ہے اِس کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ اب امیر المومنین کی کوئی طاقت نہیں۔ جب قافلہ بغداد پہنچا تو کچھ لوگ سَودا وغیرہ خریدنے کے لئے آئے۔ تو اُنہوں نے دریافت کیا کہ کوئی عجیب واقعہ آپ کے ساتھ گزرا ہو تو بتاؤ۔ اس پر قافلہ کے بعض لوگوں نے بتایا کہ ہم نے واپسی پر یہ عجیب واقعہ دیکھا کہ ایک عورت کو عیسائی پکڑے لئے جا رہے تھے اور وہ یَا لَلْاَ میرَ المومنین! کے نعرے لگا رہی تھی۔ شاید اُس کو یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ ہمارے خلیفہ کی آجکل کوئی طاقت نہیں۔ کسی درباری نے بھی یہ بات سُن لی۔ وہ دربار میں گیا تو اس نے عباسی خلیفہ سے کہا کہ اے امیر المومنین! آج ایک قافلہ شام سے واپس آیا ہے اور اُس نے یہ خبر سُنائی ہے کہ اِس اِس طرح شام کی ایک مسلمان عورت کو عیسائی پکڑ کے لئے جا رہے تھے اور اُس نے یہ نعرہ لگایا کہ اے امیر المومنین! میری فریاد کو پہنچئیو۔ حضور اس کو اِتنا بھی پتہ نہیں تھا کہ بغدادی حکومت اب اتنی کمزور ہو چکی ہے۔

جب خلیفہ نے یہ بات سُنی تو گو اُس کے پاس کوئی فوج نہیں تھی، سارے علاقے باغی ہو چکے تھے اور ہر صوبہ میں الگ حکومت قائم ہو چکی تھی، وہ اُسی وقت تخت سے نیچے اُتر آیا اور کہنے لگا خدا کی قسم! جب تک میں اِس مسلمان عورت کو چُھڑا کر نہیں لاؤں گا اُس وقت تک میں تخت پر نہیں بیٹھوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھا۔ تھا تو وہ ایک دکھاوے کا حکمران لیکن یہ خبر بجلی کی طرح سارے علاقوں میں پھیل گئی اور جس جس صوبہ میں گئی وہاں سے فوراً نیم بادشاہ اپنی فوجیں لے کر اسلامی خلافت کے ماتحت چل پڑے کہ جدھر خلیفہ جائے گا اُدھر ہی ہم جائیں گے اور آناً فاناً ایک بہت بڑا لشکر بغداد کے ارد گرد جمع ہو گیا۔

یہ لشکر خلیفہ کی کمان میں آگے بڑھا اور اُس نے عیسائیوں کو شکست دی اور اس طرح خلیفہ اُس عورت کو چُھڑا کر واپس لے آنے میں کامیاب ہو گیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 681-682)

سوکن مجھ پر آنی ہے۔ تم خواہ مخواہ چِڑتے ہو

جب میں یورپ میں گیا تو ایک جرمن عورت میرے پاس آئی۔ اُس نے باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ جنرل نجیب نے مجھے ایک دفعہ سعودی عرب کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور اُس نے مجھ سے کہا کہ میرے بیٹے سے شادی کر لو۔ میں نے کہا شکر کرو تم بچ گئیں کیونکہ اُن کی تو بہت سی بیویاں ہوتی ہیں۔ وہ کہنے لگی ساری بیویاں نہیں ہوتیں true wife ایک ہی ہوتی ہے باقی سب داشتہ ہوتی ہیں۔ پھر کہنے لگی جب اسلام نے مسلمانوں کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت دی ہے اور میں بھی مسلمان ہو گئی ہوں تو مجھے ایک سے زیادہ بیویوں پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

پھر وہ کہنے لگی میری کئی دفعہ پادریوں سے گفتگو ہوئی ہے۔ ایک دفعہ ایک پادری نے تعددِ ازدواج کے خلاف تقریر کی تو میں نے کہا تم بڑے بیوقوف ہو۔ عورت تو مَیں ہوں سوکن مجھ پر آنی ہے یا تم پر آنی ہے؟ مجھے تو سوکن آنے پر کوئی اعتراض نہیں اور تم خواہ مخواہ چِڑتے ہو۔ میں تو اسلام کے اِس حکم کو غنیمت سمجھتی ہوں کیونکہ اسلام نے گو مرد کو ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی ہے مگر ساتھ ہی کہا ہے اُنہیں ایک جیسا کھانا کھلاؤ، ایک جیسے کپڑے دو، ایک جیسا مکان دو۔ جب یہ چیز موجود ہے تو عورتوں کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم کورٹ شپ کے بعد شادی کرتے ہیں مگر دو سال تک کورٹ شپ کرنے کے باوجود پھر بھی لڑائی ہو جاتی ہے۔ اگر تعددِ ازدواج کی صورت میں میرا خاوند مجھ سے لڑے گا تو اِتنا تو ہو گا کہ ایک مکان میرا ہو گا اور اس کے ساتھ ہی ایک مکان میری سوکن کا ہو گا اور اس کے ساتھ ایک مکان میری تیسری سوکن کا ہو گا۔ میں خاوند کا بازو پکڑوں گی اور اُسے دوسرے گھر میں دھکیل دوں گی کہ سارا

دن میں نے تیرا منحوس منہ دیکھا ہے، اب وہ تیرا منہ دیکھے۔ اگر یہ ہوتا کہ کورٹ شپ کی وجہ سے ہماری کبھی لڑائی نہ ہوتی تو پھر تو کوئی بات بھی تھی لیکن جب ہماری بھی لڑائیاں ہوتی ہیں تو پھر اسلام کی اس اجازت سے اتنا تو فائدہ ہو سکتا ہے کہ جب خاوند کی عورت سے لڑائی ہو تو وہ اُس کا بازو پکڑ کر اُسے دوسری بیوی کے گھر میں دھکیل دے اور خود اس کا غصے والا چہرہ سارا دن نہ دیکھتی رہے۔

میں جب ولایت سے آیا تو کراچی میں میری ایک تقریر ہوئی۔ اُس میں مَیں نے یہ واقعہ سنایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ انڈونیشیا سے ہمارے مبلّغ کا خط آیا کہ یہاں پاکستانی ایمبیسی میں جو پریس اٹاچی تھا اس نے مجھے بتایا کہ میں نے مرزا صاحب کی ایک تقریر سُنی ہے مجھے تعددِ ازدواج کا مسئلہ کبھی سمجھ نہیں آیا کرتا تھا اب یہ مسئلہ سمجھ آ گیا ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ کوئی پرانی بات ہو گی اِس لئے مَیں نے اُسے لکھا کہ مجھے تو یاد نہیں کہ کبھی میں نے کراچی میں ایسی تقریر کی ہو۔ مگر اُس نے میری اِسی تقریر کا حوالہ دیا جس میں مَیں نے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔

اِس پر مجھے تعجب ہوا کہ مَیں نے تو صرف ایک لطیفہ بیان کیا تھا مگر اُس افسر نے اس لطیفہ سے ہی ایک اہم مسئلہ سمجھ لیا۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 703-704)

اللہ تعالیٰ ہمیں غداروں سے محفوظ رکھے

ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی اور سلطان ٹیپو جیسے غیور مسلمان پیدا ہوئے مگر ان غیور بادشاہوں کے ساتھ غدار بھی ہمیشہ پیدا ہوتے رہے۔

چنانچہ پہلی جنگ عظیم میں جب سمرنا میں دشمن نے فوجیں اُتاریں اور ایک اسلامی جرنیل کو اُن کا مقابلہ کرنے کے لئے کہا گیا اُن دنوں مَیں "ڈیلی نیوز" منگوایا کرتا تھا۔ اس کے نامہ نگار نے لکھا کہ میں نے میدان جنگ میں ایک ایسا دردناک نظارہ دیکھا ہے جسے میں کبھی بُھول نہیں سکتا۔ میں نے دیکھا کہ تُرک

جرنیل جو دشمن کی فوجوں سے لڑ رہا تھا میدان سے ہٹ کر ایک پتھر پر بیٹھا ہے اور رو رہا ہے۔ میں نے اس کے رونے کا سبب دریافت کیا تو اُس نے کہا ان کارتوسوں کو دیکھو، ان میں بارود کی بجائے بُورا بھرا پڑا ہے میں دشمن کو مار نہیں سکتا۔ اگر ان کارتوسوں میں بارود ہوتا تو میں آج دشمن کو شکست دے دیتا لیکن اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔

غرض جہاں اسلام میں دلیر اور غیور افراد گُزرے ہیں وہاں اس میں غدار بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کارتوسوں میں بارود کی بجائے بُورا بھرنے والا کوئی غدار ہی تھا جس نے ایسے لوگوں کو ٹھیکہ دے دیا جنہوں نے کارتوسوں میں بارود کی بجائے بُورا بھر دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس قسم کے غداروں سے محفوظ رکھے اور ایسے وفادار لوگ عطا کرے جو اسلام کی خاطر ہمیشہ سینہ سپر رہنے والے ہوں اور جن کو اپنی اور اپنے بچوں کی جانوں کی پرواہ نہ ہو۔ وہ میدان میں جائیں اور اسلام کی خاطر اپنی جانیں لڑا دیں۔

(خطابات شوریٰ جلد 3 صفحہ 716-717)

(الفضل آن لائن 25/ فروری 2023ء)

مضامین کے لنکس

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط1)

https://www.alfazlonline.org/24/09/2022/68883/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط2)

https://www.alfazlonline.org/01/10/2022/69415/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط3)

https://www.alfazlonline.org/15/10/2022/70476/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط4)

https://www.alfazlonline.org/22/10/2022/70965/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط5)

https://www.alfazlonline.org/29/10/2022/71433/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط6)

https://www.alfazlonline.org/05/11/2022/71879/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط7)

https://www.alfazlonline.org/19/11/2022/72929/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط8)

https://www.alfazlonline.org/26/11/2022/73414/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط9)

https://www.alfazlonline.org/03/12/2022/73822/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط10)

https://www.alfazlonline.org/10/12/2022/74323/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط11)

https://www.alfazlonline.org/07/01/2023/76272/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط12)

https://www.alfazlonline.org/14/01/2023/76837/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط13)

https://www.alfazlonline.org/21/01/2023/77202/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط14)

https://www.alfazlonline.org/28/01/2023/77687/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط15)

https://www.alfazlonline.org/04/02/2023/78148/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط16)

https://www.alfazlonline.org/18/02/2023/79151/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط17)

https://www.alfazlonline.org/24/02/2023/79657/

- دلچسپ و مفید واقعات و حکایات (قسط18)

https://www.alfazlonline.org/25/02/2023/79774/



ادارہ الفضل آن لائن کی کتب

1. اسلامی اصطلاحات کا بر محل استعمال
2. ارشادات حضرت مسیح موعودؑ بابت مختلف ممالک و شہر
3. جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں خلافت خامسہ کا عظیم الشان کردار اور معیت الٰہی
4. ارشادات نور
5. کتابِ تعلیم
6. ذیلی تنظیموں کا تعارف اور ان کے مقاصد
7. مجدد دین اسلام۔ تعارف و کارہائے نمایاں
8. میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا
9. جماعت احمدیہ کا نظام خلافت
10. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد اول
11. حیات نور الدینؓ
12. دُعا، ربوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے
13. قرآنی انبیاء

14. معلمین وقفِ جدید کے لئے مشعلِ راہ
15. جامع المناهج والاساليب
16. مقام و عظمتِ خلافت
17. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد دوم
18. الفضل کی اہمیت، افادیت اور قلم کے استعمال کی ترغیب
19. مسز ناصر کی کہانی، مسز ناصر کی زبانی
20. واقعہ افک
21. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد سوم
22. قرآن کی سورتوں کا تعارف
23. سیّدنا حضرت امیر المؤمنین کا دورۂ امریکہ 2022ء
24. ربط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مدام
25. سیدنا مصلح موعودؓ (الفضل آن لائن کے اوراق سے)
26. جماعت احمدیہ کی دنیا بھر میں مساجد
27. احمدیت کے چمکتے ستارے۔ شہدائے برکینا فاسو
28. لجنہ اماء اللہ کے سو سال
29. دلچسپ و مفید واقعات و حکایات
30. فقہی کانز (زیر تکمیل)
31. اپنے جائزے لیں (زیر تکمیل)
32. اداریے بابت رمضان المبارک (زیر تکمیل)
33. دعاؤں کا تحفہ قرآنی دعائیں (زیر تکمیل)
34. مساجد نمبر (زیر تکمیل)
35. اداریے بلحاظ ترتیب مضامین جلد اول (زیر تکمیل)
36. بچوں کی تقاریر از فرخ شاد (زیر تکمیل)
37. ہجری شمسی مہینوں کا تعارف (زیر تکمیل)

★ ★ ★ ★ ★